www.KitaboSunnat.com

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ ﷺ خاتم النبیین کو سارے جہاں والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء:107)

پائیدار سماجی ترقی

خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی

ڈاکٹر عبدالغفار

شعبہ علوم اسلامیہ سیرت چیئر یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ

پائیدار سماجی ترقی
سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
ڈاکٹر عبدالغفار
شعبہ علوم اسلامیہ سیرت چیئر یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ (الانبیاء:107)

"اور ہم نے آپ ﷺ خاتم النبیین کو سارے جہاں والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

پائیدار سماجی ترقی،

خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی

ڈاکٹر عبد الغفار

زیر اہتمام: شعبہ علوم اسلامیہ و سیرت چیئر، یونیورسٹی آف اوکاڑہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب :**پائیدار سماجی ترقی**،خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی

مصنف : **ڈاکٹر عبد الغفار**
شعبہ علومِ اسلامیہ
یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ
0300-4881087

ترتیب و کمپوزنگ: حافظ انتظار احمد 0306-4245048
پی ایچ ڈی سکالر، سیرت النبی ﷺ شعبہ علومِ اسلامیہ،
یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ
ریسرچ اسسٹنٹ مجلہ الاضواء، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مطبع :
ناشر : شعبہ علومِ اسلامیہ و سیرت چیئر، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ
سالِ طباعت: 2021ء/1443ھ

صفحات: 435

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست عنوانات

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب

عصر حاضر کے نامور سوشل سائنس دان پروفیسر ڈاکٹر محمد زکریا ذاکر

وائس چانسلر، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ

کے نام

جو شب و روز ملک پاکستان کی پائیدار تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں ہیں، جن کی بھرپور تحریک علمی، تحقیقی رہنمائی کی بدولت یہ کام منصہ شہود پر آرہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

سماجیات [1] یا عمرانیات (Sociology) ایک ایسا علم ہے جس میں بنیادی طور پر (Behavioral Ethics) اخلاقی آداب، انسانی رویوں، باہمی تعلقات خواہ وہ قومی ہوں یا بین الاقوامی سفارت کاری، Psyshology انسانی نفسیات مختلف سماجی اداروں کی تعمیر و تشکیل پر بحث کی جاتی ہے، مسائل کی نشاندہی کے بعد اس پر مطالعات پیش کیے جاتے ہیں۔ عالمگیریت (Globolization) کی وجہ سے یہ مختلف النوع بھی ہوتے جاتے ہیں، بالخصوص (Covid-19) موجودہ وبائی امراض کی لہر کے دوران تو یہ مسائل مزید انواع میں بڑھ کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ خصوصا جہاں اکیسویں صدی تو سائنسی ایجادات، تمدنی ترقی، تیز ترین سفری سہولیات لے کر آئی اس کے ساتھ ساتھ ایسے سماجی و اخلاقی مسائل بھی پیدا ہو چکے ہیں جن سے انسانیت فتنہ و فساد کا شکار ہو چکی ہے۔ اور ایسے مسائل کے حل کے لیے کوشاں ہے، جب کہ ان ہی سالوں میں بنیادی انسانی حقوق کے پر زور نعرے بھی لگائے جارہے ہیں جہاں اسکے مثبت اثرات مرتب ہوئے اس کے ساتھ ساتھ اخلاق و اقدار سے عاری تصورات نے بھی انسانیت کو متاثر کیا ہے۔

زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات کے مطابق آغاز ہی سے مسلم مفکرین نے جن میں بالخصوص مفسرین، محدثین، فقہاء کا کردار نمایاں رہا ہے جنہوں نے اپنی کتب میں پائیدار معاشرے کی ساخت اور اس کے استحکام و عدم استحکام پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اور خوب لکھا ہے مثلا امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سید المحدثین والفقہاء امام بخاریؒ امام محمد حسن الشیبانیؒ کی کتب کتاب السیر الکبیر، السیّر الصغیر اسی طرح امام سرخسی کی المبسوط، امام شافعیؒ کی کتاب 'الأم' جو دین اسلام کے بین الاقوامی قانون کی ترجمان ہیں۔ اور یہی متقدمین بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے بانی بھی تصوّر کیے جاتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے اطلاقات کو نمایاں کیا جائے اور معاشرے (Society) کے لیے اس کے عملی اقدامات کی طرف منصوبہ بندی کے ساتھ پیش قدمی کی جائے اور

---

[1] سماج ہندی زبان کا لفظ ہے اردو زبان میں مستعمل ہے انگریزی زبان میں Society کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے لغوی معنی انجمن، ٹولی، جتھا کے ہیں، عربی زبان و ادب میں اس کے لیے معاشرہ کا لفظ بولا جاتا ہے جس کے معنی مل جل کر رہنے کے ہیں۔ سماج یا کمیونٹی بنیادی طور پر افراد کے ایسے مجموعے کا نام ہے جن کے مفادات مشترکہ ہوں جن کی وجہ سے وہ باہم مربوط ہوتے ہیں۔

Society may be regarded as the most general term refering the whole complex of the relations of man to his fellow. Encyclopedia of the social sciences, the mac millan company New York, 1950, 14/225

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسائل کو سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں حل کیا جائے۔ دور جدید میں مسلم عمرانیات کے پھیلاؤ کی وجہ سے یہ زیادہ اہم ہو جاتا ہے کہ اہم سماجی مسائل جسے ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے 'اجتماعیات سیرت' کا نام دیا ہے اس پر کام کر کے انسانیت کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کا سامان فراہم کیا جائے۔ عصر حاضر کے معروف سیرت نگار پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی وفات 20-09-2020 نے بھی معاشرت نبوی ﷺ کے اس پہلو کی عصر حاضر میں اہمیت پر زور دیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

"سیرت نبوی ﷺ سے متعلق یوں تو ہر قسم کی معلومات سرمہ بصیرت ہیں، لیکن سماجی معاملات، معاشرتی امور اور تہذیبی چیزیں معاصر مسلم سماج کے لیے ناگزیر بن گئی ہیں کیونکہ مسلم معاشرے کے لیے اسوہ حسنہ پیش کرتی ہیں اور وہ اس لیے بھی کہ مسلم معاشرے روز بروز منہاجِ نبوت سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ جوں جوں ہم مسلمان عہدِ نبوت اور عہدِ خیر سے دور ہوتے جارہے ہیں توں توں ہماری بد عملی، سنت سے دوری اور اسوہ نبوی ﷺ سے بیزاری بڑھتی جارہی ہے۔"[2]

یہاں اگر ہم غور کریں جس طرح رسول اکرم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔[3]

تو اس کا تقاضا بھی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کو ہر ز جان بناتے ہوئے اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالا جائے اور ہر نوعیت کی پیش آمدہ صورت حال میں آپ ﷺ کے اُسوہ حسنہ سے راہ نمائی حاصل کریں اس کو ہم سیرت طیبہ علیہ الصلوۃ والسلام کا اطلاقی و عملی پہلو بھی کہہ سکتے ہیں، اس پر راہنمائی کے لیے گزشتہ ادوار میں مختلف یونیورسٹیز میں HEC کی طرف سے مسانید سیرت قائم کی گئی ہیں۔ خصوصاً یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ میں بھی وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد زکریا ذاکر جو کہ بذات خود سماجی سائنس دان ہیں اور علوم کی مختلف شاخوں پر براہ راست مہارت رکھتے ہیں کہ خصوصی دلچسپی کی بنیاد پر سیرت کے اہم موضوعات پر تحقیقات پیش کرنے کے لیے سیرت چیئر قائم کی گئی اور اسی "سیرت "چیئر کے تحت مختلف علمی و تحقیق نوعیت کے منصوبہ جات پر کام کیا جائے گا۔

---

[2] صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر، نبی اکرم ﷺ اور خواتین-ایک سماجی مطالعہ، نشریات، 40-اردو بازار لاہور، 2008ء، تقدیم، xiii

[3] سورۃ الاحزاب: 21

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصاًوزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد کی طرف سے بھی پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ہر سال مقالات پیش کیے جارہے ہیں تاہم اصل مسئلہ اطلاق کا ہے کہ اس کا اطلاق کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے ارباب حل و عقد کو جامع منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے، یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر آگئی ہم واپس لوٹتے ہیں جو بنیادی بات ہے وہ یہ ہے کہ ابلاغ سیرت کے لیے عصر حاضر میں چند نمایاں اسالیب کو اختیار کیا گیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے محاضرات سیرت میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

سیرت نگاری کا روایتی اسلوب	سیرت نگاری کا تجزیاتی اسلوب
سیرت نگاری کا موضوعاتی اسلوب	سیرت نگاری کا عسکری پہلو
سیرت نگاری کا انتظامی پہلو	سیرت نگاری کا جدید تاریخی پہلو
سیرت نگاری کا کلامی اسلوب	سیرت نگاری کا مناظرانہ اسلوب
سیرت نگاری کے تجزیاتی اور احیائی رجحانات	سیرت نگاری کے جامع تر مطالعاتی رجحان
موضوتی اسلوب استدلال	سیرت نبویؐ قرآن کی روشنی میں
سیرت کا تصور عالمگیریت	مجلہ ہائے سیرت
مراکز مطالعہ سیرت	

اس کے بعد علامہ ابن خلدون (1406ھ۔1332ھ) وہ عظیم مورخ ہیں (Sociologist) ہیں جنہوں نے (مقدمہ) میں علم العمران کی اصطلاح سب سے پہلے استعمال کی سماجی پہلوؤں پر گراں قدر (Valuable thought) افکار پیش کیے۔ اس فکر و فن کو جس شخص نے بطور علم جلا بخشی وہ برصغیر پاک و ہند کے امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی ہیں جنہوں نے عمرانی فلسفے اور معاشرتی ارتقاقات پر خوب صورت علم و فن کو جلا بخشنے والی آراء پیش کیں اور اس فن کو ارتقائی مراحل سے گزار کر خصوصا (حجۃ اللہ البالغہ) انہوں نے السیاسیات المالیہ اور اجتماعیات عالمیہ کے سیرتی سماجی مباحث کے ذریعے اس کے اصول وضوابط مرتب کرنے کی بھرپور کوشش کی اس دوران نشاۃ ثانیہ، اصلاحِ مذہب، انقلاب فرانس اور صنعتی انقلاب نے یورپ میں معاشرتی و سماجی حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ جس کی وجہ سے ان علوم کو جدید خطوط پر استوار کر کے اس کے اصول و قواعد مرتب کیے گئے یہاں تک کہ سیاسیات، دینیات، بشریات، نفسیات، اخلاقیات، معاشیات اور تاریخ نے براہ راست سماجی علوم (Social Sciences) میں اصل کا درجہ حاصل کر لیا ہے اور اس پر سینکڑوں کی تعداد میں علمی نگارشات پیش کی جارہی ہیں۔ شاہ صاحب نے اس کے لیے 'الجادۃ القویمۃ من الشریعۃ المحمدیہ' محمدی شریعت کی درست شاہراہ فکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و عمل، کی اصطلاح اپنی کتاب فیوض الحرمین اور تفہیمات الالھیۃ میں تفصیل کے ساتھ پیش کی اور تطبیق الآراء کے ذریعے انسانیت کے تمام مذاہب اور فلسفہ ہائے فکر کے مسلمہ قواعد وضوابط مرتب کیے جس کو انہوں نے علم اسرارِ دین اور فلسفہ التشریع الاسلامی کا نام دیا انسانی سماج کی درست تشکیل کے لیے ایک مکمل عمرانی ڈھانچہ بیان کیا جسے انہوں نے انسانیت کی بنیادی اخلاق اربعہ اور ارتفاقات اربعہ کا نام بھی دیا ہے۔ اسی اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کی تمام یونیورسٹیز میں (Social Sciences) سماجی علوم کے باقاعدہ شعبہ جات قائم کیے جارہے ہیں خصوصا ایسے ہی موضوعات پر علمی، تحقیقی، تجزیاتی نگارشات پیش کرنے اور علمی اقدامات کے لیے یونیورسٹی آف اوکاڑہ میں عصر حاضر کے نامور سوشل سائنس دان پروفیسر ڈاکٹر محمد زکریا ذاکر کی علمی بصیرت کی وجہ سے، شعبہ علوم اسلامیہ میں سیرت چیئر، پائیدار سماجیات، انسانی حقوق، معاشرہ اور قانون اور کئی ایک تحقیقی سینٹرز جن میں :

Center of Social Sciences, centre for study of law and society, center for study human rights.

قائم کیے گئے ہیں۔ اور مختلف (Dimensions) پر پیش آمدہ سماجی مسائل کے تناظر میں تحقیقات پیش کی جارہی ہیں۔ جو دور جدید میں انسانیت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے ناگزیز ہیں۔

ان مقالات کو ضبط تحریر میں لانے کی بنیادی وجہ وہ اسباب ہیں جو معاشرہ اور سماج بالخصوص پاکستانی معاشرہ کو درپیش چیلنجز، تحدّیات ہیں، باریک بینی کے ساتھ جن کو مختلف ذرائع الیکٹرانک پرنٹ، سوشل میڈیا، مختلف سیمینارز کے ذریعہ محسوس کیا گیا۔

1. سماجی انصاف کی ترقی اور عملی اقدامات کا جائزہ سیرتِ طیبہ ﷺ کی عصری معنویت کے تناظر میں
2. کفالت عامہ کا تصوّر، (حکام وعوام کی ذمہ داریاں) سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی
3. عوامی فلاح وبہبود کا تصوّر، اسلامی فلاحی ریاست کے لیے عملی اقدامات سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
4. سماجی استحکام کیلئے خواتین کی تعلیم وتربیت (تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں)
5. اصلاح معاشرہ کے لیے نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بطور معلم تقرّر اور ان کا اصلاحی کردار
6. سماجی ترقی کے لیے نسلی تکبر وغرور کے خاتمہ کی ضرورت، سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
7. اصلاح معاشرہ میں مسجد کا کردار، عہد نبوی ﷺ کا خصوصی مطالعہ (تہذیبی وثقافتی تناظر میں)
8. غذائی قلت کے اسباب، تدارک کے لیے عملی اقدامات سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں
9. قحط سالی، وبائی امراض اور حکام کی ذمہ داریاں (عہدِ نبوی ﷺ وخلفائے راشدین کے تناظر میں
10. پاکستان میں پانی کی قلت کا حل، تجاویز مطالعہ سیرت نبویہ ﷺ کی روشنی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

11. محنت واجرت کا تصوّر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں
12. مالی بدعنوانی(Corruption) کرپشن کی روک تھام۔ سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
13. خصوصی افراد کا سماجی ترقی میں کردار کو مثبت بنانے کے لیے عملی اقدامات، سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں
14. سماج میں غلامی کی روک تھام کے لیے عملی اقدامات، سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی
15. دعوت، ضیافت / مہمان نوازی کی سماجی روایت تعلیمات نبویہ ﷺ کی روشنی میں
16. تفریح اور کھیلوں کا تصوّر اسوہ حسنہ ﷺ کے تناظر میں
17. سماجی ترقی میں امن و صلح کا کردار سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں
18. ماحولیات کا تحفظ اور سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
19. گلوبل وارمنگ(Global warming) شجر کاری کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
20. اسلامی ثقافتی ڈھانچہ؛ تشکیل وارتقاء مکی دورِ نبوی ﷺ کا تجزیاتی مطالعہ
21. وبائی امراض(Covid-19) کے دوران معاصر مسائل اور سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی

ان کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ارباب حل وعقد تک ان کو پہنچا کر ملک و قوم کی تعمیر کی نئی راہیں متعین کی جاسکیں اور سیرت النبی ﷺ کے اجتماعی پہلو کو نمایاں اجاگر کیا جاسکے۔

ڈاکٹر عبد الغفار

یکم ربیع الاوّل، بروز جمعۃ المبارک 1443ھ

بمطابق 8 اکتوبر 2021ء

فون نمبر:03004881087 ای میل:aghaffar488@gmail.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماجی انصاف کی ترقی اور عملی اقدامات کا جائزہ سیرتِ طیبہ ﷺ کی عصری معنویت کے تناظر میں

سماج کا معنی معاشرہ اور انگریزی میں "Society" کہتے ہیں یہ باب تفاعل تعاشر سے اس فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی باہم مل جل کر رہنا ہے۔ معاشرہ اس وقت بنتا ہے جب وہ ایک قانون کے ماتحت آجائے۔

سماجی عدل وانصاف ہی در اصل عین اسلام ہے اور رسول گرامی جناب محمد کریم ﷺ نے عملی اور نظریاتی طور پر اس کو نافذ کر کے دکھایا اس کے اصول و قواعد، اطلاقی پہلوؤں کو خوب نمایاں کیا۔ اور آپ ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی اسے قرار دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ١ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾[1]

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری طرح تمام ادیان پر غالب کر دے۔ خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد اول شہنشاہیت اور سرمایہ داریت کو ختم کر کے عادلانہ نظام قائم کرنا ہے۔"[2]

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں اس دور میں پوری دنیا پر دو سلاطین اور شہنشاہ قابض تھے۔ ایک کسریٰ دوسرا قیصر پوری دنیا ان کے ماتحت تھی حتی کہ برِ اعظیم (پاک ہند) بھی کسریٰ کا باج گزار تھا تو آپ کا مقصد اس سرمایہ داریت کو ختم کرنا تھا جو اس وقت شہنشاہیت کے روپ میں تھی تو سرمایہ داریت کو ختم کرنے کے لیے پہلے شہنشاہیت کو ختم کرنا ضروری تھا "حجۃ اللہ البالغہ" میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان شہنشاہوں کی شاہ خرچیوں اور عیاشیوں کی پوری تصویر پیش کی ہے کہ کس طرح انہوں نے عوام پر ٹیکس لگا کر ان کی معاشی حالت ابتر بنادی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت عوام کے لیے رحمت الٰہی تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید و رسالت محمد ﷺ کے ذریعہ شہنشاہیت کا خاتمہ کیا اور عادلانہ نظام قائم فرمایا۔ سیرت نگار بیان

(1) توبہ 9: 33

(2) دہلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، میر محمد، کتب خانہ، کراچی، س ن، 1/27

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اعلان یہی تھا کہ میرے آنے کے بعد کسریٰ اور قیصر کی بادشاہتیں ختم ہو جائیں گی کیونکہ یہی سرمایہ داریت کی علامتیں ہیں۔ قیامت تک میری جماعت اور میرے پروگرام کا اصل مقصد سرمایہ داری کا خاتمہ ہے تمام گناہ اور برائیاں سرمایہ داریت اور مال کی محبت سے پیدا ہوتی ہیں﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ﴾[1] دین اسلام نے اصلاً سرمایہ داریت کے خاتمہ کے ذریعے ہی سماجی عدل کو فروغ دیا ہے۔''حجۃ اللہ البالغہ'' میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جلد اوّل میں دو بڑے مباحث کو بیان کیا ہے:

1۔ اقترابات (یعنی قرب الٰہی)اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے طریقے نظام عبادات۔ فقہ العبادۃ اسی پر مشتمل ہے۔یعنی اللہ پرستی۔

2۔ ارتفاقات:اس کے تحت وہ اصول ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ زندگی کس طرح گزارے یعنی تعاون باہمی پر مبنی معیشت، قرضہ حسنہ کو فروغ دینا، ہمدردی، خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرنا، سود کا خاتمہ کرنا۔ یعنی انسانی دوستی، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے ذریعے توکل وغناء کی تعلیم دی اس سے بہترین سماجی رویے پروان چڑھتے ہیں۔[2]

نوٹ: حجۃ اللہ البالغہ میں سیرت نبوی سے ماخوذ بہت سارے سماجی اصول بیان کیے گئے ہیں ''کارل مارکس'' کی کتاب (داس کیپٹل) کے سماجی اصول بھی اسی اخذ کیے گئے ہیں۔

اس کی پروگرام کی مزید وضاحت سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''الخیر الکثیر ''میں سورۃ الکوثر کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کوثر کے معنی خیر کثیر بتائے ہیں اور یہ آیت﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾[3] جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی میں ''الحکمۃ'' کو خیراً کثیرا کہا گیا ہے پھر آپ نے تشریح کی کہ سورۃ یسین کی آیت﴿يٰسٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾[4] میں قرآن مجید کو حکمت کہا گیا ہے تو سورۃ الکوثر کی آیت﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾[5] کے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے آپ کو قرآن عطا کیا۔یعنی آخرت میں قرآن کے فیض کی صورت حوض کوثر کی شکل میں ہو گی۔

(1) لھب:2

(2) شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، 1/210

(3) البقرہ2: 269

(4) یس36: 1

(5) الکوثر108: 1

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جس نے یہاں قرآن سے جو فیض حاصل کیا وہاں اتنا ہی فیض اسے حوض کوثر سے ملے گا۔ اس سورۃ کوثر میں دو باتوں کا حکم ہے۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾[1] ایک نماز جو اللہ کی عبادت کا بڑا مظہر ہے اور دوسرے اونٹ کی قربانی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اونٹ قربان کر کے وہ اکیلا آدمی تو سارا نہیں کھا سکتا لامحالہ دوسروں کو کھلانا پڑے گا اس کے معنی ہیں انسانوں کے درمیان اشتراک اور تعاون باہمی جس پر سماجی اصولوں کی بنیاد ہے اور یہ انسان دوستی ہے حق معیشت کے حوالے سے سب انسان مشترک ہیں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ انسان اس کا نائب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾[2] ”وہی ہے اللہ جس نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔“

یہاں سماجی انصاف کے حوالے سے اسلام کا قانون ملکیت اور قانون انفاق سیرت طیبہ کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ نظام سرمایہ داری کے خلاف ہے قرآن مجید کے مطابق تو ہر فرد یا اجتماع وہ دنیا کی کسی بھی چیز کا ذاتی مالک نہیں ہے اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے انسان اس کی طرف سے نیابت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے اور اس میں ہر چیز معاشرہ کی ملکیت داخل ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وَالْأَرْض كلها فِي الْحَقِيقَة بِمَنْزِلَة مَسْجِد أَو رِبَاط جعل وَقفا على ابناء السَّبِيل، وهم شُرَكَاء فِيهِ، فَيقدم الأسبق فالأسبق، وَمعنى الْملك فِي حق الْآدَمِيّ كَونه أَحَق بِالِانْتِفَاعِ من غَيره "[3]

ملکیت کا مفہوم اشیاء سے فائدہ اٹھانے کے بنیادی حق تک محدود ہے۔

بعض علماء مال و دولت کے حقوق کے سلسلے میں صرف زکوٰۃ کو فرض قرار دیتے ہیں اور سرمایہ کاری اور ارتکاز دولت کے جواز کے قائل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اس طرح معاشرے کو تنگ دستی، افلاس اور بدحالی سے نجات نہیں مل سکتی۔ محققین علماء اور ائمہ اسلام کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ مال و دولت میں دوسرے حقوق واجبہ بھی ہیں۔

(1) الکوثر108: 1

(2) البقرہ2: 29

(3) دہلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، من ابواب ابتغاء الرزق، دار الجیل بیروت، 1426ھ، ص:641

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾[1]

"ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن العربی نے ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد اس کو ترجیح دی ہے کہ یہاں صرف زکوٰۃ مراد نہیں ہے بلکہ انفاق سے مراد وہ مطلب عام ہے۔ زکوٰۃ ہو یا دوسرے حقوق اور اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ میں غیب اور صلوٰۃ عموم پر محمول ہیں تو یہاں بھی انفاق سے عام معنی مراد ہوں گے۔[2]

انہوں نے ایک باب اس طرح قائم کیا ہے،

"باب ھل فی المال حق واجب سوی الزکوٰۃ"

اور کئی آیات باب اس طرح قائم ہیں:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[3]

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾[4]

صالح اجتماعیت / سماجیت اور متوازن معاشرے میں سرمایہ داری کو کبھی بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا ایسے سماج کے لیے کواپریٹو سوسائٹی کی طرح "مضاربت" کے اصول اشتراکیت ضروری ہیں اور مضاربت کے لیے ضروری ہے کہ ربا (سود) کو قطعی طور پر حرام قرار دیا جائے۔ اکتناز (زر کی ذخیرہ اندوزی)، احتکار (اشیاء کی ذخیرہ

(1) البقرہ2: 3

(2) ابن العربی، محمد بن عبد اللہ، احکام القرآن، تحقیق علی البجاوی، نشر عیسی الحلبی، حلب، الطبعۃ الثالثۃ 1387ھ، 1/10

(3) البقرہ2: 177

(4) البقرہ2: 272

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندوزی) سے سرمایہ داری نظام کو مدد ملتی ہے اسلام اس کی مخالفت کرتا ہے جس سے عوام مفلوک الحال ہو جائیں۔ سورۃ التوبہ میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾[1]

مزید مطالعہ کے لیے۔ اسلام کا اقتصادی نظام از مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، ندوۃ المصنفین، دہلی

کتاب الاموال از ابو عبید قاسم بن سلام۔

کتاب الخراج از امام ابو یوسف۔

سیرت رسول ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ سماجی انصاف اور فلاح و بہبود کیلئے ضروری ہے کہ سماج سے سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیر دارانہ نظام کا خاتمہ کیا جائے۔ اور یہی دو بنیادی خرابیاں ہیں جو اسلام کے معاشی عادلانہ نظام میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قرض حسنہ اور احسان کو فروغ دیا۔

قرض دار کو مہلت دلوائی اور قرض خواہ کو احسان کرنے کی ترغیب دلائی۔ قرض کی رقم کو آسان اقساط میں دینے کی بھی ترغیب دی اور یہ معاملات مسلمانوں اور یہودیوں کے آپس میں ہوتے تھے جس طرح کے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے یہودی قرض خواہ سے فصل آنے تک مہلت دلائی اور بوقت فصل خود آپ نے اس کا قرض جنس کھجور کی صورت میں ادا کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع الصحیح میں عنوان قائم کیا ہے۔

" بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي وَضْعِ الدَّيْنِ" (قرض میں کمی کرنے کیلئے سفارش کرنا۔)

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد غزوہ احد میں شہادت پا گئے تھے یہ ان کے والد کا لیا ہوا قرضہ تھا جس کا تقاضا قرض خواہ کرتے تھے یہ پورا واقعہ صحیح بخاری كِتَاب فِي الِاسْتِقْرَاضِ وَأَدَاءِ الدُّيُونِ وَالحَجْرِ وَالتَّفْلِيسِ، بَابٌ: إِذَا قَضَى دُونَ حَقِّهِ أَوْ حَلَّلَهُ فَهُوَ جَائِزٌ، رقم الحدیث: 2395 پر موجود ہے۔ 2405 تک مطالعہ کیجیے۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کا قرض ادا کرنے میں معاونت کو مختلف قرض خواہوں نے جابر رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ عبد اللہ بن عمرو بن الجموع کے قرض کی ادائیگی پر زور دیا تو جابر رضی اللہ عنہ نے کچھ معاف کر دینے کی درخواست کی مگر انہوں نے انکار کر دیا رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروائی گئی پھر بھی انہوں نے انکار کر دیا آپ ﷺ نے فصل پکنے پر مختلف کھجوروں کے الگ الگ ڈھیر لگائے۔ خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ قرض خواہوں کو بلانے کا حکم دیا آپ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے ہر قسم کے ڈھیر سے ان کا قرض دور کیا پھر

[1] التوبہ 9: 34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ہمارے لیے کھجوریں بچ گئیں۔ یہ بھی سماجیات کا ایک اہم پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سماجی روایت کا ذکر فرمایا:

﴿إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾[1]

" اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا اور اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے۔"

قرض کا لین دین ایک سماجی ضرورت ہے رسول اللہ ﷺ دوسروں پر اپنا مال و دولت اور محبت لٹاتے تھے دوسروں سے قرض لیتے بھی تھے اور واپس لٹاتے تھے اور دوسروں کو قرض دیتے بھی تھے۔ اس میں انسانی ہمدردی، سلوک احسانی اور غیرت قومی شامل حال رہتی اور اس میں سود کی آمیزش ہرگز برداشت نہ فرماتے۔

سماجی عدل و احسان کا ایک واقعہ مزید پیش کیا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں قرض دار سے قرض کا تقاضا کرنا اور اس کے پیچھے پڑنا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي المَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، فَنَادَى: «يَا كَعْبُ» قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: «ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا» وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ: أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: «قُمْ فَاقْضِهِ»[2]

"انہوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اس قرض کا تقاضا کیا جو ان پر تھا، (اس تقاضا میں) دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں، کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے گھر میں سنا، آپ ان کے قریب اپنے حجرہ کا پردہ الٹ کر تشریف لائے اور آواز دی کہ اے کعب! انہوں نے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے اس قرض سے کچھ کم کر دو اور اس کی طرف اشارہ کیا، یعنی نصف (کم کر دو) کعب نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے کم کر دیا، آپ نے (ابن ابی حدرد سے) فرمایا کہ اٹھ اور اس (باقی) کو ادا کر دے۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ابی حدرد کے ذمے دو اوقیہ چاندی تھی ایک اوقیہ معاف ہونے کے بعد باقی اوقیہ کی فوری ادائیگی کو ضروری قرار دیا فریقین نے فوراً برضا خوشی اس پر عمل

[1] التغابن 64: 17

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد، رقم الحدیث: 457

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا۔[1]

آپ ﷺ کی سماجی عدل کی تربیت کا نتیجہ کیا تھا اس کی مثال صحیح مسلم کتاب الزھد باب **حدیث جابر الطویل و قصة ابی الیسر حدیث 7512** میں ہے کہ ایک صحابی ابو الیسر رضی اللہ تعالی عنہ نے کسی شخص کو قرض دیا مگر قرض دار ان سے کتراتا تھا جب وہ تقاضا کے لیے اس کے گھر جاتا وہ چھپ جاتا صحابی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے قرض دار کی شرمندگی اور مجبوری کا احساس کیا اور آخری بار جب وہ تقاضا کیلئے کیا تو وہ چھپ گیا تو صحابیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بآواز بلند کہا اگر وہ مہلت کے بعد بھی ادا نہ سکے تو قرض معاف ہے اس طرح کی عظیم مثالوں سے بہترین سماجی معاشرہ تشکیل پارہا تھا مگر یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ قرض، غصب نہ بنے قرضہ حسنہ، قرض استحصالہ نہ بنے جو لوگ استحصال کرتے ہیں وہ سماجی انصاف کو برباد کرتے ہیں۔

سماجی عدل و انصاف کسی بھی معاشرے کی بقاء اور تحفظ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے بغیر فلاح و بہبود اور ترقی و امن کا تصور بھی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاست، معاشرے اور اجتماعی نظم سے متعلق جو ہدایات نازل کیں ان میں عدل و انصاف کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾[2]

"اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔"

آج ہمیں بے شمار معاشرتی مسائل کا سامنا ہے اور اس کی اصل وجہ معاشرتی اور سماجی عدل و انصاف کا مفقود ہونا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے بہترین معاشرتی عدل، سماجی انصاف اور انسانی مساوات کی مثال قائم کی بلکہ آپ کی ساری زندگی مکی عہد سے لے کر مدنی عہد تک عدل و انصاف کی فراہمی، احترام انسانیت اور کمزور طبقات کی مدد سے عبارت تھی۔ اور آپ نے جس طرح کا انسانی معاشرہ قائم کیا وہ دنیا کا بہترین معاشرہ تھا اور اس کا ایک بنیادی وصف عدل و انصاف کا قیام تھا۔ آنے والی سطور میں شریعت مطہرہ کی ان تعلیمات کی وضاحت اور سیرت طیبہ کے ان اقدامات کی نشاندہی کی جائے گی جن سے سماجی عدل و انصاف اور فلاح معاشرہ کے حوالے سے عصر حاضر کی تحدیات (چیلنجز) سے نبرد آزما ہونے کے لیے رہنمائی ملتی ہو۔

[1] ابن حجر، فتح الباری، 1/715

[2] ص38: 26

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فطرتی طور پر ہر شخص فلاح کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس فلاح کے حصول کے لیے وہ دوسروں کے ساتھ معاشرے کی صورت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ افراد معاشرہ کا یہ رجحان ہوا کرتا ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہر فرد زیادہ سے زیادہ فلاح حاصل کر سکے۔ یعنی وہ فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ سماجی انصاف کے بارے میں تمہیدی گفتگو کے بعد اس کے مفاہیم پر غور کرتے ہیں۔

فلاح معاشرہ کے تصورات اور سماجی انصاف:

سماجی انصاف سے مراد معاشرتی انصاف ہے Social Justice اور انسانی سماج کی وہ بنیادی قدر ہے جس کے بغیر معاشرے پائیدار ترقی نہیں کرتے۔ اگرچہ لفظی طور پر انصاف کا معنی نصف یعنی آدھا آدھا کرنا یا دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا ہے تاہم یہاں انصاف سے مراد عدل ہے۔ عدل عربی زبان کا لفظ ہے اور لغوی طور پر عدل برابری اور مساوات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[1] یہ مڑنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا معنی بھی دیتا ہے اور تیر کو سیدھا کرنے کے معنی میں بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

اصطلاحی طور پر عدل کا مطلب ہے حق کے ساتھ فیصلہ کرنا یا حق پر فیصلہ کرنا۔ ہر چیز کو اس کا حق دینا اور اسے درست صحیح اور اصل مقام پر رکھنا، فیصلہ سازی میں حق کو مد نظر رکھنا اور خواہش کی طرف مائل نہ ہونا اور لوگوں کے مابین اس طرح فیصلہ کرنا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، عدل ہے۔ اس کا متضاد ظلم ہے۔ یعنی جب فیصلہ میں خواہش کا عمل دخل ہو تو یہ حق تلفی کا موجب ہے۔ تمام ادیان کی بنیادی تعلیمات میں سماجی انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور ترقی کیلئے اسی فارمولہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ معنی داؤد کی خلافت کے بارے میں ارشاد الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا: اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا لہذا لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہش کی پیروی نہ کرنا یہ تمھیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔[3]

سماجی انصاف معنی و مفہوم اور عربی انگریزی مترادفات:

سماج کو عربی زبان میں معاشرہ اور انگریزی میں Society کہتے ہیں۔ باہم مل جل کر رہنا تعاشر القوم اور انگلش میں Social Mode of Living, A Social Community کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

(1) فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، س ن، ص: 891

(2) الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس من جواھر القاموس، طبع وزارۃ الاعلام بالکویت 1406ھ، 8/9

(3) سورہ صٓ، 38: 26

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغربی مفکرین نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ افراد کا ایسا گروہ معاشرہ ہے جو لمبے عرصہ تک ایک جگہ رہنے کے بعد اشتراک عمل کی وجہ سے اس حد تک منظم ہو جائے کہ اس کے تمام افراد اپنے آپ کو ایک جسم کی مانند محسوس کریں۔

سماجی انصاف سے مراد سماج یا معاشرے کے افراد کو حقوق یا سہولیات دینے میں فرق نہ کرنا یعنی معاشرے میں بسنے والے تمام افراد کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ اس سلسلہ میں ادنی و اعلی، رنگ و نسل، مذہب و مسلک اور قوم وغیرہ کا کوئی فرق نہ ہو اور قانون کی نظر میں سب برابر ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سماجی عدل یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور ذاتی صلاحیتوں کے اجاگر کرنے اور معاشرتی فوائد حاصل کرنے کے مواقع سب کے مساوی طور پر حاصل ہوں۔

سماجی انصاف کے معنی کو ادا کرنے کے لیے سماجی یا معاشرتی عدل و انصاف یا عدل اجتماعی یا عربی میں "العدالة الجتماعية یا العدل الاجتماعی یا انگلش میں Social Justice کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

یہاں لفظ انصاف ظلم کی ضد ہے اور یہ افراط و تفریط کے درمیان کی راہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشہور عربی مقولہ ہے: کلا طرفی الاعتدال ذمیم کہ افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ عدل کی یہی تعریف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"فهو عبارة عن الامر المتوسط بين طرفي الافراط و التفريط"[(1)]

"افراط و تفریط کے درمیان کی راہ عدل ہے۔"

عدل کے بہت سے اضافی معانی بھی ہیں۔ اضافی سے مراد مختلف نسبتوں اور اعتبارات سے مختلف معانی۔ مثلا انسان کا دوسروں کے ساتھ تعلق مختلف انواع پر مشتمل ہوتا ہے جیسے انسان کا اپنے خالق اللہ عزوجل سے تعلق، انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق، انسان کا اپنے آپ سے تعلق وغیرہ۔ انسان اور اللہ کے مابین عدل یہ ہے کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کو ترجیح دے اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو اور اس کے نواہی سے اجتناب کرے وغیرہ۔ انسان کا اپنے آپ کے ساتھ عدل کرنے کا یہ معنی ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جو اس کو جسمانی، روحانی، ذہنی کسی بھی اعتبار سے ہلاکت کی طرف لے جائیں۔ دوسروں کے ساتھ تعلق کے حوالے سے عدل یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی، بھلائی اور خیر اندیشی کا جذبہ رکھے اور ان سے خیانت نہ

(1) الجصاص، احمد بن علی الرازی، ابو بکر، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1983ء، 509/5

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے وغیرہ۔ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کی تعریف کی ہے اورامام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند کیا ہے۔مغربی مفکرین سماجی انصاف کواس طرح بیان کرتے ہیں:

The fair and proper administration of laws conforming to the natural law that all persons, irrespective of ethnic, gender, possession race, religion etc… are to be treated equally and without prejudice.(1)

یعنی معاشرے کے تمام طبقات کو یکساں حقوق حاصل ہوں اور ان میں اعلیٰ وادنی، امیر وغریب، قوم، قبیلہ، مسلک ومذہب کا فرق نہ کیا جائے۔

سماجی انصاف کی اہمیت:

عدل وانصاف کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں اور سماجی انصاف عدل ہی کی ایک قسم ہے۔اس کے مختلف پہلو ہم آئندہ سطور میں ذکر کریں گے۔

کسی بھی معاشرے کے تحفظ اور بقاکے لیے عدل انتہائی ناگزیر اور لابدی امر ہے۔بقااور ترقی منطقی طور پر امن کے ساتھ مشروط ہے اور امن قیام عدل کے ساتھ۔یہی وجہ ہے کہ اسلام قیام عدل پر بہت زور دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"آپ کہہ دیں میرے رب نے مجھے عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔"(2)

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾(3)

"اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

ایک جگہ فرمایا کہ مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(4)

انسانوں کے درمیان عدل کرنے کا حکم ہے:

(1) www.businessdictionary.com/social-justice visited on 20-03-2017 05:50 am

(2) الاعراف7: 29

(3) النساء4: 58

(4) الشوری42: 15

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴾[1]

" میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم سب کو (روز قیامت) جمع کر دے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔"

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [2]

" اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ تم اسے (قبول کرو) اور یاد رکھو"

معاشرہ میں عدل:

﴿هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَ مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾[3]

"کیا ایسا شخص اس دوسرے کے برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کے ساتھ حکم دیتا ہے اور سیدھی راہ پر گامزن ہے؟"

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾[4]

"یہ کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو (اس کے حق میں) بہتر ہو۔ تا آنکہ وہ عقل کی پختگی کو پہنچ جائے، اور یہ کہ ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا دو، ہم کسی کو اس کے

(1) الشوریٰ42: 15

(2) النحل16: 90

(3) النحل16: 76

(4) الانعام6: 152

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور یہ کہ جب کچھ کہو تو انصاف سے کہو، خواہ وہ بات تمہارے کسی قریبی سے تعلق رکھتی ہو، اور یہ کہ اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر عدل و انصاف سماجی کا فریضہ انجام دینے کے لیے احکامات جاری کیے رسول اللہ ﷺ نے بڑی جرات کے ساتھ مظلوموں کو قریش مکہ کے سرداروں سے عدل وانصاف دلوایا مثلاً ابو جہل مخزومی، عاص بن وائل سے حق دلوائے اسی طرح جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے متعدد افراد کو غلامی وجبر سے آزادی دلوائی۔ جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ضعیف افراد اور طبقات کو ظلم سے نجات دلائی اسی طرح خواتین نے بھی اس کے اندر شرکت کی۔[1]

اسلام کے علاوہ جتنے بھی ادیان اور نظام حیات ہیں ان میں ظلم وجور ہے۔ عدل کا متضاد ظلم ہے۔ اس جور و ظلم کو ختم کرنے کے لیے دین اسلام نازل کیا گیا۔

لوگوں کو نظاموں کے ظلم سے خاتمہ دلانا اسلام کا اہم درس ہے جیسا کہ مشہور قول صحابی ہے:

اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا کہ ہم لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور انہیں دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے جائیں اور مختلف نظام ہائے حیات کے مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل تک پہنچائیں۔[2]

نیکی نیکی کے لیے اور برائی برائی کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔ اسی طرح عدل عدل کی پشت پناہی کرتا ہے اور ظلم ظلم کو فروغ دیتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ روز قیامت ظلم کئی اندھیروں کی صورت میں سامنے آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[3]

[1] تفصیلات کے لیے "رسول اکرم ﷺ اور خواتین، ایک سماجی مطالعہ" از ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی اور "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء" کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

[2] ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ، مطبعۃ السعادۃ، بیروت، 2009ء، 39/7

[3] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: 6576

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض شارحین اور مفسرین نے یہاں ظلمات سے مراد شدائد لیے ہیں۔

سماجی عدل وانصاف کے مختلف پہلو اور سیرتی مباحث کا مطالعہ :

عدل اور ظلم کا دائرہ تو بہت وسیع ہے لیکن یہاں سماجی عدل وانصاف تک محدود رہا جائے گا۔ عدل زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہوا کرتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے جیسا کہ پیچھے گزرا۔ انفرادی عدل سے مراد جس کا تعلق انسان کی شخصی زندگی کے ساتھ ہو اور اس کی ذمہ داری انسان پر بطور فرد کے عائد ہو اور اجتماعی عدل سے مراد جس کا تعلق کئی لوگوں کے ساتھ ہو اور اس کی ذمہ داری صاحب اختیار، صاحب حیثیت اور متعلقہ صاحب منصب پر ہو۔

فلاح معاشرہ کے لیے جہاں انفرادی سطح پر عدل کی اہمیت مسلم ہے وہاں اجتماعی سطح پر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ فلاح کا تصور مختلف مفکرین کے ہاں مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاح معاشرہ کی تعریف میں بھی اہل فکر باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ اسلامی نکتہ نظر سے اللہ کی رضا کا حصول ہی اصل فلاح ہے

اور قرآن مجید میں ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾[1] "مومن فلاح یافتہ ہے۔" ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى * وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾[2] "جو اپنا تزکیہ کرلے اللہ کو یاد رکھے اور نماز پڑھے وہ صاحب فلاح ہے۔" اسی طرح فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾[3] "جس نے تزکیہ نفس کیا وہ فلاح یافتہ ہوا۔"

جدید اصطلاح میں معاشرے کے اہم معاملات مثلاً تعلیم، صحت، رہائش اور خوراک وغیرہ میں بہتری فلاح معاشرہ کہلاتی ہے۔ اور ایسی ریاست کو فلاحی ریاست کہا جاتا ہے جس میں یہ تمام معاملات حکومتی ذمہ داری میں ہوں۔ یہاں ہم فلاح کو عمومی معنی میں لے رہے ہیں یعنی افراد معاشرہ کا امن، اطمینان اور سہولت کی زندگی بسر کرنا۔ اس مقصد کے لیے سماجی انصاف لازمی اور ضروری ہے۔ اس کے کئی ایک پہلو ہیں جنہیں آنے والی سطور میں رقم کیا جاتا ہے۔

فلاح معاشرہ کے لیے معاشی انصاف، جو کہ سماجی انصاف کا یک پہلو ہے، کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے مراد ایسا طریقہ کار اختیار کرنا جس سے معاشرے کے ہر فرد کو اجتماعی یا قومی دولت سے استفادہ کا موقع میسر ہو اور

(1) المؤمنون 23: 1
(2) الاعلیٰ 87: 14
(3) الشمس 91: 9

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاشرے کی دولت خاص طبقے میں نہ سمٹی رہے بلکہ اس کا متوازن بہاو ہو اور معاشرے کے کمزور افراد کو مالی تعاون حاصل ہو۔

اسی طرح معاشرتی حقوق میں برابری بھی سماجی انصاف کا پہلو ہے اور اس میں اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کرنا، رعایا کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا شامل ہے۔ اسی طرح روزگار اور ترقی کے مواقع یکساں طور پر سب کو حاصل ہوں اور اس سلسلہ میں ان کے مابین تفریق و امتیاز روا نہ رکھا جائے۔ سماجی انصاف کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آسان اور فوری انصاف کا حصول یقینی بنایا جائے اور انصاف کے حصول کے لیے نہ مشکلات سے گزرنا پڑے اور نہ اسے خریدنا پڑے اور اس سلسلہ میں قانون کو حکمرانی حاصل ہو، صاحب حیثیت یا صاحب ثروت کو نہیں۔ سماجی انصاف کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ بدعنوانی کا خاتمہ ہو۔ بدعنوانی اور کرپشن سماجی انصاف کا قتل ہے۔

معاشی معاملات میں سماجی عدل وانصاف:

اس سے مراد یہ ہے کہ معاشرے میں اقتصادی اور معاشی طور پر عدل ہو اور دولت صرف چند ہاتھوں تک محدود نہ رہے۔ جب دولت کسی طبقے میں محدود ہونا شروع ہو جائے یا کسی جگہ مرتکز ہونے لگے تو یہ معاشی بے انصافی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے معاشرے کا ایک بڑا حصہ اس سے محروم رہے گا۔ معاشی انصاف میں دوسری چیز یہ بھی ہے کہ ہر فرد کے مال کا تحفظ ہو اور ناحق طریقے سے اس کا مال اس کی ملکیت سے نہ نکالا جائے۔ اور تیسری چیز یہ کہ مالی، معاشرتی، جسمانی یا ذہنی طور پر کمزور افراد کو مالی تعاون حاصل ہو۔ ذیل میں شریعت مطہرہ اور سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والی رہنمائی ذکر کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے تو اس بات کو ناپسند کیا کہ مال جمع کیا جائے اور یہ کہ دولت اکٹھی کرنے کی دوڑ ہو۔ دولت کی محبت ختم کی کہ یہ دولت کی محبت جب آسمانی ہدایات سے ماورا ہو تو بہت ساری ناانصافیوں کو جنم دیتی ہے۔

﴿وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾[1]

”کہ وہ دولت کی محبت میں بہت سخت واقع ہوا ہے۔“

دوسرے عام استعمال کی اشیاء کو جمع کرنا گناہ قرار دیا فرمایا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ»[2]

(1) العادیات100: 8

(2) صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، رقم الحدیث:4122

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی یا احتکار کرتا ہے۔''

قرآن مجید میں ایک جگہ ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت کی وعید ہے جو اشیاء ضرورت کو روکتے ہیں۔

﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾[1]

'' اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔''

فرامین نبوی میں ایک جگہ ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو لعنتی کہا گیا۔[2]

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ، وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ»

اور ایک جگہ اسے افلاس اور بیماری میں مبتلا ہونے کی وعید سنائی۔[3]

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامَهُمْ، ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ»

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾[4]

''وہ لوگ جو سونے چاندی کو جمع رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔''

اسلامی ادب میں اس سلسلہ میں احتکار اور اکتناز کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اگرچہ ان میں فرق ہے تاہم دولت جمع کرنے کا مفہوم ان میں مشترک ہے۔ اگر دولت کسی جگہ مرتکز ہو بھی جائے تو عادلانہ طریقے سے اس کے ارتکاز کو ختم کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور خاص اہتمام اس بات کا ہے کہ اغنیاء کے درمیان دولت محدود نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾[5]

(1) الماعون107: 7

(2) ابن ماجہ، السنن، التجارات، باب الحکرۃ والجلب، رقم الحدیث:2153

(3) ایضًا، رقم الحدیث:2155

(4) التوبہ9: 34

(5) الحشر59 :7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"تاکہ تمہارے اغنیاء کے مابین گھومتی نہ رہے۔"

اس سلسلہ میں اسلام نے مالی ارتکاز کو ختم کرنے کے لیے زکوٰۃ، وراثت اور صدقات واجبہ کے ساتھ ساتھ انفاق کی بہت ساری صورتوں کو مشروع کیا۔

آج کل غالب معیارات کے مطابق کسی معاشرے کے افراد کی کل دولت افراد معاشرہ کی مالی حیثیت کی عکاسی کرتی ہے اور اوسط دولت کا تعین ہوتا ہے جبکہ حقیقی صورت حال اس سے بہت دور ہوتی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ معاشی طور پر اس وقت متوازن کہلائے گا جب آبادی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اوسط فردی دولت کے قریب سے قریب تر ہوگا۔ اوسط لائن سے جس قدر انحراف ہوگا اسی قدر وہ معاشرہ معاشی بے انصافی کا شکار ہوگا۔ شریعت میں زکوٰۃ کے وجوب کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ دولت کو خاص طبقے میں جمع نہیں ہونے دیتی اور مذکورہ انحراف کو کم کرتی ہے اور امیر و غریب کی خلیج کم کرتی ہے۔ فرمایا:

«تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ»[1]

"یہ زکوٰۃ ان کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور فقراء کو دی جائے گی۔"

تیسری چیز یہ کہ بیماری، کمزوری یا کسی اور وجہ سے اگر بعض لوگ ضروریات زندگی سے محروم ہوں تو انہیں محرومی سے نکالنا بھی لازم ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی معاشرے کے افراد کو جو نعمتیں میسر ہوتی ہیں ان کا سبب یہ کمزور لوگ ہوا کرتے ہیں۔ یعنی اگر یہ کمزور لوگ نہ ہوں تو افراد معاشرہ کو بہت سی نعمتیں میسر نہ ہوں۔

اللہ نے صاحب ثروت لوگوں کے مال میں ان تنگ دستوں اور محرومین کا حق رکھ دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَفِيٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[2]

"اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں (دونوں) کا حق ہے۔"

رسول مکرم ﷺ کی اپنی ساری زندگی کمزوروں، بے سہارا لوگوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد میں گزری۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے الفاظ کتنے واضح ہیں:

«كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ،

(1) صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانو، رقم الحدیث: 1496

(2) الذاریات 51: 19

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ» [1]

”خوش ہو جائیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ سچ بولتے ہیں، بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کا تعاون کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کا ساتھ دیتے ہیں۔“

معاشرے کے تمام افراد معاشرے کا برابر جزو ہیں۔ آپ ﷺ نے رشتہ اخوت کو مضبوط کرکے لوگوں کے معاشرتی حقوق برابر کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جسدِ واحد کی طرح ہیں اور کسی ایک جگہ کانٹا چبھے تو تکلیف سے سارا جسم بلبلا اٹھتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾[2]

”مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے بھائیوں میں صلح کروایا کرو۔“

مواخات مدینہ اسی سلسلہ میں معروف معاملہ ہے جس میں آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین رشتہ مواخات قائم کیا۔ اولاد کے مابین، بیویوں کے مابین، بھائیوں کے مابین عدل قائم رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے خصوصی ہدایات دیں۔ ایک موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر گواہ بنانے کے لیے آیا کہ اس نے اپنے بیٹے کو تحفہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا اپنی تمام اولاد کو یہ تحفہ دیا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا: پھر مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔

بیویوں کے مابین عدل کرنا بڑا مشکل معاملہ ہوتا ہے اور اسی قدر یہ احتیاط کا متقاضی ہے۔ اگر کوئی شخص بیویوں کے درمیان معاشی وجسمانی عدل نہ کر سکتا ہو یا اسے بے انصافی کا ڈر ہو تو وہ ایک ہی رکھے قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾[3]

”لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔“

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے عقد میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرے تو روز

(1) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن سورۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق، رقم الحدیث:4953

(2) الحجرات 49: 10

(3) النساء 4: 3

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قیامت اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہو گا۔[1]

آپ کی زندگی مبارک میں عدل کی یہ قسم بھی کامل و اکمل صورت میں ہمیں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے بہترین عدل کرتے ہوئے اور ان کے تمام حقوق ادا کرتے ہوئے بے نظیر مثال قائم کی۔

معاشرے کے کمزور طبقات اور کمزور افراد بنیادی ضروریات کا اس طرح حق رکھتے ہیں جیسے دوسرے لوگ خاص طور پر مساکین، یتیم، بیوائیں جن کا عموماً کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ شریعت ان کمزور لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرتی ہے۔ قرآن مجید میں یتیموں کو دھتکارنے والے رویے کو بہت بُرا کہا گیا ہے، فرمایا: کہ جو روزِ قیامت کو جھٹلاتا ہے وہی یتیموں کو دھتکارتا ہے اور مساکین کو کھلانے میں کوئی ترغیب نہیں رکھتا۔[2]

اس سارے اہتمام کے باوجود اس بات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھا گیا کہ انسانیت کی خدمت اصلاً لوجہ اللہ ہو تاکہ اس میں تمام لوگ شریک ہو سکیں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا﴾[3]

”وہ اللہ کی محبت میں مساکین، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ کی خاطر آپ کو کھلا رہے ہیں اور آپ سے اس کے عوض کسی بدلے اور شکریے کے خواہش مند نہیں ہیں۔“

بنیادی ضروریات کی فراہمی میں دولت خرچ کرنا اتنا پسندیدہ ہے کہ یہ گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾[4]

”مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقہ کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کو قرض حسنہ

[1] ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب القسمة بین النساء، رقم الحدیث: 1969

[2] الماعون 107: 1۔7

[3] الدھر 76: 8۔9

[4] الحدید 57: 18

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دیا، وہ ان کے لئے دگنا کر دیا جائے گا اور ان کے لئے عمدہ اجر ہو گا۔"

فوجی معاملات میں آپ عدل وانصاف کا خوب خیال رکھتے مثلاً سلب، زر فدیہ، تقسیم غنائم، عطیائے مؤلفۃ القلوب، مختلف مواقعوں پر آپ نے حقدار یا حق داروں کے درمیان عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا دو یا دو سے زائد مدعیان کے مطالبہ پر آپ عینی شہادت یا عدل کی گواہی پر حقدار کو اس کا حق دلا دیتے۔ جس طرح کہ غزوہ بدر کے موقع پر ابو جہل کو قتل کرنے والے دعویدار تھے آپ نے تینوں کو مساوی حق دلوایا۔ اسی طرح غزوہ حنین کے موقع پر ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی مشرک کو قتل کرنے میں دعویدار تھے تو انصاف سے ابو قتادہ کا حق دلوایا اس کو حق سلب کہا جاتا ہے۔ کافر مقتولوں کا زیر استعمال سامان سلب کہلاتا ہے۔[1]

مال غنیمت کی تقسیم میں بھی آپ عدل وانصاف کو پیش نظر رکھتے ہر ایک پیدل سپاہی اور سوار مجاہد کو بالترتیب اکہرا اور دُہرا مال عطا کرتے۔ بطور قائد وامام سربراہ آپ کو عرب روایات کے مطابق صفی یعنی مال غنیمت کے کسی حصہ کو چن لینے کا حق اور اس کا استعمال بھی آپ نے کیا۔ لیکن وہ صفی رصفایا کبھی اپنے پاس یا زیر استعمال نہ رکھیں بلکہ کسی نہ کسی صحابی کو ان کی فوجی کارنامے کی وجہ سے عطا کر دیں۔ مثلاً ابو جہل کا اونٹ آپ نے خود رکھا اور حدیبیہ کے مقام پر اس کو مصلح خاص کی وجہ سے قربان فرما دیا۔ ابو جہل ہی کی تلوار اپنے پاس رکھی جسے ذوالفقار کہا جاتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کی کیونکہ انہوں نے اپنی بہادری سے بیس کافروں کو قتل کیا تھا۔ اسی طرح زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اور خواتین صحابیات کو بھی صفایا عطا فرمائے بعض غزوات کے مواقع پر بعض بدوی سخت گیر لوگوں نے اپنی طلب کے تقاضا پر شدید سختی سے کھینچا جس سے گردن مبارک پر چادر کی رگڑ سے خراشیں پڑ گئیں مگر آپ یہی فرماتے رہے کہ میرے پاس کچھ اور مال ہوتا تو وہ بھی تمہارے حوالے کر دیتا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ غَنِيمَةً بِالْجِعْرَانَةِ، إِذْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ: اعْدِلْ، فَقَالَ لَهُ: «لَقَدْ شَقِيتُ إِنْ لَمْ أَعْدِلْ»[2]

رسول اللہ ﷺ تالیف قلبی کے لیے نو مسلم اور دوسرے مسلمانوں کو خمس سے کچھ عطا کر دیتے تھے۔ غزوہ حنین میں جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت دیا تو آپ نے تالیف قلبی کے لیے اسے نو مسلم حضرات

[1] مزید مطالعہ واحکام کے لیے: صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب من لم یخمس الاسلاب، رقم الحدیث: 3141؛ مسلم، کتاب الجہاد، باب استحقاق القاتل السلب، رقم الحدیث: 3142

[2] صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی ان الخمس، رقم الحدیث: 3138

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تقسیم کیا۔[1]

سودی معاملات اور سماجی انصاف:

رسول کریم ﷺ کا مالیات کا نظام خصوصاً کاروبار کے سلسلہ میں سماجی عدل وانصاف کا انسانیت نواز اور فلاح و بہبود کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے زور اول ہی سے سود کو حرام قرار دیا اگرچہ تمام شریعتوں میں سود حرام رہا ہے مگر اس کے باوجود یہودی قبائل کے مالدار افراد احکام توراۃ کے باوجود سود خوری کرتے تھے۔ نجران کے عیسائی بھی گناہ سود میں مبتلا تھے۔ دین ابراہیمی کو ماننے والے بھی اس میں ملوث تھے اور مال و دولت کی حرص میں گردنوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مالیاتی نظام کی اصلاح فرمائی اور ہر شخص کو جو دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اس کو سودی لین دین سے اس طرح بچاتے جس طرح کفر و شرک سے بچایا جاتا کیونکہ گھناؤنا فعل معاشرتی و سماجی بربادی کا سبب بنتا ہے اسی بناء پر آپ نے دوسرے ادیان یہودیت ونصرانیت وغیرہ کے ساتھ سودی کاروبار کرنے یا سود کی بنیاد پر قرض لینے سے قانوناً روک دیا۔ مکی دور میں برابر آپ ان کو سودی کاروبار سے روکتے رہے۔ ریاستی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو صحیح طور پر نافذ نہ کر سکے مگر مدنی دور میں بعض انصار نے یہودیوں سے قرضہ جات لیتے ہوئے تھے آپ نے حکماً اور قانوناً یہودیوں کو صرف رأس المال یعنی اصل مال لوٹانے کا حکم دیا جس پر انصاریوں نے اصل مال تو لوٹائے مگر سود ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ نجران کے عیسائیوں سے صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ سودی کاروبار نہ کریں گے۔ اس کے متعلق پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی نے مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام ارتقاء، باب سود میں اور اسی طرح" اسلام میں ربا کی تحریم مختلف جہات کا تنقیدی تجزیہ" میں تفصیلات بیان کی ہیں۔

فوری عدل وانصاف کی فراہمی:

انصاف کے معاملے میں یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی جلدی سے جلدی اور فوری فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ حق ثابت ہونے کے بعد حق دار کو دینے میں تاخیر کرنا بھی ظلم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ»[2]

[1] صحیح بخاری، کتاب الخمس، باب ما کان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبھم وغیرھم، رقم الحدیث:3143، 44، 3145

[2] صحیح بخاری، کتاب الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس، باب مطل الغنی ظلم، رقم الحدیث:2400

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔"

ظلم کا اگر فوری تدارک نہ کیا جائے تو وہ پھلنا پھولنا شروع کر دیتا ہے اور ہر گزرتے وقت کے ساتھ اس کا تدارک مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب بھی کوئی معاملہ پیش ہوا، آپ ﷺ نے فوری فیصلہ کیا الا کہ اس کے بارے میں ابھی الٰہی ہدایات جاری نہ ہوئی ہوں۔

یہ اللہ کا قانون ضرور ہے کہ وہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ پلٹ آئے اور اللہ کے ہر معاملہ میں حکمت ہوتی ہے۔ صاحب اختیار اور عام مومنوں کی رہنمائی تو اس طرح کی ہے۔

«اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»[1]

"ظلم کے فوری ازالے کے لیے کئی طرح کی تدابیر اختیار کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے۔"

عدل و انصاف کے بول بالا کے لیے ضروری ہے کہ عدل و انصاف کے دروازوں تک عام رسائی ہو۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ مظلوم یا فریادی کی آسان رسائی کو یقینی بناتے تھے۔ آج کل معاشرتی ناہمواری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عدالتی نظام اس طرح کا پر پیچ بنا دیا گیا ہے کہ ایوان عدل کے دروازوں تک عوام الناس کی رسائی مشکل ہے۔ عدالت سے انصاف حاصل کرنا عام آدمی کے لیے مشکل ہے۔

فوری انصاف کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مدِ نظر رکھی جائے کہ اس کی خاطر ایسا نہ ہو کہ ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ سنا دیا جائے یا غصہ کی حالت میں فیصلہ کر دیا جائے۔ فرمان نبوی ہے:"کوئی حاکم فریقین کے مابین اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک وہ غصہ کی حالت میں ہو۔"[2]

عدالتی معاملات میں سماجی عدل و انصاف:

سماجی انصاف کے لیے از حد ضروری ہے کہ قانون کی حکمرانی ہو، ایسا نہ ہو کہ قانون کسی کے لیے کچھ ہو اور کسی کے لیے کچھ اور ایسا نہ ہو کہ بعض کے لیے قانون متحرک ہو اور بعض کے لیے حرکت میں نہ آئے، یعنی قانون

(1) صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانو، رقم الحدیث:1496

(2) جامع ترمذی، کتاب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء لا یقتضی القاضی وھو غضبان، رقم الحدیث:1134

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نظر میں ادنیٰ واعلیٰ برابر ہوں اور وہ سب کے لیے ایک جیسا ہو۔ حق کا ساتھ دیا جانا چاہیے خواہ وہ اپنے خلاف ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ﴾(1)

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیا کرو خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو۔"

آپ ﷺ کی عدالت میں فاطمہ نامی خاتون کے حوالے سے چوری کا کیس آیا۔ ان کے خاندان کے سرکردہ لوگوں کے کہنے پر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نرمی کی سفارش کی تو آپ ﷺ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا: کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

اس سلسلہ میں خاندان، برادری، نسل، علاقہ، قوم، قبیلہ، کالا، گورا، عربی، عجمی حتیٰ کہ مسلم کافر کا فرق نہیں کیا جائے گا۔ ایک دفعہ ایک مسلمان اور یہودی کے مابین جھگڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے دونوں کی باتیں سن کر ان میں یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔(2)

اسلام قانون کی حکمرانی پر اس قدر زور دیتا ہے کہ اس پر اثر انداز ہونے والے تمام عوامل تعصب، عناد، حسد، رقابت، دشمنی وغیرہ کو خاص طور پر نظر انداز کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾(3)

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔"

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿أُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾(4)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

یہود و نصاریٰ اگرچہ اہل اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ عدل کرتے اور

(1) النساء4: 135

(2) ابن الاثیر، علی بن ابی الکرم الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعہ الرابعہ، 1403ھ، 3/160

(3) المائدہ5: 8

(4) الشوریٰ42:15

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حق کا ساتھ دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن اور کافر ہونے کے باوجود وہ آپ ﷺ کو صادق اور امین سمجھتے تھے اور اپنے بعض تنازعات کے فیصلے آپ ﷺ سے کرواتے۔

بدعنوانی کا خاتمہ اور اسوہ حسنہ:

بدعنوانی کی ہزارہا صورتیں ہیں اور یہ جس بھی صورت میں ہو معاشرے کے لیے تباہ کن ہے۔ بدقسمتی سے آج اس معاشرہ میں بدعنوانی عام ہے۔ اقربا پروری، جعل سازی، حساب میں ہیر پھیر، ملاوٹ اور کم تول وغیرہ بدعنوانی کی مختلف صورتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایمان اور تقویٰ کے ذریعہ معاشرے کے اس ناسور کا علاج کیا۔ بدعنوانی دراصل خیانت پیدا کرتی ہے اور خیانت کو منافق کی نشانی قرار دیا، فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے اور خیانت کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص ڈھیر لگا کر کھانے والی کوئی چیز بیچ رہا تھا۔ آپؐ نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ ڈالا تو وہ اندر سے گیلا تھا، پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! بارش ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم نے اسے اوپر کیوں نہ کیا۔ یہ فراڈ، دھوکہ بدعنوانی کی عام صورتیں ہیں اور ان کی بیخ کنی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«من غشنا فلیس منا»[1]

”جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔“

تقسیم سے قبل مال غنیمت سے کچھ لینا بھی بدعنوانی اور خیانت ہے اور ایسا کرنے والے کی بابت آپ ﷺ نے بہت سخت الفاظ استعمال کیے۔ خیبر سے واپسی پر مدعم نامی غلام کی موت واقع ہوئی، لوگوں نے اس کی موت کو بہت اچھا کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تقسیم غنیمت سے پہلے لی ہوئی چھوٹی سی چیز اس پر آگ ہے۔ یہ سن کر ایک اور شخص جوتے کا تسمہ یا تسمے لے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آگ تھی یہ۔[2]

ایک حدیث یہ بھی ہے کہ کوئی مومن دھوکہ کرتا ہے تو وہ دھوکے کے وقت مومن نہیں رہتا۔[3]

بدعنوانی جسے ہم خیانت تو کہہ سکتے ہیں اس قدر بُری چیز ہے کہ خیانت سے حاصل کردہ مال صدقہ کر دیا جائے تو وہ صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا، رقم الحدیث: 283

(2) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث: 4234

(3) صحیح مسلم، کتاب الاحکام، رقم الحدیث: 57

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

«لا یقبل صدقة من غلول»[1]

"اللہ خیانت کے صدقے کو قبول نہیں کرتا۔"

سفارشات:

مقالہ ہذا کے تناظر میں سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے درج ذیل عملی اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

آج ہماری زندگی میں جو افراتفری، بے چینی، عدم اطمینان ہے اور جس طرح کے مصائب وآلام اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی وجوہ میں سے سب سے بڑی وجہ معاشرتی ناانصافی ہے جس کی وجہ سے صرف اتنا نہیں کہ ترقی اور فلاح کا عمل رک جاتا ہو بلکہ یہ چیز معاشرے کو اضطراب اور زوال کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس کا حل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سیرت طیبہ سے رہنمائی لے کر اس پر عمل کیا جائے۔ سیرت طیبہ میں واضح نشان عمل موجود ہے جو انسانیت کو اس بھنور سے نکال سکتا ہے۔

1. حکام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ سماجی انصاف کی فوری فراہمی کے لیے موثر اقدامات کریں عدالتوں کے نظام کو اس کے لیے موثر بنانے کی ضرورت ہے۔
2. عوام کو انصاف فوری میسر نہ ہے کئی کئی سالوں تک مقدمات کو فیصلہ نہیں ہو پاتا کئی بے گناہ افراد کئی سال اسی طرح بے گناہی میں جیل کاٹتے ہیں جس سے نہ صرف ایسے افراد اور ان کے خاندان متاثر ہوتے ہیں بلکہ قومی وسائل پر بھی اثر پڑتا ہے۔
3. سماجی مسائل جن کا تعلق نچلے سطح پر گلی محلہ کے ساتھ ہوتا ہے وہاں پر فوری انصاف کے لیے پنچائت سسٹم کو یونین کونسل سطح پر عدالتوں کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔ یا یونین کونسل سطح پر چھوٹی عدالت بھی قائم کی جاسکتی ہے۔
4. تھانہ کلچر کو تبدیل کرتے ہوئے اس میں F.I.R کا نظام شفاف اور Technological Based بنایا جائے اور اس پر موثر عمل بھی ہونا چاہیے، تفتیشی افسران کی اخلاقی، دینی، تربیت کی اشد ضرورت ہے اس کے لیے اعلیٰ ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔
5. سماج کے ہر طبقہ میں اس نظام کو موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ والدین اساتذہ، عام افراد، کاروباری افراد چونکہ براہ راست اس میں آتے ہیں ایسے افراد کے لیے بھی تربیتی اداروں خصوصا سکولز، مساجد، کالجز،

[1] ابن ماجہ، السنن، کتاب الطہارۃ وسننھا، باب لا یقبل اللہ صلاۃ بغیر طہور، رقم الحدیث: 271

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدارس،یونیورسٹیز کی سطح پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

6. یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ میں باقاعدہ 'School of Law' اور Centre rule of law اس موضوع پر کام کرتے ہوئے Legal Education in Pakistan پر آگہی سیمینارز منعقد کر رہے ہیں اسی طریقہ کار پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے اس پر 'Intelectual Discourse' کروانے کی ضرورت ہے کہ دیگر ادارے بھی اسی کو Fellow کریں۔

7. سماجی اور اجتماعی عدل کو فروغ دینے کے لیے رسول رحمت علیہ الصلوۃ والسلام اور خلافت راشدہ کے منہاج پر جدید تقاضوں کے عین مطابق تعلیمات کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کفالت عامہ کا تصوّر، (حکام و عوام کی ذمہ داریاں)
سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی

اسلام نے انسانیت کو ایک ایسا جامع نظام دیا کہ جس کے مطابق ہر انسان کو متوازن زندگی بسر کرنی چاہیے اس نظام کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں بیان فرمایا بالکل ابتدائی سورت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾[1]

" اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔"

اور جو زرق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اسی معاشرتی تکافل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ الله شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[2]

"نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔"

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِالله وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[3]

" نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو۔ بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اور اللہ سے محبت کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو اور غلامی سے نجات دلانے کے لیے دے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ نیز (نیک لوگ وہ ہیں کہ) جب عہد کریں تو

[1] البقرہ2: 3

[2] المائدہ5: 2

[3] البقرہ2: 177

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے پورا کریں اور بدحالی، مصیبت اور جنگ کے دوران صبر کریں۔ ایسے ہی لوگ راست باز ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

رسل وانبیاء کرام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرماتے ہیں اور ان کی بنیادی ذمہ داریوں میں بھی کفالت کا ذکر فرمایا کہ انبیاء کرام خدمت خلق کرنے والے ہوتے تھے۔

مثلاً ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا ذکر ہے فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا انہوں نے مہمانوں سے پوچھے بغیر بچھڑا ذبح کر دیا اور کھانا مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اپنی اولا کے بارے میں دعا فرمائی جس میں کفالت کا ذکر ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾[1]

"اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے قابل احترام گھر کے پاس ایسے میدان میں لا بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں۔ تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ پروردگار! بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو پھل مہیا فرما۔ توقع ہے کہ یہ شکر گزار رہیں گے۔"

جناب یوسف علیہ السلام کا ذکر کفالت کہ قحط کے زمانہ میں شاندار حکمت عملی کے ذریعے اہل مصر کی کفالت کا انتظام کیا اس کے ساتھ قریبی ممالک کو بھی سامان فراہم کیا جاتا اپنے خاندان کی کفالت کی اپنے والد محترم اور دیگر اہل خانہ کو مصر بلا کر ان کی کفالت کی گئی۔

جناب ایوب علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کثیر العیال اور کثیر المال تھے انہوں نے نظام کفالت قائم کیا۔

"وكان بر تقيا رحيماً بالمساكين، يكفل الأمل والأيتام ويكرم الضيف ويبلغ ابن سبيل"[2]

اللہ تعالیٰ جناب سلیمان علیہ السلام کے کفالتی نظام کا ذکر فرمایا:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾[3]

" پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ کر دیا تو جنوں کو گھن کے کیڑے کے سوا کسی چیز نے

(1) ابراہیم14: 37

(2) البغوی، ابو محمد الحسین، معالم التنزیل، سورۃ الانبیاء، آیت:83

(3) سبا34: 14

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا' جو ان کے عصا کو کھائے جا رہا تھا۔ پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ایسے ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔"

جناب موسیٰ علیہ السلام کی کفالت کا ذکر:

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾[1]

" اور ہم نے پہلے سے ہی موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ اس وقت موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتلاؤں جو تمہارے لئے اس (بچہ) کی پرورش کریں اور وہ (اس بچہ) کے خیر خواہ بھی ہوں؟"

بلکہ اس کفالت کا ذکر جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو فرعون نے کہا:

﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ﴾[2]

" فرعون کہنے لگا: کیا ہم نے تمہیں اپنے ہاں بچپن میں پالا نہ تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں نہیں گزارے؟"

جناب موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین پہنچے:

﴿فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾[3]

" پھر دوسرے دن صبح سویرے، ڈرتے ڈرتے اور خطرے کو بھانپتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی (آج پھر) ان سے فریاد طلب کر رہا ہے۔ موسیٰ نے جواب: تو تو صریح گمراہ شخص ہے۔"

سیدہ مریمؑ کی کفالت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

(1) القصص 28: 12
(2) الشعراء 26: 18
(3) القصص 28: 18

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اورزکریا علیہ السلام نے مریمؑ کی کفالت کی۔ رسول اللہ ﷺ کا بعثت کا اعلان فرمانے سے پہلے جسے زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے نوزائیدہ بچیوں کو زندہ در گور کیا جاتا تھا عرب کے چند قبائل میں یہ رسم تھی مثلاً قبیلہ ربیعہ، بنو کندہ، قیس بن عاصم نے قبول اسلام سے پہلے آٹھ بیٹیوں کو زندہ در گور کیا تھا ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں کہ

یہ رسم عرب کے ان لوگوں میں تھی جو بدو جن پر دیہاتی پن غالب ہوتا تھا جبکہ اہل قریش اس رسم سے مکمل طور پر پاک تھے۔ اس کا سبب لکھتے ہیں کہ اس لیے قتل کرتے تھے کہ غیرت اور عار کیوجہ سے کوئی ہماری طرف نسبت نہ کرے کہ اس کی کوئی لڑکی ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ غربت کہ ان کو کھلائے گا کون؟ جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾[1]

مگر جس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ ایسے صاحبان خیر بھی تھے جو اس کو غلط سمجھتے تھے مخالفت کرتے تھے مثلاً زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالی عنہ ایسے لوگوں کے گھروں میں جاتے اور ایسی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں بنا کر لاتے ان کی دیکھ بھال، پرورش، کفالت فرماتے بعد ازاں والدین کو واپس کرتے یا خود ہی اچھا رشتہ تلاش کر کے نکاح کر دیتے۔ مؤرخین ان کو نصیر المرأة فی الجاهلية کے لقب سے پکارتے تھے۔ اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالی عنہ بت پرستی کے سخت مخالف تھے آپ مشہور صحابی سعید کے والد تھے جو سعید بن زید سے مشہور ہوئے۔

اسی طرح صعصعہ بن ناجیہ نے زمانہ جاہلیت کی 300 بچیوں کو خرید کر زندہ در گور ہونے سے بچایا۔[2]

عبد اللہ بن جدعان دور جاہلیت کا ایک بہت بڑا فیاض شخص تھا۔ غرباء مساکین کی کفالت کرتا تھا۔ ایک بہت بڑی دیگ ہر وقت کھانے کیلئے تیار رہتی تھی جو آئے اس برتن سے کھالے مقروضوں کے قرض بھی اتارتا تھا، ابن جدعان نے حرب فجار کی لڑائی جو قرض کے لین دین پر ہوئی تھی دونوں فریقین کے قرض اتار کر ختم کروائی۔ معاہدہ حلف الفضول جو مکہ مکرمہ میں امن وامان، عدل وانصاف کو قائم کرنے کیلئے کیا گیا تھا اس کے انتظام وانصرام کے تمام اخراجات برداشت کیے، میزبانی کی اسی کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں بھی اس مکان میں اور اس

(1) الاسراء17: 31؛ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، 5/91

(2) الاصابہ:3/430

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاہدہ میں شریک تھا اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ دیے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر آج بھی کوئی اس معاہدہ کیلئے بلائے تو تیار ہوں۔[1]

عبد اللہ بن جدعان لوگوں کو کھجور، ستو اور کھجور کھلاتا تھا ایک دن امیہ بن صلت نے تذکرہ کیا فلاں شخص گندم کی روٹی شہد کے ساتھ کھلاتا ہے تو اس پر اس نے دو ہزار اونٹ بھیج کر ملک شام سے گندم، شہد اور گھی منگوایا اور رات کو کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اعلان کیا جاتا کہ عبد اللہ بن جدعان کی دعوت پر آؤ۔

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے افراد بھی خدمت انسانیت میں بڑا شوق رکھتے تھے۔ قصی بن کلاب جو "بنو عبد مناف" کے بانی اور معمار شہر مکہ تھے بیک وقت ان کے مقتداء، پیشواء اور حاکم تھے۔ ایام منیٰ میں حاجیوں کے کھانے پینے کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے ان کے بیٹے عبد مناف تھے ان کے بارے میں کسی شاعر نے کچھ کلام کہا تھا۔ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ اشعار سنائے۔

يا أيُّها الرجلُ المُحوِّلُ رَحْلَهُ — ألا نزلتَ بآلِ عبدِ منافِ
هَبِلَتْكَ أُمُّكَ لو نزلتَ برَحْلِهِم — مَنَعوكَ مِن عُدْمٍ ومِن إقرافِ
وَالْخَالِطِينَ غَنِيَّهُمْ بِفَقِيرِهِمْ — حَتَّى يَعُودَ فَقِيرُهُمْ كَالْكَافِ[2]

ان ہی کے بیٹے ہاشم جو رسول اللہ ﷺ کے جد امجد تھے حالانکہ ان کا اصل نام "عمرو" تھا مگر سخاوت، فیاضی، غرباء و مساکین کی خدمت میں بہت مشہور تھے ہاشم لقب اس لیے پڑا کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سخت قحط آگیا جس سے لوگ کمزور اور لاغر ہو گئے تو ہاشم نے اونٹ ذبح کیے آٹا منگوا کر روٹیاں پکوائیں، شوربے میں بھگو کر لوگوں کو روٹیاں کھلاتے تھے۔[3]

آپ ﷺ کے دادا "ہاشم" صرف 25 پچیس سال میں انتقال فرما گئے عبد مناف کے دوسرے بیٹے جن کا نام "مطلب" تھا یعنی مطلب بن عبد مناف کو اپنے گھر والوں کا وصیت کے ذریعے کفیل مقرر کر دیا، مطلب بن عبد مناف نے اپنے بھائی ہاشم جو عمر میں ان سے چھوٹے تھے ان کی پہلی بیوی ہند بنت عمرو خزرجی کے ساتھ نکاح کیا اور اس کا سہارا بنے اسی طرح ان کی دوسری بیوی سلمیٰ بنت عمرو خزرجی جو مدینہ منورہ سے تھیں اس کے بطن سے ایک

(1) سیرت ابن ہشام، 2/210
(2) قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمت للعالمین، ص: 325
(3) احمد بن یحیٰ البلاذری، انساب الاشراف، 1/58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹا بھی تھا جس کا نام عامر اور لقب "شیبۃ الحمد" تھا جو بعد میں "سردار عبد المطلب" کے نام سے مشہور ہوئے آپ کے دادا محترم کو بھی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ لائے اور ان کے کفیل بنے آپ ﷺ کے دادا محترم جناب عبد المطلب کا تو لقب ہی مطعم طیر السماء یعنی (آسمان کے پرندوں کو کھلانے والا) انسان تو کجا حیوانات کے بھی رکھوالے تھے۔

اہل قریش کی یہ صفات سیرت و تاریخ کی کتب میں موجود ہیں آپ ﷺ نے اپنے آباؤ اجداد کی ان صفات کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فریضہ سر انجام دیا نیک بزرگوں کی یہ صفت تھی کہ غار حرا میں عبادت بھی کرتے تھے اور مساکین اور محتاج لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے تھے اسی تسلسل میں رسول اللہ ﷺ ہر سال غار حرا میں عبادت کیلئے جاتے مساکین و غرباء کو کھانا کھلاتے بیت اللہ کا طواف فرماتے اسی پر تو بوقت پہلی نزول وحی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ان الفاظ میں آپ ﷺ کو تسلی دی۔

"واللہ ما یخزیك اللہ ابداً"

محروم طبقات کی کفالت اور دیکھ بھال انسانیت کی اولین ذمہ داری ہے۔ اسلام نے اس ذمہ داری کو بدرجہ اتم ادا کیا ہے۔ اسلام نہ صرف محروموں کی کفالت کی ترغیب دیتا ہے بلکہ اس عمل کو عبادت اور ایمان کے ساتھ جوڑتا ہے۔ مشہور حدیث ہے۔ عبد اللہ بن مساور کہتے ہیں:

"سمعت ابن عباس یعاتب رجلا فی البخل یقول قال رسول اللہ ﷺ لیس المؤمن الذی یبیت شبعان و جارہ الی جنبہ جائع"[1]

"اُس شخص کا ایمان ہی نہیں جو پیٹ بھر کر سوئے اور اسکا پڑوسی بھوکا سوئے"

اسلام کے نظام کفالت کا مقصد اسلامی ریاست کے صاحب ثروت افراد سے کچھ مال جائز طریقے سے لے کر غربا اور معذورین، بلا تمیز مسلم و کافر، کی تمام سماجی و معاشی حاجات کی کفالت کی جائے۔ رسول کریم ﷺ کی زندگی کا ایک اہم اور خاص پہلو افراد خانہ اور افراد معاشرت کی کفالت ہے۔ جس کی طرف عام طور پر سیرت نگاروں کا رجحان بہت کم رہا ہے۔ سیرت طیبہ کے اس باب سے رسول کریم ﷺ کی جو دو سخاوت ہمدردی و غمگساری، حق داروں کی خبر گیری و خیر خواہی جیسے اوصاف حمیدہ واضح ہوتے ہیں۔ حقیقت میں رسول ﷺ کی سیرت طیبہ پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے آپ ﷺ کی کفالت اس طرح عالمگیر نظر آتی ہے جس طرح آپ جہاں والوں کے لیے

[1] طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، مکتبہ دار الحرمین، قاہرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمت بن کر آئے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ "

سیرت نبوی ﷺ اور احادیث مبارکہ سے کفالت عامہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اسلامیہ کا یہ بنیادی فریضہ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَهْلُ عَرْصَةٍ أَصْبَحَ فِيهِمُ امْرُؤٌ جَائِعٌ، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُمْ ذِمَّةُ اللهِ تَعَالَى»[2]

"کسی بستی میں کوئی شخص اس حال میں اُٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر اُس بستی کی بقاو تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔"

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ»[3]

"جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو شامل کرے اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو بطور مہمان شامل کرلے۔ "

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» وَأَحْسِبُهُ قَالَ -يَشُكُّ القَعْنَبِيُّ-: «كَالقَائِمِ لاَ يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لاَ يُفْطِرُ»[4]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین (کی کفالت) کیلئے کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔ راوی حدیث کہتے ہیں میرے خیال میں آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کرنے والا اُس (غازی) کی مانند ہے جو رات بھر کھڑا رہے مگر اکتائے نہ، اور اُس روزہ دار کی طرح ہے جو (مسلسل روزے رکھے مگر) افطار (ناغہ) نہ کرے۔ "

(1) الانبیاء21 :107

(2) مسند احمد، رقم الحدیث:۲۴۳۸

(3) صحیح بخاری، باب السمر مع الضیف والاھل وعلامات انبوۃ، رقم الحدیث:۱۳۰۴

(4) صحیح بخاری، باب الساعی علی المسکین، رقم الحدیث:۱۳۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کی نبوت ورسالت بھی عالمگیر، دعوت وخطابت بھی عالمگیر اسی طرح آپ کی طرف سے انسانوں کی کفالت بھی سارے جہان کی نظر آتی ہے اگر چہ اس کفالت کی صورتیں دوطرح سے بیان کی جاسکتی ہیں۔

ایک صورت ایسی ہے جسے ہم بالواسطہ کفالت کا نام دے سکتے ہیں اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں افراد واشخاص معاشرت اور اجتماعات اقوام وملل کی معاشی کفالت شامل ہے۔ جس کی ساری خیر وبرکت کا سہرا آپ کے سر ہے۔ اور اس کا آغاز آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اس بالواسطہ کفالت سے سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثویبہ استفادہ کرتی ہے۔ کہ ابولہب اس کو آپ کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے کیا کیا فیض پایا (جس کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے) جو کہ کفالت کا ہی حصہ ہے۔

نبوی کفالتوں کے چشمہ فیضان سے دادا عبد المطلب اور چچا ابو طالب بھی سیراب ہوئے۔ جناب عبد المطلب کا آپ سے والہانہ لگاؤ صرف پوتے کی نسبت ہی سے نہ تھا بلکہ وہ آپ کی بے شمار برکتیں دیکھ چکا تھا۔ اسی طرح ابو طالب تو ہمیشہ آپ ﷺ کی کفالت وبرکت کے معترف رہے، کہا کرتے تھے: "محمد انك مبارك" [1]

جناب ابو طالب کی کفالت تو بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح سے کی گئی۔ اس گھرانے کی کفالت کے لئے آپ ﷺ کا بکریاں چرانا، تجارت کرنا، مکہ میں خوشبو فروخت کرنا بہت واضح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ کی تجارت کو چار چاند بھی اسی بدر منیر کی بدولت لگے تو یہ بھی بعید از حقیقت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صرف سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ ہی نہیں بلکہ مکہ کے کئی تاجروں کی تجارت کو فروغ آپ کی بدولت ہی ملا۔

آپ ﷺ کی کفالت اور برکت سے نہ صرف انسانی معاشرے کا ہر گوشہ اور ہر فرد فیض یاب ہوا بلکہ جانوروں کو بھی آنحضور ﷺ کی کفالت ومحبت سے حظ وافر ملا۔ نبی ﷺ کی مکی اور مدنی دور کی وہ کفالتیں جو آپ نے بطور نبی یا حکمران کے فرمائی ہیں ان کی تفاصیل کیلئے تو کئی دفتر درکار ہیں جن میں سرفہرست مظلوم اور غلام مسلمانوں کو کفار کے شکنجہ استبداد سے چھڑانا، نئے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرنا وغیرہ شامل ہے۔ کفالت نبوت کے حق دار بننے والوں میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالی عنہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالی عنہ، لبینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [2]

[1] ابن سعد، ابو عبد اللہ بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۱/۱۲۰

[2] حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، مسافر خانہ بندر روڈ کراچی، ص:۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کفالتوں میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا تعاون بھی بے مثال ہے جس کا ذکر رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں کیا: «مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال أبی بکر» (1)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ اعانت یقینا اللہ کے دین کی خدمت تھی لیکن آقا علیہ السلام چونکہ قائد اور سربراہ تھے اور یہ ساری ذمہ داریاں آپ ﷺ نے ادا کیں اس لئے آپ سے ہی منسوب ہوں گی۔

مدنی دور کی نبوی کفالتوں کا احاطہ تحریر میں لانے کے لئے کئی تصانیف درکار ہیں، جن میں مہاجرین کی آباد کاری، خانوادہ نبوت کا قیام و طعام، اہل صفہ کی کفالت، مجاہدین، غازیان اسلام اور شہداء فی سبیل اللہ کے ورثاء کی اعانت و کفالت سر فہرست تھی۔ غرض یہ کہ حضور پر نور ﷺ کی ذات گرامی نے بالواسطہ کفالت کو اس احسن انداز سے نبھایا کہ افراد، اقوام اور ملل کی آسودگیوں کا مناسب طور پر خیال رکھا۔ جس کی دوسری کوئی مثال تاریخ انسانیت پیش نہیں کرتی۔

زیر نظر مقالہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بلاواسطہ ان افراد کی کفالتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو باقاعدہ طور پر آپ ﷺ کے گھر میں نبوت کے زیر سایہ رہے، جن کی تعلیم و تربیت کے آپؐ کفیل بنے اور انہیں آپ کی صحبت بابرکت میں رہ کر اطوار حیات کو سمجھنے اور حسن کردار و عمل سے مزین ہونے کا موقع ملا۔

حرم رسالت مآب ﷺ میں جن معزز خواتین کو داخل ہونے اور امہات المومنین کا شرف عظیم حاصل کرنے کا تمغہ افتخار ملا، ان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر سب کی سب یا تو مطلقہ تھیں یا بیوہ۔ جن میں سے بعض بیویاں صاحب اولاد بھی تھیں۔(2) جن کی کفالت اور تربیت کا ذمہ حضرت محمد ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ اور وہ سب کے سب رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کے زیر نگرانی پروان چڑھے ان تفاصیل سے نبی کریم ﷺ کا اپنی اولاد سے تعلق بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان خوش قسمت نفوس کی بھی اپنی اولاد کی ہی طرح پرورش اور تربیت فرمائی۔ جن کے اسماء کی تفصیل یہ ہے:

- سیدنا ہند بن نباش بن زرارہ تمیمی
- سیدنا ہالہ بن نباش
- سیدنا طاہر بن نباش

(1) مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ص:۱۳۰

(2) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، دار السلام، الریاض، رقم الحدیث:۳۶۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- سیدناہند بنت عتیق بن عائذ مخزومی (سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بطن سے)[1]
- سیدناسلمہ بن عبداللہ بن عبد الاسد
- سیدناعمر بن ابی سلمہ
- سیدنادرہ بنت ابی سلمہ
- سیدنازینب بنت ابی سلمہ (سیدناام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بطن سے)[2]
- سیدناعبدالرحمن بن سکران بن عمرو(سیدناسودہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بطن سے)[3]
- سیدناحبیبہ بنت عبداللہ بن جحش(سیدنارملہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بطن سے)[4]

تربیتِ اولاد(ربائب النبی ﷺ):

ازواج مطہرات کی مذکورہ بالا اولاد کی مکمل نگہداشت وپرداخت، تعلیم وتربیت اور کفالت وذمہ داری کا بار رسول اکرم ﷺ نے ہی برداشت کیا تھا اور اس حسن وخوبی کے ساتھ پرورش کی گئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک صحابیت کے جلیل القدر منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کا داعی ومبلغ، میدان کارزار کا مجاہد، تعلیمات اسلامی اور ارشادات نبوی کا ناشر، مزاج نبوت کا رمز شناس اور زبان وبیان نبوی کا متبع وپیروکار نظر آتا ہے، جن میں تربیت نبوی ﷺ کا مکمل عکس پایا جاسکتا ہے۔

محسن انسانیت اور معلم کائنات ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ آنے والی اولاد کی صرف کفالت ہی نہیں فرمائی بلکہ اپنے کریمانہ اخلاق، مشفقانہ طبیعت اور تعلیم وتربیت کی عظیم صلاحیت کے ذریعے ان فرزندان ازواج مطہرات کی جس طرح کفالت فرمائی اور ان کے احساس یتیمی کو دور کرنے کے لئے جس تعلق ووارفتگی، شفقت و محبت اور لطف وموانست کا اظہار کیا وہ حیات طیبہ کا انمول حصہ ہے۔

جس طرح محسن انسانیت اور معلم کائنات نے بچوں کی تعلیم وتربیت کو کاروان زیست کی تعمیر وترتیب میں خشت اول قرار دیا۔ اور اپنے لطف وکرم سے ان کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت کی خاص ہدایت فرمائی، نیز

(1) نبی کریم ﷺ کے عزیزواقارب، محمد شریف اشرف، اے مشتاق پرنٹرز، لاہور، ص:۲۳۷

(2) مقالات سیرت نبویؐ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۱/۲۸۸

(3) نبی کریم ﷺ کے عزیزواقارب، ص:۲۳۷

(4) ایضاً، ص:۲۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبان معجز بیان سے ایسے ارشادات عالیہ کا ظہور فرمایا، جن کی رعایت اس آب گیتی میں انقلاب برپا کر سکتی ہے اور ایسے معاشرے کا وجود عمل میں آسکتا ہے۔ جو اقوام عالم کے لئے رشد وہدایت کا منارہ ثابت ہو، مثلاً: آپ ﷺ کا ارشاد گرامی:

«اکرموا اولادکم، واحسنوا أدبهم»[1]

"اپنی اولاد کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور انہیں حسن آداب سے آراستہ کرو۔"

«من عال جاریتین حتی تدرکا دخلت انا وهو فی الجنة کهاتین واشار بالسبابة والوسطی»[2]

"جس نے اس دنیا میں دو معصوم بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں سن شعور کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں جنت میں اس طرح داخل ہوں گے اور اپنے ہاتھ کی درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔"

«امرنا ان نعلم اولادنا الرمی والقرآن»[3]

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی اولاد کو تیر اندازی اور قرآن کی تعلیم دیں۔"

یہ دونوں علوم وفنون بچوں کی تعلیم وتربیت میں اہم محرکات کا درجہ رکھتے ہیں۔

جس ذات عالی نے فرزندان ملت کی اصلاح وتربیت کیلئے ایسے ارشادات واحکام صادر فرمائے ہوں اس نے خود نونہالوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش وپرداخت میں کیا کردار ادا کیا ہوگا جن کی پرورش کی ذمہ داری خود انہیں کے دوش مبارک پر رہی ہو۔ اس فکر واحساس کے ساتھ کتب احادیث کا مطالعہ ایسی روایتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جو محمد ﷺ کا امہات المومنین کی سابقہ اولاد کے ساتھ معاملہ کی نگرانی وذمہ داری اور تعلیم وتربیت کے نازک فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے اور فکر سلیم، علم عمیق اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ جس سے آراستہ وپیراستہ ہو کر ان نفوس قدسیہ کو ربائب النبی ﷺ کے معزز ترین لقب سے سرفراز ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔

[1] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار احیاء السنہ النبویہ سرگودھا، رقم الحدیث: ۳۶۷۱

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، مکتبہ معارف ریاض، رقم الحدیث: ۸۹۴

[3] علاؤالدین، کنزالاعمال فی السنن الاقوال والاعمال، مکتبہ عثمانیہ فیروزپورہ روڈ لاہور، ۱۴۹/۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی تربیت و کفالت (ربائب النبی):

اس عمل نبوی سے سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد (ہند، ہالہ اور طاہر) کو دیگر اولاد ازواج مطہرات کے مقابلہ میں مستفید ہونے کا موقع نسبتاً کم ملا۔ کیونکہ یہ حضرات جس وقت محمد ﷺ کی کفالت میں آئے عمر کی اس منزل میں داخل ہو چکے تھے جو تعلیم و تربیت کے اس انداز کو عبور کر چکی تھی، تاہم ان کی عمر اور ذہن و مزاج کے اعتبار سے سیدنا اقدس ﷺ کا معاملہ ان کے ساتھ بھی مربیانہ اور مشفقانہ رہا۔ اور آپ انہیں اپنی قربت و رفاقت سے نوازتے رہے۔ مثلاً: سیدنا ہند بن ابی ہالہ کی روایت:

«مر النبی ﷺ بالحکم ابی مروان فجعل الحکم یغمز بالنبی و ویشیر باصبعه فالتفت الیه النبی وقال:اللّٰھم اجعل له وزغا فرجف مکانه»[1]

"یعنی جب نبی ﷺ مروان کے باپ حکم کے پاس سے گزرے (جو مکہ کا شدید ترین مخالف تھا) تو وہ آپ ﷺ کو نشانہ لگانے اور انگلیوں سے اشارہ کرنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس پر لرزہ طاری فرمادے۔ تو وہ اپنی جگہ پر ہی حیرانی کے ساتھ لرزنے اور کپکپانے لگا۔ کو گھر میں اپنے ساتھ رکھنے کے۔"

یہ روایت سیدنا ہند کے علاوہ باہر بھی آپ ﷺ کا اس کو ساتھ ساتھ رکھنے اور اپنے ساتھ ساتھ لے کر چلنے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے یہ واقعہ بعثت نبوی کے بعد ابتدائی زمانہ کا ہے۔ اور یہ روایت صرف سیدنا ہند سے ہی ملتی ہے۔

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد کہ آپ ﷺ گفتگو فرما رہے تھے کہ اس دوران سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ہالہ آئے آپ نے گفتگو کے دوران ہی ان کے آنے کی آہٹ سنی تو فرط محبت سے کہنے لگے ہالہ آگئے، ہالہ آگئے۔ اس میں جہاں آپؐ کی محبت و تعلق ظاہر ہوتا ہے وہیں اس کے اظہار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذریعہ تعلقات میں پختگی اور مضبوطی پیدا ہوا اور اس سے اصلاح و تربیت کا بڑا کام لیا جائے۔ سیدنا طاہر بن ابی ہالہ کو ابتدائی عمر میں ہی مرتدین کی سرکوبی کیلئے یمن کی طرف بھیجنا مستقبل میں کسی بڑے مقصد کے لئے تیار کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

[1] ابن اثیر، محمد بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار المعرفہ بیروت، ۵/۷۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اولاد کی تربیت و کفالت:

اُمّ المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے فرزندان ودختران کے ساتھ آپ کا معاملہ مختلف تھا، کیونکہ یہ حضرات جس وقت آپ کی کفالت میں آئے سب کے سب چھوٹے اور کم سن تھے۔ اس لئے ان کی تربیت بھی ان کی عمروں کے مطابق کی گئی۔

مثلاً: سیدنا عمر بن ابی سلمہ کی یہ روایت:

«کنت غلاماً فی حجر النبی ﷺ وکانت یدی تطیش فی الصحفة فقال لی رسول الله ﷺ: یا غلام! قل بسم الله وکل بیمینك وکل مما یلیك»[1]

"میں نبی اکرم ﷺ کی گود کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، میرا ہاتھ پلیٹ میں چاروں طرف پھر رہا تھا۔ آپ نے دیکھا تو مجھ سے فرمایا: اے بچے بسم اللہ پڑھو، اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور جو کچھ تمہارے نزدیک ہے وہ کھاؤ۔"

آپ کی تربیت اور تعلیم کا دلکش اسلوب پیش کرتی ہے۔

اسی طرح سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہی سب سے چھوٹی اولاد سیدہ زینب بنت ابی سلمہ کے ساتھ کھیلنا اور فرط محبت سے زینب کے بجائے زوینب کہنا جہاں آپ ﷺ کا ان سے غایت درجہ تعلق اور انسیت و محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہیں اس کا بھی سبق ملتا ہے کہ بچوں کی تربیت اور پرورش میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو ان کے مزاج وذہن سے ہم آہنگ ہو اور فطرت وطبیعت کا پورا خیال رکھا گیا ہو، تاکہ بچہ تربیت کی پہلی منزل میں انداز بیان اور نفس مضمون کی سختی ودرشتگی سے متنفر ہونے کی بجائے اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق کلام کو پاکر اس سے دلچسپی کا مظاہرہ کرے اور شوق ورغبت کے ساتھ فکر وذہن کی اصلاح وتربیت کا اہم فریضہ انجام پاتا رہے۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:

«ان النبی ﷺ کان یلاعب زینب بنت ابی سلمة ویقول: یازوینب یازوینب»[2]

"کہ رسول اللہ زینب بنت ابی سلمہ سے کھیلتے تھے اور کہتے تھے: اے زوینب اے زوینب۔"

نیز سیدہ زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے ہی مروی یہ روایت:

[1] ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل بالیمین، رقم الحدیث:۳۲۶۷

[2] کنزالاعمال، ص:۷/۸۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«کانت امی اذا دخل رسول اللہ ﷺ یغتسل تقول: ادخلی علیہ فاذا دخلت علیہ نضح فی وجھی من الماء ویقول ارجعی»[1]

''یعنی جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو میری والدہ (ام سلمہ) کہتیں آپ کے قریب جاؤ جب میں جاتی تو آپ میرے چہرے پر پانی اچھالتے اور فرماتے: جاؤ جاؤ۔''

رسول اکرم ﷺ کا ان سے بے حد تعلق اور دلجوئی ودل بستگی کے ساتھ آپ کے انداز تربیت کا شاہکار بھی ہے، جو یہ باور کراتا ہے کہ بچوں کی عمر اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے پیش آنا چاہئے۔

کم عمری میں ہی سلمہ بن ابی سلمہ کا اپنی چچازاد بہن امامہ بنت حمزہ سے نکاح فرما کر جہاں ام المومنین سیدنا ام سلمہ کی دلجوئی مقصود تھی وہیں احساس ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی میں عجلت بھی پیش نظر متصور ہوتی ہے نیز رخصتی سے قبل ہی امامہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہا کے انتقال پر آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ «ھل جزیت سلمہ»[2] ''کیا تونے سلمہ کا حق دے دیا ہے۔'' سیدہ سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے آپ ﷺ کی محبت پر غماز ہے۔

اس کے علاوہ ان اولاد ازواج مطہرات کا دیگر امہات المومنین سے ربط و تعلق ان کے گھروں میں جانا ان سے روایت کرنا مثلاً: سیدنا حبیبہ بنت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ام المومنین سیدنا زینب بنت جحش سے روایت کرنا، سیدنا زینب بنت ابی سلمہ کا سیدنا ام حبیبہ سے روایت کرنا اور سیدنا عائشہ کا ہالہ بن ابی ہالہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا ہالہ ہالہ کا قول نقل کرنا وغیرہ جیسے واقعات میں بھی آپ کی تعلیم وتربیت کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جس نے اپنے اور غیر کے فرق کو ختم کر کے تمام امہات المومنین سے ربط و تعلق کو اس طرح استوار کر دیا تھا کہ ان میں سے کسی کے چہرے پر کسی کے سلسلہ میں ناگواری کی شکن ابھرتی اور نہ زبان پر حرف شکایت آتا۔ ابوسفیان کی بیٹی رملہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہ جب آپ کے نکاح میں آئیں تو اپنی والدہ کے ساتھ ننھی حبیبہ بھی آپ کی آغوش محبت میں آ گئیں آپ نے اس کو زیر کفالت رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن زرارہ کی چھ بیٹیوں کی کفالت فرمائی جب وہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت وفات پا گئے کوئی زیور آتا آپ ان بیٹیوں کو پہنا دیتے۔

خاندان کے افراد کی کفالت:

رسول اللہ ﷺ کی کفالت آپ کے دو چچاؤں جناب زبیر بن عبد المطلب اور ابو طالب بن عبد المطلب نے

[1] اسد الغابہ، ص:۴۶۱/۵

[2] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار التراث العربی بیروت، ۴۶/۲

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

فرمائی جب آپ کے چچا زبیر بن عبد المطلب وفات پا گئے تو آپ نے ہر لحاظ سے ان کی اولاد کا خیال رکھا ان کے ایک بیٹے کا نام طاہر تھا جس کی وجہ چچا کی کنیت ابو طاہر تھی اس مناسبت سے اپنے بیٹے کا نام طاہر رکھا ان کا دوسرا بیٹا عبد اللہ آپ ﷺ کے پاس آیا انہیں لباس پہنایا اور فرمایا یہ میری ماں کے بیٹے ہیں ان کی والدہ کے معاملہ جب میں ان کے زیر کفالت تھا بہت اچھا تھا۔[1]

زبیر بن عبد المطلب کی بیٹیوں صفیہ اور ضباعہ کی کفالت بھی فرمائی خیبر کی پیداوار سے چالیس چالیس وسق کا طعمہ مقرر فرمایا اور ان کی شادیاں کیں۔

جناب ابو طالب کی اولاد کی کفالت آپ ﷺ نے فرمائی مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کے چچا ابو طالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے اور معذور تھے آپ ﷺ نے اس بات کا ذکر اپنے چچا عباس سے کیا کہ چچا ابو طالب کے کچھ بچوں کی کفالت آپ اپنے ذمہ لے لیں اور کچھ میرے حصہ میں دے دیں چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ آپ ﷺ کے حصہ میں آئے جب ان کی عمر ابھی پانچ چھ سال تھی تقریباً 28/27 سال سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ آپ کی کفالت میں رہے مواخات کے موقع پر فرمایا "انت أخی فی الدنیا و الاخرۃ" اسی طرح عقیل جعفر رضی اللہ تعالی عنہ چچا عباس کی زیر کفالت رہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جناب ابو طالب تجارت بھی کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی مہمان نوازی اور سخاوت کی داستانیں بھی ہیں مگر کبھی کبھار تجارت نہ ہونے یا شکار نہ کھیلنے کی وجہ سے معاشی پریشانی کا شکار ہو جاتے تھے اور ویسے بھی رسول اللہ ﷺ اپنے چچاؤں اور خاندان کے افراد کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتے تھے۔

رسول ﷺ کی تربیت کے اثرات:

یہ سب کے سب رسول اقدس ﷺ کی تربیت کا کرشمہ ہیں۔ جنہیں ان کے اخلاق و اعمال کی درستی، فکر و نظر کی اصلاح اور علم و فن سے وابستگی کی طرف راہنمائی اس انداز سے فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک اخلاق و مروت رشد و ہدایت، تبلیغ و دعوت اور فقہ و بصیرت کے بلند مقام پر فائز ہے جن سے علم و فن کا چراغ روشن ہوا اور رشد و ہدایت کی ایسی کرنیں نمودار ہوئیں جن کی روشنی میں دنیا آج تک علم و تحقیق اور فکر و فن کے جواہر پارے تلاش کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا واقعات و روایات سے نبی ﷺ کی نجی زندگی کا ایک منفرد باب سامنے آتا ہے۔ جس میں آپ کی بچوں سے محبت و شفقت اور انداز تربیت بہت دلنشیں انداز میں نظر آتا ہے۔ آپ کا یہ مربیانہ رویہ اساتذہ کرام،

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ذکر عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب، 39/4

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصلحین قوم اور معمار ملت کے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ کی نجی زندگی کے اس پہلو میں رشتہ داروں سے مروت و مودت کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کی بہت تاکید و تعلیم موجود ہے۔ جس کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ لہٰذا ہمیں ہادی کائنات اور رحمت عالم کی تعلیمات کو دل و جان سے قبول کرنا چاہیے۔ اور اپنے گھروں، خاندانوں اور معاشرے کی اصلاح کے لئے انہی سنہری اصولوں پر عمل کرنا چاہیے، تاکہ ہمارا اسلامی معاشرہ جنت کا گہوارہ بن سکے۔

سائلین کی کفالت وتربیت کا انتظام:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ موڑا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمھیں ایسے آدمی کی خبر نہ دوں جو سب سے بدتر ہے صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا، بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الذی یسأل باللہ عزوجل ولا یعطی بہ»[1]

”جس سے اللہ کے نام پہ مانگا جائے اور وہ کچھ نہ دے

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے گداگری (مانگنے) کی حوصلہ شکنی کی ہے فرمایا:

«الیَدُ العُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الیَدِ السُّفْلَی»[2]

”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے“

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا ہو اور آپ نے دیا پھر ایک دفعہ مانگا تو آپ ﷺ نے دیا۔ پھر فرمایا حکیم! یہ دنیا کا روپیہ پیسہ دیکھنے میں خوشنما اور مزے میں شیریں ہے لیکن جو اس کو سیر چشمی سے لے 'اس کو تو برکت ہوتی ہے۔ اور جو اس کو جان لڑا کر حرص کے ساتھ لے اس میں برکت نہ ہو گی۔ اس کی مثال ایسی ہے جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نچلے (لینے والے) ھاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم کہنے لگے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میں آج کے بعد مرتے دم تک کسی سے بھی کچھ نہ مانگوں گا۔ (پھر آپ کا حال یہ رہا کہ) کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ آپ کو سالانہ وظیفہ دینے کیلئے بلاتے تو وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ

[1] نسائی، کتاب الزکوۃ، باب من یسئل باللہ عزوجل ولا یعطی بہ، رقم الحدیث ۲۵۷۱

[2] صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب لا صدقۃ الا عن ظھرِ غنیً، رقم الحدیث: ۱۴۲۹

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے بھی اپنے دور خلافت میں ان کو ان کا وظیفہ دینے کیلئے بلایا۔ تو بھی انہوں نے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ حاضرین سے کہنے لگے۔

"لوگو! تم گواہ رہنا! میں حکیم کو اس کا حق جو لوٹ کے مال میں اللہ دیتا ہوں اور وہ نہیں لیتا۔" غرض رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کا اتنا پاس تھا کہ انہوں نے تا حینِ حیات سوال تو در کنار کسی سے کوئی بھی چیز قبول نہیں کی۔"[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

«لَا تُلْحِفُوا فِي الْمَسْأَلَةِ، فَوَاللهِ لَا يَسْأَلُنِي أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا، فَتُخْرِجَ لَهُ مَسْأَلَتُهُ مِنِّي شَيْئًا، وَأَنَا لَهُ كَارِهٌ، فَيُبَارَكَ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتُهُ»[2]

"مجھ سے چمٹ کر سوال نہ کیا کرو جو شخص بھی تم میں سے مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اُسے کچھ نہ کچھ دے دیتا ہوں حالانکہ میں اُسے مکروہ سمجھتا ہوں اس طرح اُس چیز میں برکت نہیں رہتی جو میں اُسے دیتا ہوں۔"

ذمّیوں کی کفالت:

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا خصوصاً کفالت عامہ پر خصوصی توجہ دی۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ ایک مقام پر تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں ایک نابینہ بوڑھا بھیک مانگ رہا ہے۔ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ یہ یہودی ہے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت کیا تجھے کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا۔ اُس نے جواب دیا "جزیہ کی ادائیگی، معاشی ضروریات اور پیرانہ سالی نے" یہ سن کر آپ نے اُسکا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان پر لے گئے۔ جو کچھ موجود تھا اُس کو دیا اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس پیغام بھیجا:

«انظر هذاوضی بائه فوالله مانصعتاه ان اكلناشبيبته ثم نخذله عند الهرم انماالصدقت للفقراءِ والمساكين الفقراءهم المسلمون وهذا من المساكين اهل الكتب ووضع عنه الجزية وعن فربائه»[3]

(1) صحیح بخاری، کتاب الوصایا' باب تاویل قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیة توصون بها او دین، رقم الحدیث ۲۷۵۰

(2) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب النهی عن المسئلة، رقم الحدیث ۱۰۳۸

(3) امام محمد، کتاب الآثار، فضائل صحابہ، رقم الحدیث: ۸۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”یہ اور اس قسم کے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو اللہ کی قسم ہم اس کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتے اگر اس کی جوانی کی محنت (بصورت جزیہ) تو کھائیں مگر اس کی پیرانہ سالی میں اسے بھیک مانگنے کیلئے چھوڑ دیں۔'اور میرے نزدیک یہاں فقراء سے مراد مسلمان مفلس ہیں (اور مساکین سے مراد اہل کتاب کے مساکین و فقراء ہیں) اور یہ سائل مساکین اہل کتاب میں سے ہے، اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور بیت المال سے اس کا وظیفہ شروع کر دیا۔“

اس باب میں بہت سارے حالات اور کارنامے کتب احادیث اور سیّر میں موجود ہیں، جن کے مطالعہ سے ان نفوس قدسیہ جنہیں کاشانہ نبوت میں پروان چڑھنے اور آغوش رسالت میں پلنے اور بڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جن کی پرورش و پرداخت میں رحمت عالم ﷺ کی شفقت و محبت، لطف و موانست، دانائی و حکمت کا بڑا حصہ سمٹ کر جمع ہو گیا ہے۔ یہ مخفی پہلو اس بات کا مستحق ہے کہ اسے سیرت النبی ﷺ کے پاکیزہ اور مقدس صفحات پر باقاعدہ جگہ دی جائے۔ جس کے مطالعہ سے سیدنا محبوب اقدس ﷺ کے طرز تعلیم و تربیت اور اصول اصلاح و درستگی کا انوکھا انداز سامنے آتا ہے۔ جسے کتاب زیست کا درخشندہ و تابندہ باب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جن افراد کی تعلیم و تربیت کے آپ کفیل بنے اور انہیں آپ کی صحبت بابرکت میں رہ کر اطوار حیات کو سمجھنے اور حسن کردار و عمل سے مزین ہونے کا موقع ملا، یہ سب اسی صحبت نبوی کا فیض ہے جن کی پاکیزہ زندگی میں عظمتوں کے اتنے نقوش موجود ہیں جنہیں اختیار کرکے آج بھی کامرانی اور کامیابی سے سرفراز ہوا جاسکتا ہے۔

غلاموں کی کفالت:

اللہ تعالیٰ نے غلاموں کی آزادی کے بارے میں فرمایا﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ غلاموں کی آزادی ایک بڑی گھاٹی ہے جسے عبور کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے آزادی کی ترغیب دی:

«مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ، حَتَّى يُعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ»[1]

آپ ﷺ کی ترغیب پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ نے غلاموں کو آزاد کر کے ان کی کفالت فرمائی۔ جن کی مجموعی تعداد 39322 بنتی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(1) صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل العتقه، رقم الحدیث:۳۷۹۷

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

كَانَ آخِرُ كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»[1]

رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کی ازدواجی کفالت کا بھی حکم دیا رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا اور سیدہ جویرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح فرمایا اپنے زیر کفالت غلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینبؓ سے کیا۔[2]

مقروض افراد کی کفالت کا حکم وترغیب:

رسول اللہ ﷺ نے مقروض افراد کی کفالت کی ذمہ داریاں بھی ادا کرنے کی ترغیب دلائی پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کا حکم دیتے ہیں:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾[3]

"کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے تو اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر زیادہ دے ؟ اور اللہ ہی (لوگوں کا رزق) تنگ اور کشادہ کرتا ہے اور تمہیں اسی کے ہاں لوٹ کر جانا ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[4]

"اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے اس کی آسودہ حالی تک مہلت دینا چاہیے۔ اور اگر (رأس المال بھی) چھوڑ ہی دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اگر تم یہ بات سمجھ سکو۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ، أَوْ يَضَعْ عَنْهُ»[5]

مساکین کی کفالت کی ترغیب وتلقین:

رسول اللہ ﷺ مساکین سے بہت پیار کرتے تھے صحابہ کرام کو مساکین سے محبت اور پیار کا حکم دیتے

(1) سنن ابن ماجہ، ابواب الوصایا، باب هل اوصیٰ رسول اللهﷺ، رقم الحدیث:2698
(2) مزید مطالعہ کے لیے: صحیح بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امته واهله، سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب الاکفاء
(3) البقرہ2: 245
(4) ایضا،2: 280
(5) صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب فضل انظار المعسر، رقم الحدیث:2896

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معصب بن سعد سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ»[1]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى إِلَيْهِ الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِينُ»[2]

اس دعوت ولیمہ کا کھانا بہت برا ہے جس میں امراء کو دعوت دی جائے اور مساکین کو ترک کر دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل محلہ کی کفالت کی ترغیب و تلقین فرمائی اور احکامات جاری فرمائے کسی کی خدمت کرنا دیکھ بھال کر دینا۔ ضرورت کی اشیاء لا کر دے دینا، اسی طرح مجاہدین اور شہداء کے گھروں کی بھی کفالت فرماتے۔[3]

سفارشات:

1. عوام الناس کی زندگیوں کو متوازن بنانے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ جس میں مضبوط معاشی پالیسیاں بنانا مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔
2. تعلیم و تربیت کو ہم آہنگ کرنے کے لیے قومی نصاب کو مرتب کرتے ہوئے مؤثر اقدامات بروئے کار لائے جائیں، جو کورس اہداف و مقاصد متعین کیے جائیں اس کے حصول کے لیے طریقہ کار وضع ہو جائے۔
3. والدین کی آگاہی کے لیے مختلف پروگرام تشکیل دیئے جائیں۔
4. سماج میں کفالت عامہ کے نظام کو مؤثر بنانے کے لیے افراد کی تربیت کی ضرورت ہے جس کے لیے سکولز، کالجز، یونیورسٹیز، مدارس اور مساجد کے افراد مل کر لائحہ عمل تیار کر سکتے ہیں۔
5. گداگری کی مذمت کی جائے اور اس کی روک تھام کے لیے مؤثر، قانونی اقدامات کیے جائیں۔
6. دیہات، قصبہ، یونین کونسل کی سطح پر بے گھر افراد کا (Data Collect) کیا جائے اور پھر اسی مقدار سے انکے لیے گھر تعمیر کیے جائیں۔
7. یونین کونسل کی سطح پر باقاعدہ کفالتی نظام کو منظم کیا جائے اور پائیدار لائحہ عمل بنایا جائے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، رقم الحدیث:2896
[2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، رقم الحدیث:1432
[3] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب فضل من جهر غازیا کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عوامی فلاح و بہبود کا تصور، اسلامی فلاحی ریاست کے لیے عملی اقدامات سیرت طیبہؐ سے رہنمائی

فلاح کا مفہوم:

فلاح، فلح سے ماخوذ ہے جو کہ ف ل ح کے مادہ سے ہے جس کے معنی راہ پانا، حاصل کرنا اور کامیابی حاصل کرنا ہیں۔[1]

قرآن مجید میں ہے:

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا﴾[2]

”وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا۔“

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾[3]

”مومن کامیابی حاصل کر گئے۔“

قرآن مجید کا پیش کردہ تصور فلاح اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے اور اس فلاح کا تعلق صرف دنیاوی زندگی سے ہی نہیں بلکہ اخروی زندگی پر بھی محیط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ﴾[4]

”جو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔“

فلاح انسانیت کے لیے غور و تدبر:

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ تُفْلِحُوا»[5]

(1) افریقی، محمد بن مکرم، ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت طبع ثالث، 1414ھ، 548/2
(2) الشمس 91: 9
(3) المؤمنون 23: 1
(4) آل عمران 3: 185
(5) احمد بن حنبل، المسند، دار الحدیث، قاہرہ، طبع اول، 1995ء، 692/3

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"اے لوگو!لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی تصور کے مطابق اصل کامیابی وہ ہے جس سے دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ممکن ہو۔ یہی وجہ ہے آیت﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾[1]"وہ کامیاب ہوا جس نے تزکیہ اختیار کیا۔" میں کامیابی کو تزکیہ سے مشروط کیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ایک منصب یزکیھم[2]یعنی لوگوں کا تزکیہ کرنا بھی ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل کر کے دنیاوی اور اخروی فلاح و کامیابی حاصل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دل میں انسانیت کی فلاح کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ آپ ﷺ ہر وقت اس غور و فکر میں رہتے کہ لوگوں کی بہتری اور بھلائی کیسے ہو؟۔ آپ ﷺ کی عارضی زندگی پر آخرت کو ترجیح دینے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کرتے۔عام طور پر لوگوں کو ایمان کی ترغیب دیتے اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے کڑھتے رہتے۔لوگوں کے احوال پر پریشان ہو جاتے۔بلکہ بعض اوقات انہی سوچوں میں راتیں گزر جاتیں۔چنانچہ حدیث میں ہے:

«قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ»[3]

"آپ قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے۔"

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾[4]

"آپ شائد ان کافروں کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اس غم سے کہ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔"

اسی طرح یہ بھی ارشاد ہے:

﴿طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ﴾[5]

(1) الاعلیٰ 87: 14

(2) الجمعہ 62: 2

(3) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب تفسیر القرآن، باب لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ ، دارالسلام، الریاض، 2008ء، رقم الحدیث : 4836

(4) الکہف 18: 6

(5) طہ 20: 1۔3

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"طہٰ، ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ یہ تو ہر اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے۔"

قبل از نبوت:

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں کوئی مضبوط سیاسی نظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے ایک طرح کا سیاسی و سماجی انتشار پایا جاتا تھا۔ اور لوگوں کی جان ومال محفوظ نہ تھے۔ باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر جنگ و جدال، خون ریزی اور ظلم وزیادتی کا بازار گرم ہو جاتا۔ اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش مشکل ہی سے ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ جیسے دار الامن اور مرکزی شہر کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔

دور جاہلیت میں لوگوں پر ظلم و ستم، لوگوں کا حق کھانا بہت عام تھا۔ اس صورت حال کو بعض دردمند لوگوں نے بدلنا چاہا۔ مشورہ کے لیے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ظلم وزیادتی کو ہر قیمت پر روکا جائے گا۔ کسی بھی شخص پر چاہے وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو۔ ظلم ہونے نہ دیا جائے گا۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی جائے گی اور اسے اس کا حق دلوایا جائے گا اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے یہ معاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا تھا۔

آپ ﷺ کے دل میں لوگوں کی خیر خواہی، بھلائی اور مظلوم کی مدد کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ دور جاہلیت میں یہ معاہدہ "حلف الفضول" کے نام سے معروف ہے۔ جس کا ذکر سیرت کی تقریباً تمام کتب میں ہے۔[1]

نبوت کے بعد بھی آپ ﷺ نے فرمایا اس معاہدے کے مطابق آج بھی اگر کوئی مجھے بلائے تو میں حاضر ہوں۔[2] بعد از نبوت آپ ﷺ نے نہ صرف چھوٹوں، بڑوں، والدین، اولاد، عورت، مرد، غلام، نوکر، غیر مسلم بلکہ حیوانوں تک کے حقوق مقرر فرمائے۔ ان سے بھی آپ ﷺ کے جذبہ خیر خواہی کا علم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

آپ ﷺ کو کسی نے دکھ دیتے نہیں دیکھا بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہی خیر و برکت کی باتیں کیں اور

(1) ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیر النبویہ، مصر، شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی، طبع ثانی، 1955ء، 1/140۔ 143

(2) ابن ہشام، السیر النبویہ، 1/140۔143

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ خدمت خلق کا باعث ہوئے۔ آپ ﷺ کا وجود مسعود ہی کائنات کے لیے رحمت تھا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

"اور ہم نے آپ کو تمام دنیاوالوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[2]

"(لوگو)!تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیاہے۔اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے گراں گزرتی ہے۔وہ (تمہاری فلاح کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

آپ ﷺ جب اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کے گھر گئے تو وہاں برکات نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ کو لے جانے والی سواری تیز ہو گئی۔رضاعی والدہ کے ہاں آپ دائیں طرف سے دودھ پیتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ نے بائیں طرف سے دودھ نہ پیا کہ وہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی کا حق تھا۔اسی طرح ان کے گھر کی بکریاں چرنے جاتیں تو سیر ہو کر آتیں۔ آپ ﷺ سے پہلے اس طرح سے نہ تھا۔[3]

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کے متعلق ٹھیک کہا:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل[4]

"وہ سفید رنگ والے جن کی چہرے کی وجہ سے بادل سے بارش طلب کی جاتی ہے، یتیموں کے خیر خواہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔"

آپ ﷺ کا بچپن بھی لوگوں کی خیر خواہی میں گزرا۔

آپ ﷺ نے تجارت میں بھی لوگوں کی خیر خواہی کا پہلو سامنے رکھا۔ کبھی کسی کے سامنے جھوٹ نہیں بولا۔ کسی پر زیادتی نہ کی۔مال میں کوئی نقص ہوتا تو بتادیتے تھے۔حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی تجارت کے لیے تشریف

(1) الانبیاء 21: 107

(2) التوبہ 9: 128

(3) ابن برھان الدین، علی بن ابراہیم، السیرة الحلبیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی، 1427ھ، 1/90

(4) مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص:107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لے گئے تو وہاں بھی آپ مال کے بارے میں ہر لحاظ سے وضاحت کرتے رہے۔

جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا تو حضرت خدیجہؓ کے ریمارکس آپؐ کی ذات کے بارے میں یہ تھے:

«كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»[1]

"ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔"

انسانی فلاح کا عملی اظہار خدمت خلق کی شکل میں رونما ہوتا ہے اور اس بارے میں تعلیمات نبوی و سیرت طیبہ ہمارے لیے بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فلاح و خدمت انسانیت کے لیے سنہری اصول متعین کیے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"خير الناس من ينفع الناس"[2]

"تم میں سب بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے۔"

نیز فرمایا:

«الْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ»[3]

"مخلوق اللہ کا عیال (کنبہ) ہے۔ پس اللہ کے نزدیک مخلوق میں سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے عیال کے لیے بہتر ہو۔"

مزید بر آں اسی رویہ کو پروان چڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے فرمودات ہماری زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں:

«وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»[4]

"جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔"

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث : 3

(2) علاء الدین، علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، طبع خامس، 1981ء، 16/ 128، رقم الحدیث : 44154

(3) خطیب تبریزی، محمد عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ثالث، 1985ء رقم الحدیث : 4998

(4) نیساپوری، مسلم بن حجاج، الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن، رقم الحدیث :58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(1)

"جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کے مدد کرتا رہے گا۔ جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے گا۔"

خدمت خلق کے یہ سنہری اصول فلاح بنی آدم کا حقیقی مظہر ہیں، جن سے قوموں کی زندگیوں میں معاشی، معاشرتی، سماجی کامیابیاں رونما ہوتی ہیں۔ خدمت خلق کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ انسان کی اپنی ذات، عزیز و اقارب، پڑوسی، دوست احباب، عورت، غلام، قیدی، غیر مسلم، جانور حتی کہ فیصلوں تک کے حقوق متعین کر کے دراصل خدمت خلق کا درس دیا گیا ہے۔ ان میں انفرادی اور اجتماعی فلاح کا راز مضمر ہے۔ تمام ادیان میں لوگوں کی بھلائی کا تصور ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ١ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ١ۙ وَ السَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ١ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ١ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا١ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ١ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا١ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾(2)

"نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف پھر لو۔ بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اور اللہ سے محبت کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو اور غلامی سے نجات دلانے کے لیے دے۔ نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے۔ نیز (نیک لوگ وہ ہیں کہ) جب عہد کریں تو اسے پورا کریں اور بدحالی، مصیبت اور جنگ کے دوران صبر کریں۔ ایسے ہی لوگ راست باز ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

اب ہم فلاح انسانی کے اجتماعی اصولوں کو زیر بحث لاتے ہیں جن پر سیرت طیبہ کی روشنی میں عمل پیرا ہونے سے ہی انسانی فلاح کا متضمن ہونا ممکن ہو سکے گا۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا

(1) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، رقم الحدیث:38(2699)

(2) البقرہ2: 177

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ»[1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے مومن پر چھ حقوق ہیں، (1) جب بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرے (2) اگر وہ فوت ہوجائے تو اس کے جنازہ میں شریک ہو (3) اس کی دعوت قبول کرے (4) اگر اس سے ملاقات ہو تو سلام کرے (5) اسے چھینک آئے تو جواب دے (6) اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں اس کی خیر خواہی کرے

اس حدیث سے مجموعی طور پر ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا سبق ملتا ہے جس میں آپس کے تعلقات میں ایک دوسرے کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ سیرت طیبہ سے ان تمام قیمتی نصائح کی تصویر یوں سامنے آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الدِّينُ النَّصِيحَةُ قَالُوا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»[2]

"دین کیا ہے خلوص یعنی سچائی۔ لوگوں نے عرض کیا کس کے ساتھ یارسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ (یہ کہ اس کی عبادت کرے سچے دل سے اس سے خوف رکھے سچے دل سے نہ کہ ریاکاری کے ساتھ) اور اس کی کتاب کے ساتھ یقین رکھے (یعنی اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرے) اور اس کے رسول کے ساتھ یقین رکھے اور تمام مسلمانوں اور امام کے ساتھ (اخلاص قائم رکھے)۔"

والدین کی خدمت:

دنیاوی رشتوں میں انسانی کی بھلائی کرنے کے سب سے زیادہ مستحق والدین ہیں۔ اسلام نے ان سے خیر خواہی اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء فی تشمیت العاطس، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء، رقم الحدیث : 2737

[2] سنن نسائی، کتاب البیعۃ، باب النصحیۃ الامام، رقم الحدیث : 4197

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾[1]

”آپ کے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ ہی انھیں جھڑکو اور ان سے بات کرو تو ادب سے کرو۔ اور ان پر رحم کرتے ہوئے انکساری سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ: پروردگار! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے (محبت و شفقت) سے پالا تھا۔“ ماں کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔“

ارشاد نبوی ہے:

«الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ»[2]

”جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔“

والد کی اطاعت اور احترام کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

«رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ»[3]

”والد کی خوشی میں رب کی خوشی ہے اور والد کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔“

عزیز و اقارب اور بے کس لوگوں کی خدمت:

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾[4]

”اور رشتہ دار کو اس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو۔“

اس طرح اور بے سہارا لوگوں کا خیال رکھنے کی تاکید ہے۔ اسلام ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کا درس دیتا ہے۔ خونی رشتہ داروں کے علاوہ باقی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ

(1) الاسراء17: 23۔24

(2) کنز العمال،16/ 461، رقم الحدیث: 45439

(3) جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدین، رقم الحدیث: 1899

(4) الاسراء17: 26

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی نبوت سے قبل بھی یہ صفت تھی۔

اسلام میں ہر مستحق کی خدمت ضروری ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کے حوالے سے سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»[1]

"کسی مسکین کو (جس سے رشتہ نہ ہو) صدقہ دینا محض ایک صدقہ ہے لیکن وہی صدقہ کسی رشتہ دار کو دیا جائے تو یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی)۔"

گویا رشتہ دار پر خرچ کرنا دوگنا ثواب کا باعث ہے۔ ایک پہلو سے یہ ایک عام صدقہ ہے جس طرح دوسرے صدقات ہیں۔ دوسرے پہلو یہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ ہمسایہ سے معاشرتی زندگی میں ایک الگ تھلگ نہیں رہ سکتا ان کے حقوق اور لوگوں سے زیادہ ہیں۔ ہمسایہ کی تین قسمیں ہیں:

1۔ رشتہ دار
2۔ جس سے صرف ہمسائیگی کا تعلق ہو۔
3۔ جس کا اتفاق سے یا کبھی بھی ساتھ ہو جاتا ہے۔
4۔ سکول، کالج اور دفتر میں جن لوگوں کا ساتھ ہو وہ بھی ایک طرح کے ہمسایہ ہیں۔

.......اسلام میں انسان کے ساتھ کسی بھی نوعیت کا تھوڑی بہت دیر کے لیے بھی ساتھ ہو جائے تو اس کا حق قائم ہو جاتا ہے۔ اگر یہ رفاقت مستقل ہو تو اس کا حق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»[2]

"حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید فرماتے تھے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر دیں گے۔"

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ صرف اپنوں کو ہی نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ جس طرح ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ نے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا۔ نیز فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابو سفیان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ نے اپنے لشکروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے تو

[1] سنن ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ، رقم الحدیث:658

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الوصاۃ بالجار، رقم الحدیث:6015

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوسفیان جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، بہت زیادہ خوف زدہ تھے وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف انہیں معاف کیا بلکہ اعلان کر دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی معافی کا اعلان ہے:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ»[1]

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امن ہو گا۔"

عام مسلمانوں کی بھلائی اور خدمت:

عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[2]

"جو آدمی کسی مسلمان سے دنیا کی کسی سختی کو دور کرتا ہے تو اللہ قیامت کی سختیوں سے اس سختی اور پریشانی کو دور کریں گے۔"

بلکہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ انسان کی ضرورت اور حاجت کو اپنی ضرورت اور حاجت قرار دیتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي، قَالَ: يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ؟ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قَالَ: يَا رَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي، يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ، فَلَمْ تَسْقِنِي، قَالَ: يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي»[3]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل قیامت کے دن

(1) مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکۃ، رقم الحدیث: (86)1780

(2) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغضب، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ، رقم الحدیث: 2442

(3) مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل عیادۃ المریض، رقم الحدیث: (43) 2569

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی وہ کہے گا اے پروردگار میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تورب العالمین ہے اللہ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا وہ کہے گا اے پروردگار میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا حالانکہ تو تورب العالمین ہے تو اللہ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا وہ کہے گا اے پروردگار میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو تورب العالمین ہے اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا تھا اگر تو اسے پانی پلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں دوسروں کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہے۔

مساکین و فقراء کی خدمت:

مسکین اور فقیر کو کھانا کھلانا بھی کار ثواب ہے۔ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ انہیں اس حالت سے نکالیں اور ان کے فقر و احتیاج کو مستقل طور پر ختم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ معاشرے میں باوقار اور اطمینان کی زندگی گزار سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ القَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ» [1]

”بیواؤں اور مسکینوں کے لیے سعی وجہد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی مانند ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

«فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ» [2]

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الاھل، رقم الحدیث: 5353

(2) ایضاً، کتاب الجھاد والسیر، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، رقم الحدیث: 2896

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"تمہارا رزق اور تمہاری مدد اللہ کی طرف سے ضعفاء کی وجہ سے ہوتی ہے۔"

قرآن نے اہل ایمان کی یہ صفات بیان کی ہیں:

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا﴾(1)

"اور خود کھانے کی محبت کے باوجود وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں۔(اور انہیں کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ ہمیں اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو چہروں کو کریہہ المنظر اور (دلوں کو) مضطر کرنے والا ہو گا۔"

اپنی ضرورتوں پر ترجیح دے کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا مومن کی صفت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(2)

"اور ان (مہاجرین) کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔"

بیواؤں اور مسکینوں کے لیے دوڑ دھوپ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جو ان کی فلاح و بہبود کے لیے کی جائیں۔ ان میں ان کی ضروریات کی تکمیل ان کے لیے روزگار فراہم کرنا اوران کو سماج میں باوقار زندگی گزارنے کے قابل بنانا وغیرہ۔ سب کچھ آ جاتا ہے۔

خدمت خلق کا جذبہ بذریعہ تعاون:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بہتر اور افضل عمل کون سا ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ قُلْتُ فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ قَالَ أَعْلَاهَا ثَمَنًا وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ قَالَ تُعِينُ ضَايِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ قَالَ فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ»(3)

(1) الدھر 76: 8-10
(2) الحشر 59: 9
(3) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق، باب ای الرقاب افضل، رقم الحدیث:2518

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا میں نے پوچھا کس قسم کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو بہت زیادہ بیش قیمت ہو اور اس کے مالکوں کو بہت پسند ہو میں نے پوچھا اگر میں یہ نہ کر سکوں آپ ﷺ نے فرمایا کسی کاریگر کی مدد کر دو یا کسی بے ہنر کے لئے کام کر دو انہوں نے پوچھا اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھ (یعنی ان کے ساتھ برائی کرنے سے باز آ) اس لئے کہ وہ بھی ایک صدقہ ہے جو تو اپنے آپ پر کرتا ہے۔“

اس حدیث میں ایمان باللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت کے بعد جو شخص غربت میں مبتلا ہو اور گزران کی صورت نہ ہو اس کی مدد ضرورت کے مطابق کی جائے اور مدد اپنی حیثیت کے مطابق کی جائے۔

مظلوم کی مدد کرنا:

اسلام میں خدمت خلق یہ ہے کہ جن افراد پر ظلم ہو رہا ہو ان کی مدد کی جائے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ......وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ»[1]

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا۔ ان میں ایک بات یہ تھی کہ مظلوم کی مدد کی جائے۔“

مظلوم کی مدد کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قانونی بھی اور اخلاقی بھی، معاشی حالت کا ٹھیک کرنا بھی اس میں داخل ہے اور نفسیاتی طور پر اسے یہ یقین دلانا بھی اس میں آتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں یکا و تنہا نہیں ہے اس پر ظلم ہو تو اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی مشکلات میں اس کا ساتھ دیا جائے گا۔

یتیم پروری:

اسلام سے قبل لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔ قرآن مجید میں یتیموں کے مال کو غصب کرنے والوں کو اس طرح تنبیہ کی گئی:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا﴾[2]

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب تشمیت العاطس اذا حمد اللہ، رقم الحدیث : 6222
[2] النساء4: 10

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔“

حدیث نبوی ہے:

«كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ» [1]

”یتیم کی یا کسی غیر کی کفالت کرنے والا، میں اور وہ جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔“

ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى» [2]

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ہوں گے درمیانی اور شہادت کی انگلی ملا کر فرمایا۔“

قرض دینا، قرض معاف کرنا:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ [3]

”کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔“

حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ تین آدمی ایک ابرص دوسرا نابینا تیسرے گنجے کو اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا وہ فرشتہ ابرص کے پاس آکر کہنے لگا کون سی چیز تجھ کو زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا مجھ کو اچھی رنگت اور خوبصورت چمڑہ مل جائے جس سے لوگ مجھ کو اپنے پاس بیٹھنے دیں اور گھن نہ کریں۔ فرشتہ نے اپنا ہاتھ اس کے بدن پر پھیر دیا تو وہ فوراً اچھا ہو گیا اور خوبصورت رنگت اور اچھی کھال نکل آئی پھر اس سے دریافت کیا تجھ کو کون سا مال محبوب ہے؟ اس نے کہا اونٹ یا گائے (راوی کو اس میں شک ہے کہ کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ مانگا اور دوسرے نے گائے) لہٰذا ایک گابھن اونٹنی اس کو عطا کی فرشتہ نے کہا اللہ تعالیٰ برکت دے پھر گنجے کے پاس آیا آکر کہا کہ تجھ کو کون سی چیز مرغوب ہے؟ اس نے کہا میرے اچھے بال نکل آئیں

[1] مسلم، الصحیح، کتاب الزھد والرقائق، باب الاحسان الی الارملۃ والمسکین والیتیم، رقم الحدیث: (42)2983

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما، رقم الحدیث: 6005

[3] الحدید 57: 11

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بلا مجھ سے دور ہو جائے کہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں پھر پوچھا تجھ کو کونسا مال پسند ہے ؟ اس نے کہا کہ گائے ایک گابھن گائے اس کو دے دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عنایت کرے پھر اندھے کے پاس آکر پوچھا تجھ کو کیا چیز مطلوب ہے ؟ کہا میری آنکھوں کو درست کر دو کہ تمام لوگوں کو دیکھ سکوں فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ درست کر دی پھر دریافت کیا تجھ کو کیا مال پیارا ہے ؟ کہا بکری لہذا اس کو ایک گابھن بکری عطا کر دی تینوں کے جانوروں نے بچے دیئے تھوڑے دنوں میں ان کے اونٹوں سے جنگل بھر گیا اس کی گائیوں سے اور اس کی بکریوں سے پھر بحکم الٰہی فرشتہ اسی پہلی صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا میں ایک مسکین آدمی ہوں میرے سفر کا تمام سامان ختم ہو گیا ہے آج میرے پہنچنے کا اللہ کے سوا کوئی ذریعہ نہیں پھر میں اللہ کے نام پر جس نے تجھے اچھی رنگ اور عمدہ کھال عنایت کی تجھ سے ایک اونٹ کا خواستگار ہوں کہ اس پر سوار ہر کر اپنے گھر پہنچ جاؤں وہ بولا یہاں سے آگے بڑھ دور ہو مجھے اور بھی بہت سے حقوق ادا کرنے ہیں میرے پاس تیرے دینے کی گنجائش نہیں ہے فرشتہ نے کہا شاید میں تجھ کو پہچانتا ہوں کیا تو کوڑھی نہ تھا کہ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے ؟ کیا تو مفلس نہیں تھا؟ پھر تجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مال عنایت فرمایا اس نے کہا واہ! کیا خوب! یہ مال تو کئی پشتوں سے باپ دادا کے وقت سے چلا آتا ہے فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ویسا ہی کر دے جیسے پہلے تھا پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی صورت میں آیا اور اسی طرح اس سے بھی سوال کیا اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا فرشتہ نے جواب دیا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ویسا ہی کرے جس طرح پہلے تھا پھر اندھے کے پاس اسی پہلی صورت میں آیا اور کہا میں مسافر ہوں بے سامان ہو گیا ہوں آج اللہ کے سوا اور تیرے سوا کوئی ذریعہ میرے مکان تک پہنچنے کا نہیں ہے میں اس کے نام پر جس نے دوبارہ تمہیں بینائی بخشی ہے تجھ سے ایک بکری مانگتا ہوں کہ اس سے اپنی کاروائی کر کے سفر پورا کروں اس نے کہا بیشک میں اندھا تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرام سے مجھ کو بینائی عنایت فرمائی جتنا تیرا دل چاہے لے جا اور جتنا چاہے چھوڑ جا واللہ میں تجھ کو کسی چیز سے منع نہیں کرتا فرشتہ نے کہا تو اپنا مال اپنے پاس رکھ مجھ کو کچھ نہ چاہیے مجھے تو فقط تم تینوں کی آزمائش منظور تھی سو ہو چکی اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوا اور ان دونوں سے ناراض۔[1]

حدیث میں ایک شخص کے متعلق ہے کہ لوگوں کے قرض معاف کرتا تھا اور کہا کرتا تھا:

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث: 3464

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«تجَاوَزُوا عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ»[1]

"اسے معاف کردو شاید اللہ ہمیں معاف کردے چنانچہ اللہ نے اسے معاف کردیا۔"

جب قرآن مجید کی آیت:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾[2]

نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا باغ اللہ کے لیے وقف کردیا۔[3]

عہد نبوی میں فلاحی سرگرمیوں کا طائرانہ جائزہ:

1۔ آپ ﷺ کی تعلیمی سرگرمیاں:

قوموں کو اس وقت عروج حاصل ہوتا ہے جب علم میں ان کا مقام بلند ہوتا ہے۔ علم کی قدر و منزلت کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے مسلمان کو علم کی طرف راغب کیا اور آنحضور ﷺ کے کئی ارشادات ہیں جن سے علم کی اہمیت روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»[4]

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

مسلمان پر علم فرض قرار دیا تاکہ ایک مسلم دنیا کے رائج علوم میں ماہر ہو کر اپنی دنیوی اور اخروی ہر دو زندگی کو آسان بنا سکے اور اپنے ملک اور قوم کی فلاح و کامیابی کے متعلق سوچے۔

اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے پر مسلمان کی حوصلہ افزائی یوں فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾[5]

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب من انظر معسرا، رقم الحدیث: 2078

(2) آل عمران 3: 92

(3) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، 1491ھ، 1/506

(4) قزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب افتتاح الکتاب، باب فضل العلماء والحث علی طالب العلم، دار احیاء الکتب العربیہ، فیصل عیسی البابی الحلبی، س۔ن، رقم الحدیث: 224

(5) فاطر 35: 28

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔"

پھر قرآن مجید مزید اہمیت علم کو عالم کو غیر عالم پر فضیلت کے انداز میں بیان کرتا ہے:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[(1)]

"کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ مگر ان باتوں سے سبق تو وہی حاصل کرتے ہیں جو اہل عقل و خرد ہوں۔"

سیدنا صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں علم حاصل کرنے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًى بِمَا يَصْنَعُ»[(2)]

"بے شک علم حاصل کرنے والے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اس چیز سے خوش ہو کر جو وہ کرتا ہے۔"

آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يا زيد، تعلَّمْ لَهُ كتابَ يهودَ قالَ إنِّي واللَّهِ ما آمَنُ يهودَ على كتابي»[(3)]

"اے زید! یہود کی کتابت سیکھ لو اللہ کی قسم میں اپنے خطوط کے بارے میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں۔"

اصحاب صفہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا تعلق بھی علم و عمل کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ مسجد نبوی میں دو مجالس میں سے علمی مجلس کو آپ کا پسند کرنا بھی اہمیت علم کو واضح کرتا ہے۔ دونوں کی تعریف فرمائی ذکر والی اور علم والی لیکن خود علمی مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔[(4)]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(1) الزمر 39:9

(2) حاکم، محمد بن عبد اللہ، مستدرک حاکم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، 1990ء، 1/100

(3) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب ترجمۃ الاحکام، وھل یجوز ترجمان واحد، رقم الحدیث: 7195

(4) الہاشمی، ڈاکٹر محمد علی، اسلامی طرز زندگی، دار الاندلس، لاہور، س۔ن، ص: 88

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"میرے رب نے مجھے بہترین علم سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔"(1)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن صحابہ سے علم حاصل کرتے ان کا بہت احترام کرتے، ایک دفعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب کو تھام لیا انہوں نے فرمایا اے ابن عم رسول کیا کرتے ہو؟ تو فرمایا ہمیں ایسے علماء و کبراء سے اس طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(2)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"علم حاصل کرو اور اس کے لیے سکون و وقار بھی سیکھو اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو ان کا احترام کرو اور متکبر علماء میں سے نہ بن جاؤ۔"(3)

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں نے امام مالک سے ادب سے افضل علم حاصل نہیں کیا۔"(4)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو حدیث طلب کرے اس کے لیے وقار، سکون اور خشیت کا ہونا لازمی ہے۔ اور پہلے لوگوں کے آثار کی اتباع کرو۔" (5)

صفہ کے علاوہ مختلف مقامات پر آپ ﷺ نے تعلیمی مراکز قائم فرمائے تا کہ لوگ علم حاصل کریں۔ صفہ گویا اسلام کی پہلی اقامتی یونیورسٹی تھی۔

2۔شفاخانوں کا قیام:

اسلام سے قبل عرب میں علاج کرانا ایک لحاظ سے ہر شخص کا ذاتی یا زیادہ سے زیادہ خاندانی مسئلہ تھا۔ جسے طاقت اور وسائل کے مطابق حل کیا جاتا تھا۔ شفاخانوں یا ہسپتالوں کا وجود نہیں تھا۔ لیکن اسلام کی آمد کے بعد شفاخانوں کی بنیاد پڑ گئی۔ صحابیہ حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبوی کے پاس ایک خیمہ لگا رکھا تھا جس میں وہ محض ثواب کی

(1) الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ص:182

(2) ظفر، عبد الرؤف، ڈاکٹر، علوم الحدیث، قدوسیہ اسلامک پریس، لاہور، س۔ن، ص:142

(3) قرطبی، یوسف بن عبد اللہ، جامع بیان العلم، سعودی عرب، دار ابن الجوزی، طبع اول، 1994ء، 1/151

(4) ابن عبد البر، جامع بیان العلم، 1/153

(5) ایضاً، 2/14

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاطر جنگ میں زخمی ہونے والے ان افراد کی مرہم پٹی اور علاج کرتی تھی۔ جن کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم سے کہا کہ وہ انہیں اس خیمہ میں رکھیں تا کہ وہ قریب رہیں اور عیادت کرنے میں آپ ﷺ کو آسانی ہو۔[1]

3۔مساجد کی تعمیر:

مساجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کی تعمیر براہ راست عبادت میں تعاون ہے۔ لیکن دور اول میں مساجد عبادت کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی اور سیاسی مراکز کی بھی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی یہ حیثیت اب بہت کچھ بدل چکی ہے۔ اس لیے رفاہی خدمات کے ذیل میں ان کا ذکر ضرور کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ بَنَى مَسْجِدًا وَجْهَ اللَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ» [2]

"جس کسی نے اللہ کی رضا کی طلب میں کوئی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس طرح کا گھر جنت میں بنائے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر مسجد بہت کار ثواب ہے۔

مسجد ایک بہت بڑا رفاہی ادارہ ہے۔ جس میں مسلمانوں کی عبادات و ملاقات سے لے کر معاملات کے فیصلے تک کیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب کبھی سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، لوگوں سے ملتے ان کے حالات معلوم کرتے بعض فیصلے کرتے اور بعد ازاں گھر تشریف لے جاتے۔ مسجد کو ہر جگہ تعلیمی مرکز کی حیثیت ہونی چاہیے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مسجد نبوی میں صفہ ایک ایسا ادارہ تھا جہاں خوراک اور لباس سے غریبوں کی مالی اعانت کی جاتی تھی۔ یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ مغربی ممالک میں مساجد اخلاقی اداروں کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ عبادت، تعلیم و تعلم اور شادی بیاہ جیسے فنکشنز وہاں سرانجام پاتے ہیں۔

4۔سرائے اور قیام گاہیں تعمیر کرنا:

رفاہی خدمات میں سے ہوٹلوں اور مسافر خانوں کی تعمیر ہے۔ جہاں مسافروں کو بہتر سہولتیں حاصل ہوں۔

(1) ابن ہشام، سیرۃ النبی ﷺ، 258/3

(2) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب من بنی مسجد، رقم الحدیث: 450

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دیس سے دوری کیوجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔ جس سے اس کا اجر و ثواب اور فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ»[1]

"مومن کے مرنے کے بعد بھی جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے ان میں سے چند اعمال یہ ہیں علم جو لوگوں کو سکھا کر پھیلایا (اس میں تدریس، وعظ، تصنیف وافتاء وغیرہ سب داخل ہیں) اور جو صالح اولاد چھوڑی اور قرآن کریم (مصحف) جو میراث میں چھوڑا یا کوئی مسجد بنائی یا مسافر خانہ بنایا یا کوئی نہر جاری کی یا جیتے جاگتے صحت و تندرستی میں اپنی کمائی سے کچھ صدقہ کر دیا ان سب کا اجر اسے مرنے کے بعد ملتا رہے گا۔"

اس حدیث میں رفاہ عامہ کے بعض خاص کاموں کا ذکر ہے۔ اور انہیں صدقات جاریہ کہا گیا ہے۔ ان میں مسافروں کے لیے مکان اور سرائے کی تعمیر بھی ہے۔ ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ»[2]

"جب انسان انتقال کر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین کے صدقہ جاریہ، یا وہ علم جو اس کو فائدہ دے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا گو ہو۔"

5۔ کنویں کھدوانا:

پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ آج کے ترقی دور میں بھی صاف پانی کی فراہمی اور ضرورت کے مطابق فراہمی کا بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس کی طرف جس طرح توجہ دلائی ہے۔ اس کا اندازہ اوپر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے جس میں بندگان خدا کے لیے نہر کی تعمیر کو صدقہ جاریہ کہا گیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے چاہا کہ ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کریں

(1) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب افتتاح الصلاۃ، باب ثواب معلم الناس الخیر، رقم الحدیث: 242

(2) ترمذی، سنن ترمذی، ابواب الاحکام، باب فی الوقف، رقم الحدیث: 1376

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ سب سے اچھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کنواں کھدوانا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ماں کے نام سے کنواں کھدوایا۔(1)

6۔فلاح انسانیت کے دیگر امور:

i۔ذرائع آمدورفت کی

کسی قوم یاملک کی ترقی میں آمد و رفت کے ذرائع کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، جہاں راستے صاف ستھرے اور محفوظ ومامون ہوں۔ سفر کی دشواریاں کم سے کم تر ہوں اور زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور آسانیاں پائی جائیں۔ وہاں ترقی کے مواقع بھی اسی تناسب سے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ پُرخطر راستوں کو سفر کے قابل بنایا جاتا ہے۔ سفر کو حادثات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مسافر کو سہولت اور آرام پہنچایا جاتا ہے۔

اسلام نے رفاہی خدمات کی ذمہ داری ریاست کے افراد پر ڈالی ہے اور ان افراد کو کہا گیا ہے کہ وہ راستوں کو صاف رکھیں اور ان پر جو رکاوٹیں ہوں انہیں دور کریں۔

اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت معروف ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ»(2)

"ایمان کی کچھ اوپر ستر یا کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں سب سے بڑھ کر لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا قول ہے اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کو راستہ سے دور کر دینا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے تاکید کی کہ وہ راستے کو اس کا حق دیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا راستے کا حق کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ»(3)

"آنکھوں کو نیچے رکھنا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی

(1) ابوداؤد، سنن ابی داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب فی الرخصۃ فی ذلک، رقم الحدیث : 1681

(2) مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب شعب الایمان، رقم الحدیث : 58 (35)

(3) مسلم، الصحیح، کتاب السلام، باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام، رقم الحدیث : 3(2161)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے روکنا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ، فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ، كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ»[1]

"میں نے ایک شخص کو جنت میں پھرتا دیکھا اس وجہ سے کہ اس نے راستہ میں موجود ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔"

ii۔ درخت لگانا:

فلاح انسانیت میں سے لوگوں کے گزرنے میں آسانی پیدا کرنا بھی شامل ہے۔ گرمیوں میں سایہ کی سہولت درخت لگا کر مہیا کرنا، ماحول کو آلودہ ہونے سے بچانے کے لیے راستے کے کناروں پر درختوں کا لگانا بھی خلق خدا کی بھلائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ»[2]

"مسلمان جو بھی میوہ دار درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے، آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں اس کا ثواب اس کو ملتا ہے۔"

یہ صدقہ جاریہ ہی کی ایک صورت ہے جب انسان مرتا ہے تو اس کے لگائے ہوئے درخت سے لوگ منتفع ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ»[3]

(1) مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب النہی عن الاشارۃ بالسلاح الی مسلم، رقم الحدیث: 129(1914)

(2) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المزارعۃ، باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ، رقم الحدیث: 2320

(3) جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب فی الوقف، رقم الحدیث: 1376

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں البتہ تین عمل (باقی رہتے ہیں) صدقہ جاریہ علم کہ اس سے نفع ہو رہا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔"

حضرت سعید بن ابی بردۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے عرض کیا گیا اگر یہ نہ ہو سکے تو کیا حکم ہے ؟ فرمایا اپنے ہاتھوں سے کمائے اور اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، عرض کیا اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے ؟ فرمایا ضرورت مند مصیبت زدہ کی مدد کرے، آپ سے عرض کیا گیا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو آپ (ﷺ) نے فرمایا نیکی کا حکم کرے اور یہ بھی نہ کر سکے تو آپ (ﷺ) کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا برائی سے رک جائے اس کے لئے یہ بھی صدقہ ہے۔"[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خیرات کرنے میں جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگے بڑھنے نہیں پاتی۔"[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[3]

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظالم کے حوالہ کرے، (کہ اس پر ظلم کرے) اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو شخص مسلمان سے اس کی مصیبت کو دور کرے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتیں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی، تو اللہ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا۔"

(1) مسلم، الصحیح، رقم الحدیث: 2333

(2) مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: 1887

(3) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغصب، باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ، رقم الحدیث: 2442

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

iii۔اپنی پسند مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ، حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(1)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ ایماندار نہیں بن سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

iv۔لڑائی جھگڑا کی صورت میں قطع تعلقی کی مدت:

حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا&

«لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ، یَلْتَقِیَانِ: فَیُعْرِضُ هَذَا وَیُعْرِضُ هَذَا، وَخَیْرُهُمَا الَّذِی یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»(2)

'' یہ بات کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔اس طرح کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر منہ پھیر لے اور وہ ادھر منہ پھیر لے۔سنو!ان دونوں میں اچھاوہ ہے جو پہلے سلام کرے۔''

v۔اکرام مومن:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا أَطْیَبَكِ وَأَطْیَبَ رِیحَكِ، مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ، لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكِ»(3)

''اے کعبہ تو کتنا پاک ہے اور تیری کیا عمدہ خوشبو ہے اور تیری کتنی عزت اور حرمت ہے۔قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے مومن کی عزت اللہ کے نزدیک تجھ سے کہیں بڑھ کر ہے۔''

(1) بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب الاخیہ ما یحب لنفسہ، رقم الحدیث : 13

(2) بخاری، کتاب الادب، باب الھجرۃ، رقم الحدیث : 6077

(3) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المؤمن ومالہ، رقم الحدیث:3932

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

vi۔ غیر مسلموں سے تعاون:

انسانوں کی خدمت اوران کی فلاح وبہبود کے کام میں غیر مسلم تنظیموں اور اداروں کے ساتھ تعاون میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اس سلسلہ میں قرآن مجید نے یہ اصولی تعلیم دی ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

"نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔"

vii۔ ریاست سے تعاون:

خدمت خلق کا سب سے بڑا ادارہ ریاست ہے۔ افراد اور تنظیمیں ہزار طاقت ور سہی لیکن ان کی طاقت بہر حال محدود ہوتی ہے۔ ان کو اتنے وسائل و ذرائع حاصل نہیں ہوتے کہ ہر پہلو سے معاشرے کی خدمت کر سکیں اور اس کی تمام مشکلات کو حل کر دیں۔ ریاست غیر معمولی وسائل و ذرائع کی مالک ہوتی ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کر سکتی ہے۔ اس لیے ایک فلاحی ریاست کی یہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ پورے معاشر کی تعمیر اس ڈھنگ سے کرے کہ کوئی بھی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور اسے وہ تمام سہولتیں اور مواقع حاصل ہوں جو اس کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ریاست اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کرے تو اس کا وجود بے معنی ہے لیکن ریاست اتنی بڑی ذمہ داری سے اسی وقت سبک دوش ہو سکتی ہے جبکہ افراد اس سے تعاون کریں۔ محض ریاست کی کوشش سے معاشرہ غربت، افلاس، جہالت، بے روزگاری جیسی مصیبتوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر فرد میں معاشرہ کو پستی سے نکالنے اور اوپر اٹھانے کا جذبہ پایا جائے۔ ریاست اور افراد کے اشتراک و تعاون ہی سے خدمت خلق کا حق ادا ہو سکتا ہے اس کے بغیر یہ کام ہمیشہ ادھورا اور ناقص ہی رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا»[2]

"جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے اور جس نے قرض چھوڑا وہ ہم پر ہے۔"

[1] المائدہ5: 2

[2] مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثتہ، رقم الحدیث: 4161

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احتساب کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کی انتظامی تدابیر و نگرانی:

جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک غلہ کے ڈھیر میں دست مبارک ڈالا وہ گیلا تھا۔ غلہ والے سے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا بارش کا پانی پہنچ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تا کہ لوگ اس کو دیکھ لیں (کہ وہ بھیگا ہے) نیز فرمایا:

«مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا» (1)

''جو شخص دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے نگران مقرر فرما دیے تھے کہ جو شخص شہر سے باہر ہی (سوار) غلہ (اور دیگر اشیاء) کو فروخت کرے اس کو روکیں اور تاکید کریں کہ وہ بازار میں لا کر بیچے، اسی طرح بغیر ناپ و تول کے اندازہ کر کے غلہ فروخت کرنے کی بھی ممانعت فرمائی تھی اور حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو مکہ کے بازاروں کا عامل بنایا تھا۔ (2) آپ ﷺ نے دھوکہ دہی کی تمام صورتوں کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا:

«نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ» (3)

''رسول اللہ ﷺ نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا۔''

سیرت طیبہ کی روشنی میں فلاح انسانیت کے لیے مالی تعاون:

اسلام نے فلاح انسانی کے ضمن میں ایک دوسرے کی مالی معاونت کا بھی بہت خیال رکھا ہے جیسا کہ دوسروں کی مدد کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر حکم الٰہی صادر ہوا:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (4)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو کہ جو زائد از ضرورت ہو۔''

پھر اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں ایک دوسرے کی مالی اعانت کرنے کی بہت تاکید کی۔ زکوٰۃ کے مصارف کے متعلق فرمان الٰہی ہے:

(1) ترمذی، سنن ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ الغش فی البیوع، رقم الحدیث: 1315

(2) کتانی، عبد الحئ، دور نبوی کا نظام حکومت، ادارہ القرآن والعلوم، کراچی، 1991ء، ص:148

(3) ترمذی، سنن ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع الغرر، رقم الحدیث: 1230

(4) البقرہ2: 219

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾[1]

"صدقات تو دراصل فقیروں مسکینوں اور ان کارندوں کے لئے ہیں جو ان (کی وصولی) پر مقرر ہیں۔ نیز تالیف قلب غلام آزاد کرانے قرضداروں کے قرض اتارنے، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لئے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

پھر اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾[2]

"اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محتاج کا حق ہے۔"

قرآن مجید نے زکوٰۃ اغنیاء کے مال کو پاک کرنے کا ذریعہ بیان فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾[3]

"اے نبی ﷺ تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ»[4]

"زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء کو دی جاتی ہے۔"

فلاح معاشرہ کے لیے دولت کی تقسیم کا طریق کار:

سیرت طیبہ کی روشنی میں فلاح معاشرہ کی خاطر دولت کی بھی ایک منصفانہ تقسیم کی گئی ہے اور اس منصفانہ تقسیم کے تحت دولت کسی خاص طبقہ یا چند طبقوں میں ہی سمٹ کر نہیں رہ جاتی بلکہ وہ اجتماعی مفاد اور اجتماعی عدل کے عملی مقاصد پورے کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1) التوبہ 9: 60

(2) الذاریات 51: 19

(3) التوبہ 9: 103

(4) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ، رقم الحدیث: 4347

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ﴾[1]

"دولت تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے۔"

اسلامی معاشرے میں چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

1۔اس میں سودی نظام کو ختم کیا جائے۔

2۔ نظام زکوٰۃ کا حقیقی نفاذ کیا جائے پھر زکوٰۃ کے علاوہ دیگر محاصل کی آمدن کے علاوہ اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں میں مزید محاصل عائد کرنے کا بھی اختیار ہے تاکہ فلاح انسانی کے طور پر کام میں آسکیں، تمام علماء نے ان زائد ٹیکسوں کے نفاذ کے چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔

1۔لوگوں کی ضرورت سے زائد ٹیکس نہ ہو۔

2۔ایسا ٹیکس نہ لگایا جائے جو ٹیکس دہندہ کے لیے بظاہر ناقابل برداشت ہو۔

3۔جو محاصل وصول کیے جائیں ان کے خرچ کرنے میں اسراف اور بددیانتی کی جائے۔

4۔بڑے بڑے بیوروکریٹس اور سربراہ مملکت حکومتی اخراجات کم کر کے غریبوں پر رحم وشفقت والا معاملہ کریں۔

5۔اسلام کے نظام وراثت کو نافذ کیا جائے۔ خصوصاً عورتوں کو بطور ماں، بہن اور بیٹی اس کا حق دیا جائے۔[2]

محدث کبیر امام ابن حزم "المحلی" میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں یا جن کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غذا ہے وہ ان لوگوں کو لوٹا دے جن کے پاس غذا نہیں ہے۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زائد چیز رکھنے والے کا حق نہیں ہے بلکہ یہ اس کے لیے ہے جس کو حق دار سمجھ کر دے دی جائے۔

فقراء کی محبت اور ان کی معاشی کفالت:

محسن انسانیت ﷺ نے اس طبقہ کو اس کا صحیح مقام اس طرح دیا ہے:

(1) الحشر 59: 7

(2) غزنوی، ابو بکر، مولانا، قربت کی راہیں، مکتبہ غزنویہ، لاہور، طبع اول، 1977ء، ص:83

(3) اندلسی، علی بن احمد، المحلی بالآثار، دار الفکر، بیروت، س۔ن، 6/157

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؟»[1]

"تمہاری مدد اور تمہارے رزق کا سبب صرف تمہارے کمزور بھائی ہیں۔"

پھر اسی طرح دوسری جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«ابْغُونِي فِي ضُعَفَائِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ أَوْ تُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ»[2]

"حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کمزوروں کے بارے میں میرا دل خوش کرو۔ تمہیں زرق یا مدد تمہارے کمزوروں کے سبب ملتی ہے۔"

فلاح معاشرہ کے سلسلے میں چند تجاویز:

1۔ غرباء اور بے روزگار لوگوں کے لیے ایسی طعام گاہیں قائم کی جائیں جن سے ان کی خوراک کا انتظام ہو سکے۔ تاکہ وہ خودکشی جیسے گھناؤنے فعل سے بچ سکیں۔ جیسا کہ دمشق میں تکیہ سلطان سلیم اور تکیہ شیخ محی الدین کی طعام گاہوں کے نمونے ملتے ہیں اسی طرح مغربی ممالک میں سوشل سیکورٹی کی سہولت ہے۔

2۔ ناداروں، مسکینوں کے لیے مکانات تعمیر کرنے چاہیں جن کے پاس اتنی طاقت ہی نہیں کہ وہ اپنے مکانات تعمیر کر سکیں یا کرایہ پر لے سکیں۔

3۔ راستوں میں عام لوگوں کے پانی پینے کے لیے رفاہ عامہ کے تحت صاف پانی پینے کا انتظام ہونا چاہیے۔

4۔ پہاڑی علاقوں میں غرباء وعوام کے لیے بھی پانی کے استعمال کا مناسب انتظام ہونا چاہیے۔

5۔ غریب لڑکوں لڑکیوں کی شادیوں کا انتظام بھی رفاہ عامہ کے تحت ہو تو فلاح معاشرہ کی ایک اچھی کڑی ہے۔

6۔ غریب طالب علموں کی مالی اعانت رفاہ عام کے تحت بھی ہونی چاہیے۔ بلکہ یہ کام گورنمنٹ اپنے سپرد لے۔ سویڈن اور جرمنی میں اسی وجہ سے تعلیمی نظام کافی بہتر ہے اور لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ وہاں پرائمری سے پی ایچ ڈی تک تعلیم مفت ہے۔ ہمارے ہاں بھی ایسا نظام ہو جائے کہ غریب گھرانوں کے وہ طالب علم جو پڑھائی میں بہت اچھے ہیں ان کی تعلیم میں مدد ہو۔

7۔ اسی طرح جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان کی رفاہ عامہ کے تحت بھی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ معاشرے کی

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، رقم الحدیث: 2896

[2] خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: 5246

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حد تک ہی نہیں بلکہ گورنمنٹ لیول پر بھی ان کو Appreciate کرنا چاہیے۔

8۔ رفاہ عامہ کے تحت ہسپتال کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے تا کہ غریب لوگوں کو علاج معالجے کی سہولت میسر ہو۔

9۔ اسی طرح دینی تعلیم کا نظام بھی رفاہ عامہ کے تحت بہتر طور پر سرانجام دینا چاہیے طلباء و علماء دین کی ضرورتوں کی بھی مد نظر رکھا جائے۔ اور معاشرے میں انہیں شرف و تفضل ہونا چاہیے۔

مذکورہ تمام تجاویز کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی بنیادی ضرورتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ جسے حکومت کو پورا کرنا چاہیے۔

1۔ رہائش 2۔ لباس وخوراک 3۔ تعلیم

4۔ روزگار 5۔ حادثات سے بچاؤ کا انتظام

10۔ (Housing Societies) میں مکانات کی تعمیر اور Financing کے عمل کو آسان بنانا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماجی استحکام کیلئے خواتین کی تعلیم و تربیت (تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں)

رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہمارے لیے بہترین اسوہ حسنہ ہے آپ ﷺ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا اور انہیں دوسروں تک پہنچانا جہاں مرد حضرات کا خاصہ رہا ہے وہاں خواتین نے بھی اس میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اس کے ساتھ اسلام نے نیکی اور تقویٰ میں جو معیار مرد کیلئے مقرر کیا ہے وہی عورت کے لیے مقرر کیا ہے اس حیثیت سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[1]

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔"

کسی بھی معاشرہ میں خواتین کے کردار اور مقام و مرتبہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قبل از اسلام خواتین کے ساتھ مناسب رویہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۞ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾[2]

"اور جب زندہ دفن ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی۔"

اگرچہ خواتین کی تعلیم کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے لیکن عصر حاضر میں عورت کی تعلیم کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ نسل نو کی تعلیم و تربیت پر عورت کی تعلیم کا انحصار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرد پڑھا فرد پڑھا۔ عورت پڑھی نسل پڑھی۔ رسول اکرم ﷺ نے علم کے حصول کو مرد و عورت پر یکساں طور پر فرض قرار دیا۔ اس معاملے میں خواتین کو کمتر اور کم عقل نہیں سمجھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»[3]

(1) النحل 16: 98

(2) التکویر 81: 8-9

(3) ابن ماجہ، کتاب، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث: 224؛ المعجم الکبیر للطبرانی، 10/ 10439۔ قال الالبانی، صحیح۔ اس حدیث کو حسن قرار دیتے ہوئے امام سخاویؒ لکھتے ہیں: "قد ألحق بعض المصنفين بآخر هذا الحديث "ومسلمة" وليس لها ذكر في شيء من طرقه وإن كان معناها صحيح" (المقاصد الحسنہ از امام سخاوی، ص: 277

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

یہاں ''مسلم'' سے مراد مسلمان مرد اور عورت دونوں ہیں چونکہ اس سے پہلے لفظ کُل آیا ہے لہٰذا کوئی مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

تعلیم اور دین سے واقفیت پر مسلمان کی زندگی کا دارومدار ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم سے کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ عورتوں کی تعلیم کی طرف تو آپ کی خصوصی توجہ تھی حتی کہ بیعت اسلام کے وقت جو شرائط بیان کی جاتی تھی وہ ایک طرح کی تعلیم تھی۔ سورۃ الممتحنہ میں بیعت کے اصولوں کا ذکر ملتا ہے۔ عورتوں سے بیعت لیتے وقت آپ جو عہد لیتے تھے یوں بیان ہوا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[1]

'' اے نبی (ﷺ) جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی، اور کسی امر معرف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ در گز فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

دور جاہلیت میں عموماً لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دی جاتی تھی لہٰذا اس خیال کی تردید کرتے ہوئے آپ نے بطور خاص والدین کو ارشاد فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَأَطْعَمَهُنَّ، وَسَقَاهُنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[2]

آپ ﷺ خواتین کی تعلیم کیلئے اس قدر حساس تھے کہ وہ خواتین جو کنیز تھیں انہیں بھی تعلیم دینے کی ہدایت کی۔

(1) الممتحنہ 60: 12

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدین و الاحسان الی البنات، رقم الحدیث: 3669

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"من كانت له جارة فعلمها"[1]

"اگر کسی کے پاس لونڈی ہو تو بھی تعلیم دے۔"

نبی کریم ﷺ نے لونڈیوں کی آزادی اور ان کی شادی سے پہلے انہیں تعلیم دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم کو کس قدر اہمیت دی گئی تھی عہد نبوی ﷺ میں کئی ایسی ترغیبات رائج کی گئی تھیں تاکہ خواتین بھی تعلیم کے شعبہ میں نمایاں مقام حاصل کر سکیں اس نوعیت کی ترغیبات پر مبنی ایک سکیم یہ بھی رائج رہی کہ وہ شوہر جو اپنی بیویوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں انہیں مہر کی ادائیگی سے مبرا قرار دیا جاتا تھا گویا عورت کی تعلیم دلادی گئی تو یہ عمل اس کے حق مہر کی ادائیگی کے متبادل سمجھا گیا۔[2]

اسلام میں خواتین کو جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ بالحاظ نتائج دیگر اقدام اور مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ مسلم خواتین نے قرون اولیٰ میں ہر میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے خواہ وہ میدان علمی ہوں یا معاشی ہوں یا جہاد کے میدان انہوں نے ہر میدان کو فتح کیا۔ خصوصاً علمی سرگرمیاں ان خواتین کا محبوب مشغلہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس انداز میں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا تھا کہ وہ اسلامی علوم قراءت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیات کمال رکھتیں تھیں۔ سیدہ عائشہؓ، سیدہ حفصہ، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سیدہ ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ ہند بنت اسید، ام ہشام بنت حارثہ، ام سعد بن سعد ابن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنھن بعض حصوں کی حافظہ تھیں۔ ام سعد قرآن مجید کا درس دیتی تھیں۔[3]

علم حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور سیدہ عائشہ، ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں سیدہ عائشہ کی روایات 2210 اور ام سلمہ نے 378 احادیث کو روایت کیا ہے ان کے علاوہ ام عطیہ، اسماء بنت ابو بکر، ام ہانی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنھن بھی کثیر الروایۃ تھیں۔[4]

ہندوؤں میں ویدوں کی تعلیم کا دروازہ عورت کے لیے بند تھا۔ بدھ مت میں عورت سے تعلق رکھنے والے کیلئے نروان کی کوئی صورت نہ تھی یہودیت کے نزدیک تمام گناہوں کی ذمہ دار عورت ہے۔ روم، ایران، چین، مصر،

(1) صحیح بخاری، کتاب العتق، باب فضل من ادب جاریتہ، رقم الحدیث 2544

(2) محمد یاسین، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، غضنفر اکیڈمی، کراچی، 1995ء، ص:185

(3) اسعد الغابہ، 786/5

(4) طبقات ابن سعد، 126/2

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونان تہذیب انسان کی ان قدروں سے دور تھے۔

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص نے کنیز کو اچھی تعلیم وتربیت سے سنوارا پھر آزاد کر کے اپنی زوجہ بنالیا اسے دوہرا اجر ہے۔"[1]

«ثَلاَثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الكِتَابِ، آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالعَبْدُ المَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ»[2]

تعلیم وتربیت اور آزادی دونوں کو الگ الگ ثواب کی حیثیت عطا کر کے آپ ﷺ نے اس دور کے معاشرے میں سب سے کم حیثیت رکھنے والی خواتین کو تعلیم کے حق کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کی۔ عام خواتین کے حصول علم پر ابھارنے کیلئے انصار کی خواتین کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

«نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ»[3]

رسول کریم ﷺ نے تعلیم میں عورت کا خاص لحاظ رکھا وہ رسول اللہ ﷺ کے خطبات سے تھیں بنت حارثہ کہتی ہیں:

«مَا حَفِظْتُ ق، إِلَّا مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَخْطُبُ بِهَا كُلَّ جُمُعَةٍ»[4]

"میں نے سورۃ ق صرف رسول اللہ ﷺ کی زبانی یاد کی ہے وہ ہر جمعہ اس سے خطبہ دیتے تھے۔"

ابن سعد نے طبقات میں خولہ بنت القیس الجہینہ کا قول یوں نقل کیا ہے:

"كُنْتُ أَسْمَعُ خِطْبَةَ رَسُولِ اللَّهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَأَنَا فِي مُؤَخَّرِ النِّسَاءِ"[5]

"میں جمعہ کے روز رسول اکرم ﷺ کا خطبہ سنتی تھی اور میں عورتوں کے آخر میں ہوتی تھی۔"

رسول اکرم ﷺ کو عورتوں کی تعلیم کا اس قدر خیال تھا کہ کئی مرتبہ نماز کے بعد عورتوں کی جانب تشریف

(1) ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، 123
(2) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امتہ واهله، رقم الحدیث:97
(3) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم، رقم الحدیث:130
(4) صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ، رقم الحدیث، 2014؛ ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث:1100
(5) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 8/217-229

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لے جاتے اور پھر ان کو دین کی باتیں سناتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ ابن عباس کی روایت بیان کی ہے اس سے آپ ﷺ کا خواتین کے لیے تعلیم کے اہتمام کا پتا چلتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعْ النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتْ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ»[1]

"ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) عید کے موقعہ پر جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی صف سے گذر کر عورتوں کی صفوں میں پہنچے (اس وقت) آپ کے ہمراہ بلال رضی اللہ عنہ تھے آپ نے یہ گمان کیا کہ (شاید) عورتوں نے خطبہ نہیں سنا تو آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ (دینے) کا حکم دیا، پس کوئی عورت بالی اور انگوٹھی ڈالنے لگی (کوئی کچھ) اور بلال اپنے کپڑے کے کنارے میں لینے لگے۔"

رسول اکرم ﷺ کی اس توجہ کے نتیجے میں خواتین کے اندر حصول تعلیم وتربیت کا جو احساس پیدا ہوا اس کی شہادت صحیح بخاری کی کتاب العلم کی اس روایت سے ملتی ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ: «مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا، إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ» فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَتَيْنِ؟ فَقَالَ: «وَاثْنَتَيْنِ»[2]

"سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ عورتوں نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ (آپ سے فائدہ اٹھانے میں) مرد ہم سے بڑھ گئے ہیں آپ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی دن مقرر فرما دیجئے، تو آپ نے ان سے کسی دن کا وعدہ کر لیا، اس دن آپ ان سے ملے اور انہیں نصیحت فرمائی اور (ان کے مناسب حال عبادت کا) انہیں حکم دیا منجملہ اس کے جو آپ نے (ان سے) فرمایا یہ تھا کہ تم میں سے جو عورت اپنے تین لڑکے آگے بھیج دے گی (اس کے تین لڑکے اس کے سامنے مر جائیں گے) تو وہ اس کے لئے (دوزخ کی) آگ سے حجاب ہو جائیں گے، ایک عورت بولی

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب عظة الامام النساء، رقم الحدیث:98

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب هل يجوز يجعل للنساء يوم على حده، رقم الحديث:101

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور (اگر کوئی) دو (لڑکے آگے بھیجے) تو آپ نے فرمایا اور دو (کا بھی یہی حکم ہے)۔"

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تعلیم نسواں کی اتنی اہمیت تھی کہ اگر آپ ﷺ خواتین کی طرف خود نہ جاسکتے تو کسی نمائندہ کو بھیج دیتے آپ اس اہم امر سے غافل نہیں رہے۔ آپ کے نزدیک معاشرے کے استحکام میں عورت کی تعلیم و تربیت کو بڑا دخل تھا۔ چنانچہ ابو داوٗد کی کتاب الصلوٰۃ میں ام عطیہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ایک روایت موجود ہے جس میں انصار کی عورتوں کو مدینہ میں جمع کیا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وعظ و تعلیم کے لیے بھیجا۔

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں:

«أَمَرَنَا تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُخْرِجَ فِي الْعِيدَيْنِ، الْعَوَاتِقَ، وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، وَأَمَرَ الْحُيَّضَ أَنْ يَعْتَزِلْنَ مُصَلَّى الْمُسْلِمِينَ» (1)

امام قرطبی نے سورۃ نور کی تفسیر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"علموا نسائکم سورۃ النور" (2)

"اپنی عورتوں کو سورۃ نور سکھاؤ۔"

اس لیے بھی اس میں وہ تمام احکامات شامل ہیں جنہیں خواتین کے لیے جاننا انتہائی ضروری ہے۔ جیسے آداب معاشرت، احکام پردہ وحجاب وغیرہ۔ مکہ میں اسلام کی مخالفت اور مخصوص حالات کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ کو ایسا موقع نہ ملا کہ خواتین کی تعلیم و تربیت پر توجہ مرکوز کر سکیں تاہم جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں کی خواتین نے مکے کی خواتین کے برعکس آپ ﷺ سے براہ راست رجوع کیا اور حصول علم کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے خواتین انصار کے اس جذبہ کو سراہا آپ ﷺ نے فرمایا:

«نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ» (3)

"انصار کی عورتیں بہترین عورتیں تھیں کہ حیاء ان کے فہم دین حاصل کرنے میں حائل نہیں ہوئی۔"

رسول کریم ﷺ کی انہی ترغیبات کا نتیجہ تھا کہ اس مبارک عہد کی خواتین حصول علم کے میدان میں

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب ذکر اباحۃ خروج النساء، رقم الحدیث:2054

(2) القرطبی، ابوعبداللہ بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرآن، 1941ء، 106/6

(3) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم، رقم الحدیث:130

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مردوں کے شانہ بشانہ نظر آتی ہیں۔ خواتین بھی مسجد نبوی ﷺ میں آکر تعلیم حاصل کرتیں اس غرض کے لیے مسجد میں خواتین کی آمد و رفت کے لیے ایک دروازہ مخصوص کر دیا گیا ہے جو ابھی تک باب جبرئیل کے ساتھ باب النساء کے نام سے موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن خواتین کی تعلیم و تربیت کیلئے مقرر کر دیا تھا۔[1]

ازواج مطہرات، خواتین کے علم کا بڑا ذریعہ تھیں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کا علمی مقام تو ایک مسلم حقیقت ہے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں:

"ما رأيت أحدا من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحديث العرب ولا النسب من عائشة رضي الله عنها "[2]

''میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو قرآن، فرائض، حلال و حرام، شعر، اخبار عرب اور نسب کے بارے میں سیدہ عائشہؓ سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔''

حدیث و فقہ میں ان کے خصوصی مقام حاصل تھا۔ مکثرین طبقہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے آپ ﷺ کے دنیا رحلت فرمانے کے بعد اکابر صحابہ بھی ان سے مشورے کرتے تھے۔ اکابر صحابہ ان سے میراث کے مسائل دریافت فرماتے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلاَّ وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا»[3]

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ حج کے دنوں میں آپ اپنا خیمہ پہاڑ کے دامن میں نصب کراتیں کہ عام و خاص استفادہ کریں۔[4] عائشہ بنت طلحہ کی روایت کے مطابق "كان الناس يأتونها من كل مصر "[5]

حافظ ابن حجر نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ام المؤمنین ام مسلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق لکھا ہے کہ

(1) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، رقم الحدیث:101؛ صحیح بخاری، رقم الحدیث:7310 میں خواتین کو مطالبہ پر وعظ کا ذکر ہے۔

(2) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، 1/25؛ المستدرک للحاکم، 4/6793

(3) جامع ترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب فضل عائشة رضي الله تعالى عنها، رقم الحدیث:3883

(4) ندوی، سید سلیمان، سیرت عائشہؓ، ص:207

(5) السلسلۃ الصحیحہ، رقم الحدیث:346

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے انہیں پختہ عقل اور صائب رائے سے نوازا تھا۔

بعض صحابیات کو تو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں مرد بھی شامل تھے۔ سیدہ عائشہؓ سے علم حاصل کرنے والے افراد کی کم از کم تعداد دو سو ہے۔ ان کے متعلمین میں مرد اور خواتین شامل تھے۔ مرد شاگردوں میں عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن اور مسروق کے نام نمایاں ہیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا سے علم حاصل کرنے والوں میں بھی مرد اور خواتین دونوں شامل تھے۔ ان شاگردوں میں عبد اللہ بن عمر، حمزہ، حارثہ بن وہب، صفیہ بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنھم وغیرہ شامل ہیں۔[1]

ان برگزیدہ معلمات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کئی اور مسلمان خواتین نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ان خواتین میں سیدہ نفیسہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی یہ خاتون سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھیں بعض روایات کے مطابق ان کے درس میں امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ بھی شریک ہوا کرتے تھے۔[2]

عہد رسالت مین جن علوم و فنون میں ازواج مطہرات اور صحابیات نے خصوصی مہارت حاصل کی ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، فتاوی، علم الفرائض، طب، ادب، شاعری اور تاریخ شامل ہیں۔

فتاویٰ کے شعبہ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں سیدہ عائشہؓ سرفہرست نظر آتی ہے۔ ان کے فتاویٰ کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ فقہ میں کمال حاصل کرنے والی خواتین میں سیدہ صفیہ، سیدہ حفصہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ جویرہ، فاطمہ الزہراء، ام شریک اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنھن شامل ہیں۔ اسی طرح طب کے شعبہ میں رضیدہ، ام مطاع، ام کبشہ اور ام عطیہ وغیرہ شامل تھیں۔ طب کے علاوہ ادب اور شاعری میں بھی بہرہ وافر پایا۔ سیدہ خنساء اس دور کی صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔[3]

تعلیم کا مقصد اخلاق و تقویٰ کی تربیت ہے۔ قرآن و حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فکر اصلاح کے ساتھ اخلاق و عمل کی اصلاح پر بڑا زور دیا ہے۔ وہ تمام احکام سکھائے گئے ہیں جو اسلامی معاشرے کے بہترین فرد بننے کے لیے ضروری ہیں۔ خواتین کا بالخصوص یہ خیال رکھا گیا ہے کہ وہ عزت و حیا کے ساتھ زندگی گزاریں۔ رسول اکرم ﷺ نے خواتین کی تعلیم میں تربیت کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا۔ اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے دور کے

(1) سعید انصاری، مولانا، سیر الصحابیات، معارف اعظم گڑھ، 1953ء
(2) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص:196
(3) سیر الصحابیات، ص:27-28؛ نیز دیکھیے، خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص:523-524

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں نے اس حقیقت کو بہت اچھی طرح سمجھا اور آپ ﷺ کی پکار «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»[1] ''مجھ سے لے کر آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔'' کو لے کر جوق در جوق آگے بڑھے۔ پیغام ہدایت کو سیکھنے، سکھانے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ رکھی۔

نبی اکرم ﷺ نے طلب علم کو ہر مومن اور عورت کے لیے فریضہ قرار دیا اور اس راہ میں موت کو شہادت کا درجہ دیا۔ سکھانے والے کے قابل رشک قرار دیا اور سیکھنے والے کو بشارت فردوس دی، عالم کو عابد پر فوقیت اور علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا، اس شخص کے لیے بطور خاص رحمت کی دعا کی گئی جو آپ ﷺ کے پیغام کو نہ صرف خود سننے والا ہو بلکہ آگے پہنچانے والا بھی ہو۔ ازواج مطہرات رضوان اللہ عنہن اجمعین کو بطور خاص آیات قرآنی کے ساتھ ساتھ حدیث رسول ﷺ سیکھنے کا حکم ملا۔

علم کی اس عمومی فضیلت اور حدیث رسول ﷺ کو سیکھنے اور آگے پہنچانے کی اہمیت کو جان لینے کے بعد دور نبوی ﷺ ہی میں نہ صرف مرد بلکہ خواتین بھی اس فریضے کی ادائیگی میں مشغول ہو گئیں۔ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم کے دوسرے حصے حدیث نبوی ﷺ کی اشاعت کا بطور خاص اہتمام کیا جانے لگا اور یہ سلسلہ پھر تاریخ کے تمام ادوار تک پھیل گیا۔ کوئی دور بھی ایسی خواتین کے وجود سے خالی نہیں رہا جس میں وہ اپنے اس فریضے کی ادائیگی میں مردوں کے ساتھ ساتھ ہمہ تن مصروف نہ رہی ہوں۔ بعض خواتین تو ایسے مقام پر پہنچ گئیں جہاں مردوں نے بھی ان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کر دیے۔ انہوں نے روایت کے میدان میں صدق وامانت کی ایسی روشن مثالیں قائم کیں کہ علم جرح وتعدیل کی مشہور کتاب ''میزان الاعتدال'' کے مؤلف امام ذہبی اپنی کتاب کے آخر میں حدیث کی خدمت کرنے والی خواتین کے بارے میں سنہری الفاظ میں لکھتے ہیں:

''میں نے آج تک کسی خاتون کو متہم بالکذب یا متروک نہیں پایا۔''[2]

عہد نبوی ﷺ میں:

خواتین کے مسائل سے متعلق معلومات کے لیے بطور خاص ازواج مطہرات رضوان اللہ عنہن اجمعین سے رجوع کیا جاتا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی نجی زندگی سے متعلق تمام تر معلومات کے لیے ازواج مطہرات رضوان اللہ عنہن اجمعین ہی سے راہنمائی لی جاتی ہے۔

(1) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث:3461

(2) میزان الاعتدال، ص:278

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

امہات المؤمنین سیدہ حفصہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ میمونہ، سیدہ ام سلمہ اور سیدہ عائشہ رضوان اللہ عنہن اجمعین کی علمی خدمات کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ خصوصاً سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ تاریخ اسلام میں فروغ تعلیمات نبوی ﷺ کی کوششوں میں کوئی دوسری خاتون آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی ہم پلہ نہیں ہے۔ وہ ان چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم میں سے ایک ہیں جن کی روایات کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے آپ رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی تک ہر خاص وعام کے لیے مرجع علم بنی رہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب "جوامع السیرۃ وخمس وسائل اخری لابن حزم" کے اندر کم و بیش 125 صحابیاتؓ سے مروی احادیث کی کل تعداد 2560 ہے۔ جن میں سب سے زیادہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہیں۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کرنے والے صحابہ و تابعین کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔[2]

ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا علم حدیث میں ممتاز نظر آتی ہیں، علم حدیث میں ان کے مقام و مرتبہ کے متعلق سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:" كَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم يَحْفَظْنَ مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم كَثِيرًا وَلَا مِثْلًا لِعَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ "[3]

سیدہ ام سلمہؓ سے 378 احادیث مروی ہیں۔[4]

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام المؤقعین میں لکھا ہے:"اگر ام سلمہ کے فتوے جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔[5]

تعلیم و تعلم کے اس سلسلے میں دیگر صحابیات نے بھی قابل تقلید مثالیں پیش کیں۔

اس ضمن میں سیدہ ام قیس، سیدہ ام الفضل بنت حارث، سیدہ فاطمۃ بنت قیس، سیدہ ام

(1) جوامع السیرۃ، 12/275-315

(2) تہذیب التہذیب، 12/384-387

(3) ابن سعد، الطبقات الکبری، 2/375

(4) جوامع السیرۃ، 1/276

(5) اعلام المؤقعین، 1/10

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عطیة، سیدہ ام ھانی، سیدہ اسماء بنت بکر، سیدہ اسماء بنت عمیس اور سیدہ اسماءبنت یزید رضی اللہ عنھن خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی روایات کی تعداد بالترتیب 22، 30، 34، 40، 46، 58، 60 اور 81 ہے۔ ان کے علاوہ سیدہ بسرۃ بنت صفوان، سیدہ ام صبیة خولة الجھینة، سیدہ ام الحصین الاحمسیة، سیدہ ام جندب الازدیة، سیدہ ام الحکیم الخزاعیة، سیدہ سراءبنت نبھان، سیدہ رزینة، سیدہ خلیدۃ بنت قیس، سیدہ خطیبة النساء، سیدہ اسماءبنت یزید اور سیدہ خنساء الانصاریة رضی اللہ عنھن کا شمار ان خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے براہ راست نبی اکرم ﷺ سے متعدد احادیث روایت کیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ تعلیمات نبوی ﷺ کے فروغ کی سعادت پانے والوں میں ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والی خواتین شامل ہیں جن میں آزاد، طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والی بھی اور غلام بھی ہیں۔ روزینہ اور ماریہ رضی اللہ تعالی عنھما نے خادمات رسول ﷺ ہونے کے ساتھ روایت حدیث کا شرف پایا۔

میمونہ بنت سعید اور امیمہ رضی اللہ تعالی عنہما مولاۃ رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ راویات حدیث بھی تھیں۔ اس کے علاوہ بریرۃ اور ام علقمة مولاۃ عائشة، خیرۃ ام الحسن البصری مولاۃ ام سلمة، ندبة مولاۃ ام المؤمنین میمونة، ذرۃ اور ندبة مولاۃ ابن عباس رضی اللہ عنھما، بنانة مولاۃ عبدالرحمٰن الانصاری اور لیلیٰ مولاۃ ام عمارۃ الانصارۃ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح "اسد الغابة" اور "الاصابة فی تمیز الصحابة" میں 500 سے زائد صحابیاتؓ کے تراجم موجود ہیں۔[1]

"تہذیب التہذیب" میں 233 خواتین اسلام کا تذکرہ ہے جن میں بیشتر صحابیاتؓ ہیں۔[2]

تابعین کے دور میں:

جب علمی تحریک نے زور پکڑا تو خواتین بھی قابل ذکر تعداد میں سامنے آئیں، صرف ابن سعد نے ساٹھ سے زائد ایسی خواتین کے حالات قلم بند کیے ہیں جنہوں نے اس مہم میں نمایاں حصہ لیا۔ ان خواتین میں سے حفصہ بنت سیرین اپنے وقت کی مشہور عالمہ حدیث ہیں۔ جب ایاس بن معاویہ کے سامنے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے برملا کہا کہ میرے لیے حفصةبنت سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک اور مشہور خاتون ام الدرداء الصغریٰ ہیں جن کے

(1) اسد الغابة، 7/406؛ الاصابة فی تمیز الصحابة، 8/492
(2) تہذیب التہذیب، 12/426-516

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاگردوں میں ابو قلابہ، رجاء بن حیوۃ، مکحول اور زید بن اسلم جیسے جلیل القدر تابعین شامل ہیں۔

عمرۃ بنت عبد الرحمان کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شاگرد خاص اور ان کی روایات کو سب سے زیادہ جاننے والی ہیں۔ ان کے شاگردوں میں ابو بکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ مایہ ناز قاضی ہیں جنہیں عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بطور خاص حکم دیا کہ وہ عمرہ کی تمام تر احادیث کو احاطہ تحریر میں لائیں۔ انہی کے بارے میں ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ، قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہیں کہ میں تمہیں علم کا بہت حریص دیکھتا ہوں کیا میں تمہیں اس کے خزانے پر مطلع نہ کروں؟ علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو جاؤ عمرہ کے پاس۔ قاسم بن محمد کا کہنا ہے کہ عمرہ کے پاس جا کر مجھے ایسا لگا کہ وہ کبھی نہ خشک ہونے والا سمندر رہیں اور ابن المدینی نے "احد ثقات العلماء" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ 103ھ یا 116ھ میں وفات پائی۔[1]

مشہور تابعی سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی ابنة المسيب کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کے شوہر شادی سے قبل سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے درس حدیث لیتے تھے۔ شادی کے اگلے ہی روز جب تیار ہو کر استاد کے پاس حصول علم کے لیے جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اہلیہ فرماتی ہیں: تشریف رکھیے! میں آپ کو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا علم گھر پر سکھائے دیتی ہوں۔ اس کے بعد کے دور، یعنی:

تیسری صدی ہجری میں:

عابدة المدنية، ام عمر الثقفية، زينب بنت سليمان، نفيسة بنت حسن بن زيد، خديجة ام محمد، عبدة بنت عبد الرحمان، عباسة بنت الفضل، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ اور دیگر بہت سی خواتین قابل ذکر ہیں جنہوں نے حدیث رسول ﷺ پر باقاعدہ درس دیے۔ جن میں بڑے بڑے محدثین شامل ہوتے تھے۔ عابدہ اگرچہ ایک سیاہ فام لونڈی تھیں لیکن افق حدیث کا چمکتا ہوا ستارہ بن کر ابھریں۔ جب محمد بن یزید نے انہیں حبيب بن وليد الدحون اندلسی کو ہبہ کر دیا تو وہ اس کے علم سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور اپنے ساتھ اندلس لے آئے جہاں پر وہ تقریباً دس ہزار حدیث، امام دار الهجرة مالك بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مدنی اساتذہ سے روایت کرتی رہیں اور یوں وہ یورپ میں فروغ تعلیمات نبوی ﷺ کا باعث بنیں۔

دوسری طرف زینب بنت سلیمان نے جو پیدائشی طور پر ایک شہزادی تھیں (اور ان کے والد، منصور

[1] تہذیب التہذیب، 12/438-439

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے دور خلافت میں بصریٰ اور بحرین کے گورنر رہے) حدیث رسول ﷺ میں ایسی دلچسپی کا مظاہرہ کیا کہ بڑے بڑے نامور محدثین آپ سے روایت کرنے لگے۔نفیسہ جو اہل بیت میں سے تھیں ان کی علمی فضیلت کے لیے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ امام شافعیؒ نے آپ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔

تدوین حدیث کے بعد جب کتب حدیث منصہ ظہور پر آنے لگیں تو خود خواتین کا رجحان بھی ان کتب کے سماع اور روایت کی طرف ہونے لگا۔صنف نازک نے باقاعدہ ان کتب کی تدریس میں حصہ لیا جن سے ہر طبقے نے بھرپور فائدہ اٹھایا، اس ضمن میں کریمۃ المروزیۃ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ صحیح البخاری کی روایت میں وہ یکتائے زمانہ تھیں۔بڑے بڑے آئمہ جن میں ابو بکر الخطیب البغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں جو بغداد سے مکہ پہنچ کر کریمہ سے صحیح البخاری کا سماع کرتے ہیں۔ابو بکر بن منصور سمعانی کا کہنا ہے کہ میرے والد کریمہ کی علمی شخصیت سے بہت متاثر تھے،وہ کہتے تھے کہ میں نے کریمہ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔کریمہ کے عطا کردہ صحیح البخاری کے اجازت ناموں کی کثرت کا ذکر مشہور مستشرق گولڈزیہر نے بھی خاص طور پر کیا ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ صحیح البخاری اور دیگر کتب حدیث کی روایت میں کئی اور خواتین بھی قابل ذکر ہیں، اس ضمن میں مسندۃ الوقت ست الوزاء بنت عمر کا نام بطور خاص لیا جاتا ہے جو طویل عرصہ تک دمشق اور مصر میں درس وتدریس کرتی رہیں اور جن کی روایت بخاری بھی بے پناہ شہرت کی حامل ہوئی۔ام الخیر امۃ الخالق مدرسہ حجاز کی آخری راویہ صحیح البخاری تھیں۔ایک طرح عائشۃ بنت عبد الھادی بھی تدریس بخاری کے لیے ایک ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

اسی طرح زینب بنت برھان الدین اردبیلیۃ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی، ہوش سنبھالنے کے بعد انہوں نے اپنے چچا کے ساتھ بلاد عجم کا سفر کیا اور بیس سال کے بعد مکہ مکرمہ میں واپس آئیں۔ام محمد زینب بنت احمد بن عمر کا وطن بیت المقدس تھا،امام ذہبیؒ نے ان کو "المعمرۃ الرحلۃ" کے القاب سے یاد کیا ہے۔[1]

(یاد رہے کہ ان محدثات کے یہ اسفار محرم کے بغیر ہرگز نہ ہوتے تھے اوران کی درس گاہیں بھی اسلامی اقدار اور حجاب کی پابندی میں ہوتی تھی)

خواتین نے نہ صرف صحیح البخاری کی درس وتدریس اورروایت کا اہتمام کیا بلکہ دیگر کتب حدیث کی روایات اور درس وتدریس میں قابل ذکر حصہ ڈالا، اس سلسلے میں ام الخیر فاطمۃ بنت علی بغدادیۃ کا نام قابل ذکر ہے جو

[1] العبر فی خبر من غبر،4/65

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے وقت کی مشہور راویہ صحیح مسلم تھیں۔

فاطمۃ الجوزدانیۃ العجم للطرانی کی روایت کیا کرتی تھیں۔زینب بن المکی الحرانی 94سال تک زندہ رہیں جن کے گرد طلبہ کا ہجوم رہتا اور وہ مسند احمد کی روایت کیا کرتی تھیں۔امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:"وازدحم علیھا الطلبۃ"

ابن نقطہ نے اپنی کتاب "التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید" میں ایسی دس خواتین کا ذکر کیا ہے جو اپنے اپنے دور میں کتب احادیث کی روایت میں مشہور ہوئیں۔[1]

چوتھی صدی ہجری میں:

فاطمۃ بنت عبدالرحمان الحرانیۃ، ام محمد، ام سلمہ فاطمۃ (سنن ابی داؤد کے مؤلف امام ابو داؤد سجستانی کی پوتی) امۃ الواحد بنت القاضی المحاملی، ام الفتح امۃ السلام بنت القاضی احمد بن کامل بغدادیۃ، جمعۃ بنت احمد المحمیۃ، فاطمۃ بنت ھلال الکرجی اور طاھرۃ بنت احمد التنوخی کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے علم حدیث میں کمال پیدا کر کے لازوال نقوش ثبت کیے اور جن کے دروس میں بے شمار لوگ شریک ہوتے تھے۔

پانچویں صدی ہجری میں:

مشہور صوفی حسن بن علی الدقاق کی بیٹی اور ابو قاسم القشیری کی زوجہ محترمہ فاطمہ نے بھی سند عالی کے لیے شہرت پائی جو ابو نعیم الاسفرائنی اور حاکم نیشاپوری سے حدیث روایت کرتی تھیں، اس کے علاوہ خدیجۃ بنت محمد شاہ جھانیۃ، ستیۃ بنت قاضی ابن ابی عمرو، خدیجۃ بنت البقال اور جبرۃ السوداء مشہور ہیں

چھٹی صدی ہجری میں:

فاطمۃ بنت محمد مسندۃ اصفھانی، ام الخیر فاطمۃ بنت علی مسندۃ خراسان، مسندۃ الوقت فاطمۃ الجوزدانیۃ، فخر النساء خدیجۃ بنت محمد، تجنی بنت عبداللہ اور شھدۃ بنت احمد سند عالی کے لیے مشہور ہیں، شھدۃ جنہیں فخر النساء کا خطاب دیا گیا ان کے حلقہ دروس میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد حاضر ہوا کرتی، علو سند میں ان کی اس شہرت کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے انہیں اپنا استاد ہونے کا دعویٰ کیا، ذکی الدین البرزالی نے ان کا مشیخہ آٹھ اجزاء میں مرتب کیا ہے۔

[1] التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، ص:497-500

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طلب حدیث اور خصوصاً سند عالی کے حصول کے لیے رحلہ ہر دور کے محدثین کا مطمع نظر رہا ہے۔ تاریخ نے ہر دور میں اپنے اندر طویل اور صبر آزما سفر کی روشن مثالیں سمور کھی ہیں، موجودہ دور میں تو ہر طرح کے ذرائع آمد ورفت بسہولت میسر ہیں لیکن ماضی میں موجودہ وسائل کی عدم موجودگی کے باوجود خواتین اس میدان میں بھی پیچھے نہ رہیں اور اس راہ میں پیش آنے والی صعوبتیں کا بھرپور مقابلہ کیا۔ام محمد زینب بنت احمد المقدسی م 722ھ نے طلب حدیث کی خاطر فلسطین سے مصر، شام اور مدینہ کا سفر کیا، زینب علما سے علم حدیث حاصل کرنے اور اجازت حدیث لینے کے بعد جب مسند تدریس پر بیٹھیں تو طلبہ سماع حدیث کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے ان کے پاس آئے۔

فاطمة بنت سعد الخیر اصفہانی میں پیدا ہوئیں لیکن طلب اور روایت حدیث کے لیے مصر تک گئیں۔
ست الخطباء بنت تقی الدین السبکی م 773ھ نے مصر اور دمشق کا سفر اختیار کیا۔
ام عبداللہ زینب بنت احمد کمال الدین المقدسیة م740ھ نے طلب حدیث میں بغداد، ماردین، شام، اسکندریہ، قاہرہ کا طویل سفر کیا۔ اس دوران کثیر تعداد میں بڑے بڑے شیوخ سے سماع کیا اور کئی کتب کی روایات بھی کی۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:"تکاثروا علیھا و تفردت وروت کتبا کبارا" [1]

ساتویں صدی ہجری میں:

بھی خواتین کی تعلیمات نبوی ﷺ سے دلچسپی کچھ کم نہ ہوئی بلکہ یہ سرگرمیاں اپنے دور کے طریقہ کار کے مطابق جاری رہیں جس میں سماع اور روایت کے ساتھ ساتھ عالی سند اور اجازت ناموں کا حصول سرفہرست تھا۔ اس دور کی چند مشہور خواتین میں سے ایک مسندة خراسان زینب الشعریة ہیں جن کی وفات سند عالی کے انقطاع کا باعث بنی۔

عائشة بنت معمر الاصبہانیة، مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں شہرت کی حامل تھیں اور مشہور محدث ابن نقطہ آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

مسندة الشام کریمة بنت عبد الوھاب بھی ایک منفرد حیثیت کی حامل تھیں جنہیں روایت حدیث کے لیے بڑے بڑے علما سے اجازت حاصل تھی اور وہ کبھی روایت حدیث سے اکتاتی نہیں تھیں۔
زینب بنت المکی کے دروازے پر ہمیشہ طلبہ علم کا ہجوم رہتا۔ شامیة امة الحق متعدد اجزاء حدیث کی روایت میں منفرد تھیں، عجیبة بنت محمد البغدادیة نے اپنا مشیخة دس اجزاء میں مرتب کیا۔

[1] العبر فی خبر من غبر،4/117

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آٹھویں اور نویں صدی میں:

بھی متعدد خواتین کے نام اس بات پر شاہد ہیں کہ حدیث رسول ﷺ کو طبقہ نسواں میں ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الدر الکامنة" میں 170 ایسی خواتین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے محنت اور شوق سے اس گلستان کی آب یاری اور تزئین و آرائش کی۔

گولڈزیہر خواتین کی اس کثیر تعداد کی علمی دلچسپی پر انگشت بدنداں ہے۔ان خواتین کی مختصر سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بہت سے معاصرین، جن میں ان کے شیوخ و تلامذہ شامل ہیں خواتین سے درس حدیث لیا کرتے تھے۔آٹھویں صدی کے تاریخ کے مطالعہ سے جو ایک دلچسپ اور قابل غور حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اس دور میں مشہور حفاظ، محدثین اور فقہاء کی بیٹیاں اور دیگر اہل خانہ بھی ان کے ہمراہ خدمت حدیث میں مصروف نظر آتے ہیں۔کسی اور دور میں یہ چیز اتنی کثرت سے دکھائی نہیں دیتی۔اس ضمن میں اسماء بنت محمد ابی المواهب بن صصری، امة العزیز بنت ذهبی، فاطمة بنت البرازلی، اسماء بنت خلیل بن کیکلدی العلائی، رقیہ بنت ابن دقیق العید، زینب بنت ابن قدامة المقدسی، زینب بنت ابن جماعة الکنانی، ام البهاء زینب بنت ابن العجمی، ست النعم بنت العلامة نجم الدین الحرانی، ست الوزراء بنت عمر المنجاء، ستیه بنت تقی الدین السبکی، ستیه بنت نجم الدین الدمیاطی، عائشة بنت ابراهیم، حافظ المزی کی اہلیہ، عائشة بنت عبد الله، محب الدین الطبری کی پوتی، لوزه بنت عبد الله مولاة ابن دقیق العید، ست الرکب بنت علی ابن حجر کی بہن، زینب بنت عبد الله تقی الدین ابن تیمیة کی بھتیجی رحمهن الله خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خواتین کی علمی قابلیت سے خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کی بڑی تعداد نے بھی ہر دور میں استفادہ کیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کو تعلیم دینا تو کسی سے مخفی نہیں۔بعد کے ادوار میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔عمرۃ اور کریمة المروزیة کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جن سے بے شکار لوگوں نے حدیث کا سماع کیا۔ تاریخ دمشق کے مؤلف ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشیخہ میں ان 80 خواتین کا ذکر کرتے ہیں جن سے انہوں نے درس حدیث لیا۔ابو طاہر سلفی اپنی کتاب "مشیخة البغدادیة"، "معجم السفر" اور "مشیخة الاصبهانیة" میں اور ابو سعید سمعانی "الخبیر فی المعجم الکبیر" میں متعدد خواتین کو اپنے شیوخ میں شمار کرتے ہیں جن سے انہوں نے بطریق سماع یا اجازۃ روایت کی۔"وفیات الاعیان" کے مؤلف ابن خلکان زینب بنت اشعری م524ھ کے شاگرد رہے۔ابن بطوطة کا شمار اگرچہ محدثین میں نہیں ہوتا لیکن طلب حدیث کے شوق میں متعدد خواتین و حضرات اور خصوصاً زینب بنت احمد کمال م710ھ سے سماع کیا۔نویں صدی کے مشہور محدث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عفیف الدین جنید نے سنن دارمی کا درس فاطمة بنت احمد قاسم سے لیا۔ نفیسة بنت ابراھیم امام برزالی اور امام ذہبیؒ کی استاد ہیں۔ حافظ العراقیؒ اور الھیثمی ست العرب بنت محمد البخاری کے شاگرد رہے۔

عائشة بنت محمد الحرانیة م736ھ جو سلائی کڑھائی کر کے اپنا پیٹ پالتی تھیں، کثرت روایت کے علاوہ بعض اجزاء حدیث کی روایت میں بھی منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ ابن بطوطہ نے ان سے اپنے سفر دمشق کے دوران 726ھ میں جامع بنی امیہ میں سماع حدیث کیا، امام الخیر حجازیة مصر کی جامع عمرو بن العاص میں مسند تدریس پر فائز رہیں۔

بائی خاتون نویں صدی کی مشہور محدثات میں سے ہیں جو مصر اور شام میں متعدد مقامات پر تدریس حدیث کرتی رہیں، ان کے درس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے، عائشة بنت ابراھیم جو ابنة الشرائحی کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ انہوں نے بھی اس میدان میں کمال حاصل کرنے کے بعد مصر، شام اور بعلبک وغیرہ میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔

نویں صدی میں جس کثیر تعداد میں خواتین تعلیمات نبوی ﷺ کے فروغ میں مصروف نظر آتی ہیں، تعداد کے اعتبار سے یہ کثرت دوسرے ادوار میں نظر نہیں آتی۔ ان میں سے جن خواتین نے بطور خاص شہرت پائی ان کا ذکر باعث طوالت ہو گا۔ یہاں مثال کے طور پر امام سخاویؒ اور امام ابن حجرؒ کی ایک ایک استاد کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

اما ھانی مریم بنت عبد الرحمٰن الھورینیة م 871ھ جنہیں ادب، شعر اور خطاطی میں مہارت کے علاوہ حفظ قرآن اور اسلامی علوم پر بھی عبور تھا۔ انہیں قاہرہ اور مکہ میں حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے باقاعدہ تدریس کے ساتھ حدیث میں اجازت نامہ جاری کرنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مریم بنت الاذرعی بھی اس میدان میں سند کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کے اساتذہ کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن حجرؒ نے ان کی باقاعدہ ایک معجم مرتب کی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بھی ان گنت ہے۔

خواتین کی درس و تدریس کی یہ سرگرمیاں صرف نجی سطح پر چند اشخاص کے لیے محدود نہ تھیں بلکہ باقاعدہ مدارس میں بھی جاری رہیں جہاں پر ہر طبقہ کے لوگ شریک درس ہوتے تھے، نویں صدی کی محدثات کا ذکر عبد الرحمٰن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ م897ھ کی مشہور کتاب "الضوء الامع" میں ملتا ہے۔ اس کتاب کی آخری جلد تمام تر خواتین کے لیے مختص کی گئی ہے جس میں اکثریت ایسی خواتین کی ہے جن کا کسی نہ کسی حوالے سے حدیث کے ساتھ تعلق رہا۔ عبد العزیز بن عمر بن فھد م 881ھ نے بھی ایک کتاب معجم الشیوخ کے نام سے 861ھ میں تحریر کی جس میں انہوں نے 1100 شیوخ میں سے 130 خواتین کا بھی ذکر کیا جن سے علم حدیث اور دیگر علوم میں بھی استفادہ کیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترکی، مصر اور شام کے تعلیمی سفر کے دوران مجھے کئی ایسے مخطوطات دیکھنے کا موقع ملا جن پر ثبت شدہ سند سماع سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین و حضرات کی کثیر تعداد ایسے دروس میں شامل ہوتی جو مختلف مدارس میں منعقد ہوتے اور وہاں خواتین بھی مجالس حدیث منعقد کیا کرتی تھیں۔

ام عبد اللہ نامی ایک خاتون نے ابن البخاری کے مشیخہ کی تدریس کے بعد ایک تحریر اس کتاب کے صفحہ 250 پر درج کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 837ھ میں انہوں نے ایک مدرسہ میں یہ کتاب پچاس مرد اور خواتین کی مشترکہ کلاس میں پڑھائی۔

دسویں صدی ہجری اور اس کے بعد گیارہویں اور بارہویں صدی:

کے رجال حدیث پر لکھی جانے والی کتب (بالترتیب)"العید"روسی کی تاریخ "النور السافر" محبی کی "خلاصة الاخبار" اور محمد بن عبد الله النجدی کی"السحب الوابلة" کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ خواتین کے اس رجحان میں کچھ کمی ہو واقع ہو گئی ان کتب میں بمشکل دس بارہ محدث خواتین کے نام ملتے ہیں مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خواتین میں ذوق حدیث بالکل ناپید ہو گیا، غلط ہو گا۔

تیرہویں صدی میں:

اس سلسلے کی آخری کڑی فاطمة بنت احمد الفضیلة م 1247ہیں، جو بارہویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئیں، ماہر خطاط تھیں، خود اپنے ہاتھوں سے بہت سی کتب کو نقل کیا، حدیث میں بھی بہت دلچسپی رکھتی تھی، بہت سے علما سے اجازت بھی حاصل کی اور محدثہ کی حیثیت سے مشہور ہوئیں۔ زندگی کے آخری حصہ میں مکہ میں رہائش پذیر ہوئیں اور ایک بڑی لائبریری کی بنیاد ڈالی۔ بڑے بڑے علما ان سے سند حدیث کے لیے رجوع کرتے۔ بعد کے ادوار میں خواتین کے اس میدان میں پیچھے رہ جانے کی بنیادی وجہ امت مسلمہ میں بطور عام اور خواتین میں بطور خاص شرح تعلیم کی نسبت کا کم ہونا ہے۔

موجودہ صدی میں:

جو پیش رفت ہو رہی ہے وہ امید افزا ہے۔ کتب حدیث کے مخطوطات کے تحقیق واشاعت کے ساتھ ساتھ حدیث میں تخصص کا رجحان بھی فروغ پا رہا ہے۔ تحقیق کے میدان میں مصر کی عائشه عبد الرحمن بنت الشاطی عراق کی منیرة ناجی سالم، بهیجة الحسنی شام کی سکنیة الشهابی اور پاکستان کی جمیلة شوکت قابل ذکر ہیں۔ عراق کی خدیجه الحدیثی کی کتاب "موقف النحاة من الاحتجاج بالحدیث الشریف" بھی ایک عمدہ مثال ہے۔

مسلم دنیا اور بعض مسلم اقلیتی ممالک میں قائم شدہ دینی مدارس میں بھی خواتین تعلیمات نبوی ﷺ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیکھنے اور اس کے فروغ نشر و اشاعت کی کوششوں میں سرگرم عمل ہیں۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ پاکستان میں دینی علوم کی روایتی درس گاہوں میں علوم القرآن، علوم الحدیث، ادب عملی، فقہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جا رہے ہیں۔ عصری جامعات میں شعبہ علوم ہائے اسلامیہ میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا خاص بندوبست کیا جاتا ہے اور الگ سے شعبہ جات قائم ہیں خصوصاً بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، الشیخ زائد اسلامک سنٹر لاہور، کراچی، پشاور ان شعبہ جات میں خواتین اساتذہ کرام نے علوم اسلامیہ کی تدریس اور استحکام ریاست کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں ہیں۔[1]

تجاویز و سفارشات:

1. سماجی استحکام کے لیے خواتین کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے لیے والدین کی خصوصی تربیت کی ضرورت ہے کہ وہ بچپن سے ہی بیٹیوں کی تربیت میں کسی قسم کی Discrimination کا شکار نہ ہوں۔ کیونکہ شریعت سے ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے۔
2. ملک پاکستان میں دیہی علاقوں میں خصوصی مراکز قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں خواتین کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔
3. خواتین اور بچیوں کے لیے تعلیمی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ مثبت رویوں کو پروان چڑھانے کے لیے اس کے لیے تربیتی پروگرام رکھے جائیں۔
4. ہر شعبہ ہائے زندگی میں خواتین کی شرکت کو ضروری بنایا جائے اور تناسب کے اعتبار سے انہیں نمائندگی دی جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر سکیں (سکولز، کالجز، یونیورسٹیز) میں تعلیم و تدریس کے برابر مواقع فراہم کرنے کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔
5. حکومت پاکستان بالخصوص پنجاب نے جو خواتین اور بچوں کے حوالہ سے قانون سازی کی ہے۔ اس سے آگہی کے لیے خصوصاً دیہاتوں میں 'Outreach Program' رکھے جائیں
6. یونیورسٹی آف اوکاڑہ میں بالخصوص اس طرح کے پروگرام رکھے جا رہے ہیں اس کو مزید بہتر بنایا جائے اور ریاست اس پر خصوصی توجہ دے۔

[1] مزید تفصیلات پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی کی کتاب ''عہد نبوی میں خواتین کا سماجی مطالعہ'' کا مطالعہ کریں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اصلاح معاشرہ کے لیے نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بطور معلم تقرّر اور ان کا اصلاحی کردار

تعلیم و تربیت و اصلاح معاشرہ آپ ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک بنیادی ترین مقصد تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی سرانجام دیا۔ بعدازاں اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں اپنے تیار کردہ صحابہ کرام کو بھی مختلف اطراف و قبائل میں بطور معلّم کے متعین فرمایا۔ اس تعیناتی و انتخاب میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے متعلقہ ذمہ دار کی صلاحیت اور موزوں نیت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا۔ یہ سیرت نبوی ﷺ کا ایک ایسا گوشہ ہے جس سے آپ ﷺ کی حکمت و بصیرت اور مردم شناسی کا علم ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[1]

”اور اے ہمارے رب، انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما، جو تیری آیات انہیں پڑھ کر سنائے اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے۔“

اسلام ایک جامع، ہمہ گیر اور کامل دین ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے حوالے سے اس میں رہنمائی موجود نہ ہو اور اس ہدایت و رہنمائی کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے ایسی ذاتِ مقدس کے ذریعے کی جو بے حد و حساب خصائص و اوصاف کی مالک تھی جن کی سیرت مقدسہ کی بے پایاں تعلیمات پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

”درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔“

آپ کا اُسوہ حسنہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔ مذہبی، معاشرتی، سیاسی، تعلیمی، اقتصادی، عسکری الغرض ہر گوشہ حیات کو محیط ہے۔ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ بادشاہ، رئیس، حاکم، محکوم، سپہ سالار، افسر، سپاہی، معلم، غریب، دولت مند، عابد و زاہد، امام اور پیشوا تمام مناصب پر فائز تھی۔ آپ ﷺ کی

(1) سورة البقرة2: 129

(2) سورة الاحزاب33: 21

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شخصیت میں معاشرے کے تمام افراد کے حوالہ سے ہدایت اور رہنمائی موجود ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ متنوع اوصاف کی جامع ہے اور ان اوصاف میں سے ایک اہم وصف یہ ہے کہ انسانی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھنا اور کسی شخص کی صلاحیت، قابلیت دیکھ کر اس کے مطابق اُسے ذمہ داری دینا، کسی عہدہ یا سرکاری منصب پر فائز کرنا۔ (1)

یہ ایک ایسا وصف ہے جو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا نہایت نمایاں اور اعلیٰ وصف ہے اگر ہم کتب سیرت کا مطالعہ کریں تو آنحضرت ﷺ کے حوالے سے اس کا بارہا مشاہدہ کرنے میں آتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ ﷺ نے کسی اہم سرکاری عہدے و منصب پر فائز کیا یا دعوتِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے روانہ فرمایا یا خطابات، القابات سے نوازا تو تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ حقیقتاً یہ لوگ اس کی اہلیت رکھتے تھے۔

سیرت طیبہ ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو اُن کی اہلیت و صلاحیت کے مطابق معلّمین کے عہدوں پر فائز کیا۔ کیوں کہ کسی بھی ریاست کے نظام تعلیم میں اور اصلاح معاشرہ کے لئے معلّمین کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت ہی وہ بہترین ذریعہ ہے جس سے ریاستی، معاشرتی اور مذہبی اقدار سے متعارف کروایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم معلّمین کے عہدوں پر فائز ہونے والے نامور نوجوان صحابہ کرام اور اُن کی عظیم کارکردگی کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا» (2)

"اور بلاشبہ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

معلّم انسانیت ﷺ نے بعثت کے بعد تعلیم و تربیت پر بہت توجہ دی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بڑی تعداد میں شاگرد پیدا ہو گئے۔ یہ تلامذہ جلد ہی بڑے معلّم اور مربی کے طور پر معروف ہو گئے۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت علی المرتضیٰ، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری، مصعب بن عمیر، اُبی بن کعب، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبادہ بن صامت، سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبد اللہ، اَبو ہریرہ، اَبو سعید خدری، عبد اللہ بن عباس،

(1) اطہر مبارکپوری، قاضی، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2000ء، ص:4

(2) ابن ماجۃ، إمام، محمد بن یزید، أبو عبد اللہ، سنن ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم :224، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعۃ الأولی، 1999ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو درداء، ابو عبیدہ بن الجراح اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہم وغیرہ اور خواتین میں حضرت عائشہ، ام سلمہ حفصہ اور شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہن وغیرہ۔[1]

ان عظیم معلّمین کے لیے معلّم اوّل اور مرجع اساسی معلّم انسانیت ﷺ ہی تھے۔ ان معلّمین کو حالات واقعات کے مطابق آپ ﷺ مدینہ منورہ سے باہر مختلف مقامات پر تعلیم و تدریس کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ آپؐ تعلیم و تدریس کے لیے فرد شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے افراد کا انتخاب کرتے جو معلّمانہ اوصاف سے متصف ہوتے یعنی نبی ﷺ تعلیمی امور اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے ایسے افراد کا تقرر کرتے جن میں تعلیمی قابلیت اور معلّمانہ اہلیت بدرجہ اتم موجود ہوتی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بطور معلّم تقرر:

11ر نبوی میں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اہل مدینہ نے ایک تربیت یافتہ معلّم کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہمارے ساتھ کسی ایسے آدمی کو بھیجیں جو ہمیں دین سکھائے اور قرآن پڑھائے

آپ ﷺ نے فرد شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جس شخصیت کا انتخاب کیا وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ جو بہترین معلّمانہ اوصاف کے حامل تھے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے:

> "جب انصار بیعت کے بعد واپس پلٹے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کو روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین کی بصیرت اور صحیح سمجھ پیدا کریں۔"[2]

نبی کریم ﷺ کی طرف سے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کا معلمانہ تقرر نبویؐ مردشناسی پر دلالت کرتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کی تقرری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "کبار صحابہ اور سابقین اولین میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ عبدری کا انتخاب ظاہر ہے کہ محض ان کی سبقت اسلام اور شخصی و خاندانی وجاہت کے سبب نہیں ہوا تھا۔ وہ یقینا سابق صحابی تھے اور انہوں نے اسلام کے لیے بڑی قربانیاں دی تھیں لیکن ان سے کہیں زیادہ سبقت اور قربانی کا شرف رکھنے والے صحابہ موجود تھے۔ ان کا انتخاب صرف اس بنا پر کیا گیا تھا کہ وہ مجموعی

(1) اطہر مبارکپوری، قاضی، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2000ء، ص4-5

(2) ابن ھشام، عبد الملک أبو محمد، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، 1/434

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے اس منصب عظیم کے لیے موزوں ترین تھے۔"[1]

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ 'مُقری' (استاذ) کے نام سے معروف ہو گئے۔ ان کی علمی بصیرت، عقل و دانش اور معلمانہ اوصاف کی بنا پر 'بنی عبد الاشہل' کے دونوں سردار سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور ان کے قبولِ اسلام کا یہ اثر ہوا کہ شام تک سعد بن معاذ کا سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔ سوائے ایک آدمی کے جس کا نام 'اصیرم' تھا اس کا اسلام جنگ اُحد تک موخر ہوا۔

"نبی کریم ﷺ کے مقرر کردہ معلّم مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کی وجہ سے نبوت کے تیرہویں سال کے ایام حج تک انصار کا کوئی ایسا گھرانہ باقی نہ بچا کہ جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ صرف بنی اُمیہ بن زید اور خطمہ اور وائل کے چند مکانات باقی رہ گئے تھے۔"[2]

الغرض نبی کریم ﷺ کی طرف سے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کا تقرر نبوی فردشناسی پر دلالت کناں ہے کہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ایسے معلّم کا انتخاب کیا جس نے مدینہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا بطور معلّم تقرر:

ہجرت مدینہ سے قبل مدینہ میں حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ بحیثیت معلم قرآن ذمہ داریاں ادا کرتے رہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان ہے:

«أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَكَانَا يُقْرِئَانِ النَّاسَ»[3]

"ہمارے ہاں سب سے پہلے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن ام مکتوم آئے اور یہ حضرات لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔"

حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ کا بطور معلم قرآن تقرر، نبوی ﷺ فردشناسی پر دلالت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی اشاعت و تعلیم کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو قرآن مجید پر کامل دسترس رکھتا ہو۔ عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ آپ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی قرآن مجید

(1) یسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر عہد نبوی کا نظام حکومت، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار اول، 1994ء، ص: 94

(2) ابن القیم، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد، زاد المعاد، (مترجم، رئیس احمد جعفری) نفیس اکیڈمی کراچی، 1975ء، 2/ 51

(3) صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب مقدم النبي وأصحابه المدينة، رقم الحديث: 3925

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حفظ کرنے اور سیکھنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ آپ کی عزت و تکریم میں سورہ عبس کی 16 ابتدائی آیات کا نزول ہوا۔ آپ کو مؤذن مدینۃ الرسول ﷺ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو غزوات کے موقع پر 12 یا 13 مرتبہ جانشین، ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت رافع بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی بطور معلّم تقرری:

رافع بن مالک انصاری ازرقی رضی اللہ تعالی عنہ کو نبی کریم ﷺ نے اپنے قبیلے خزرج کی شاخ بنی زریق کا معلّم ونقیب بنایا اور آپ کو سورہ یوسف اور جس قدر قرآن مجید نازل ہوا تھا عطا فرمایا۔ حضرت رافع رضی اللہ تعالی عنہ اس قرآن کے ساتھ مدینہ آئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو اپنے ہاں جمع کیا اور ان کو قرآن سنایا۔ جس کی وجہ سے معاشرہ کے اندر ایک مثبت تبدیلی پیدا ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کے تدریس قرآن کی وجہ سے کئی لوگ قرآن مجید میں فہم اور ادراک حاصل کر کے معاشرے کے لیے بہترین استاذ ثابت ہوئے۔

رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ چھ سرداروں میں بھی تھے اور بارہ سرداروں میں بھی تھے اور ستر سرداروں میں بھی تھے یعنی مکہ آنے والے مدینہ کے پہلے چھے مسلم افراد، بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں موجود تھے۔ ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ میں بہت کم پڑھے لکھے افراد تھے البتہ چند لوگ پڑھ، لکھ سکتے تھے کہ جن میں سے ایک رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے۔

حضرت رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ میں معلّمانہ اور قائدانہ اوصاف موجود تھے۔ ان اوصافِ معلّمانہ کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے آپ کو سورہ یوسف اور قرآن مجید جس قدر نازل ہوا تھا عطا فرمایا اور نقیب و معلّم کی ذمہ داری سونپی اور رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا۔ آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد، رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی تعلیمی و دینی خدمات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

> "حضرت رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ سے واپس آنے کے بعد ہی اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم پر آمادہ کیا اور آبادی میں ایک بلند جگہ (چبوترہ) پر تعلیم دینی شروع کی۔ مدینہ میں سب سے پہلے سورہ یوسف کی تعلیم حضرت رافع نے ہی دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت رافع رضی اللہ تعالی عنہ کی دینی و تعلیمی خدمات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔"[1]

[1] ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني،الإصابة في تمييز الصحابة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى،1415 ھ،2/ 190

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ستر قراء اور منذر بن ساعدی رضی اللہ عنہ کا بطور معلّم تقرر:

صفر 4ھ میں ابو براء عامر بن مالک کلابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ اہل نجد کی تعلیم و تبلیغ کے لیے معلّم بھیج دیں تو وہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے قراء صحابہ میں سے ستر افراد کا انتخاب کیا اور ان کا امیر منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ کو بنایا۔ البتہ آپ ﷺ کے معلّمین و قراء کو دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بطور معلّم تقرر:

نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو دو مرتبہ بطور معلّم مقرر فرمایا تھا ایک بار مکہ مکرمہ اور دوسری مرتبہ یمن میں۔ فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر بنایا تو معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو وہاں دینی تعلیم دینے کے لیے مامور فرمایا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ملک یمن کے علاقہ "جند" کا امیر و معلّم بنا کر روانہ فرمایا۔

ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2002ء) نے آپ کے لیے صدر 'ناظرات تعلیم' اور ڈاکٹر طاہر القادری نے 'انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "وہ ایک تحصیل سے دوسری تحصیل، ایک ذیلی تعلیمی عہدیدار کے علاقہ کے بعد دوسرے عہدیدار کے علاقے میں جاتے تھے۔ آپؐ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تعلیمی امور پر ان کی علمی ثقاہت کی بنا پر تقرر کیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کا علم میں پایہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے۔ جس میں آپ کو حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا گیا۔"[2]

رسول اللہ ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کی تلقین کی ان میں سے ایک معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں:

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ، مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَأُبَيِّ بْنِ

(1) ابن ہشام: 2/ 183-188؛ زاد المعاد، ص: 109-100

(2) طبری، ابو جعفر محمد ابن جریر، تاریخ الامم والملوک: 2/274، دار الفکر، بیروت، 1987ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی الله عنهم»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار اشخاص سے قرآن پڑھو، عبد اللہ بن مسعود، ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنھم۔

نبی کریم ﷺ نے یمن بھیجتے وقت ان کے مقام و مرتبہ کو پسند فرماتے ہوئے ان کے سینے پر ہاتھ مارا جس سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا رسوخ فی العلم واضح ہوتا ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور آپ کا شمار کاتبینِ وحی میں ہوتا تھا اور عہد صدیقی و فاروقی میں درس ارشاد فرماتے تھے۔ آپ نے عہد صدیقی و فاروقی میں بھی معلّم کے فرائض سرانجام دیئے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کا بطور معلّمین تقرر:

رسول کریم ﷺ نے تعلیمی ترقی اور اصلاح و تربیت کے لیے کوئی موقع ضائع نہیں کیا اور اس کے لیے غیر مسلموں کو بھی استعمال کیا۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے جو پڑھے لکھے افراد تھے نبی کریم ﷺ نے ان کے ذمہ لگایا کہ وہ دس دس افراد کو لکھنا سکھا دیں اور آزادی حاصل کر لیں۔[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بطور معلم تقرر:

رسول اللہ ﷺ 10 ہجری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے 'عدن' اور 'زبید' میں بطور معلّم و حاکم بنا کر بھیجا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں قائدانہ صلاحیتیں اور معلّمانہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ بیک وقت قاری، حافظ، عالم، فقیہ اور قاضی تھے اسی لیے آپ ﷺ نے معلّم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن مجید میں گہرا شغف اور مہارت رکھتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کس طرح قرآن پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا:

"کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، سواری پر، اس کے حصے بنا کر پڑھتا ہوں اور مختلف اوقات میں پڑھتا ہوں۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوبصورت آواز کی بزبان رسالت ﷺ یوں تعریف کی گئی:

«عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُعْطِيتَ مِزْمَارًا

(1) صحیح بخاري، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقف معاذ بن جبل، رقم الحدیث: 3806

(2) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 2/ 22

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ»[1]

"ابو موسیٰ کو آل داود کے مزامیر میں سے مزمار (حسن آواز) عطا کیا گیا ہے۔"

عہد فاروقی میں آپ کو کوفہ اور بصرہ کا امیر بنایا گیا اور دونوں مقام میں آپ نے اپنی مجلس درس منعقد کی اور کتاب و سنت اور فقہ کی تعلیم دی۔ اور بطور معلّم اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا تعلیمی اُمور پر تقرر:

اسلامی سلطنت کا ایک اہم ضلع 'نجران' تھا جس پر قیس بن الحسین کو گورنر مقرر کیا گیا تھا لیکن تعلیمی، فقہ اور عدالتی امور کے لیے رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ ان کی تعلیمی ذمہ داریوں کے متعلق آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو نجران بھیجا تاکہ انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں دین اسلام کی تعلیم دیں اور ان سے زکوۃ وصول کریں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب بھی دیا جس میں تعلیمی اور دیگر ذمہ داریاں رقم کی گئیں تھیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ذریعے رسول کریم ﷺ کا وہ خط نقل کیا ہے جو آپ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو روانگی کے وقت لکھ کر دیا تھا۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اہل یمن کو دین سمجھائیں، سنت کی تعلیم دیں اور ان کی زکوۃ وصول کریں۔[3] ڈاکٹر حمید اللہؒ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دیگر ذمہ داریوں کے علاوہ تعلیمی امور میں بھی ان کا تقرر کیا گیا تھا۔[4] آپ ﷺ نے اُن کی اہلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کا تقرر فرمایا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا بطور معلّم تقرر:

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں نبی کریم ﷺ نے ان کے معلّمانہ اوصاف اور صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر انہیں بطور معلّم بھیجا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یمن سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص بھیجئے جو ہم کو اسلام اور سنت

(1) جامع ترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبي موسى أشعري، رقم الحديث: 3855

(2) ابن عبد البر، أبو عمر، يوسف بن عبد الله، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، دار الجيل، بيروت، الطبعة الأولى، 1992م، 2/517

(3) البیهقی، أبو بکر أحمد بن الحسين بن علي، دلائل النبوة، دار الكتب العلمية بيروت، 1705ھ، 5/ 411

(4) حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران لاہور، 2005ء، ص: 121

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تعلیم دے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

«لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ»[1] "یہ اس امت کا امین ہے۔"

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا تقرر نبی کریم ﷺ نے اُن کے اندر تعلیمی صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا۔

چار افراد سے بطور خاص علم قرآن سیکھنے کی تلقین:

رسول اللہ ﷺ نے چار افراد حضرت عبد اللہ بن مسعود، سالم مولیٰ، ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر قرآن مجید سیکھنے کی تلقین فرمائی۔ چونکہ چاروں افراد قرآن مجید کے حافظ، قاری، عالم اور فقیہ تھے اور ان کو قرآن مجید پر عبور حاصل تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کے حصول کے لیے ایسے افراد کا تقرر کیا جو اس کے لیے انتہائی موزوں تھے۔

«اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ، مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہم»[2]

"حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: چار اشخاص سے قرآن پڑھو، عبد اللہ بن مسعود، ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بہت بڑے عالم، فقیہ، قاری اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ نقیب النقباء میں سے ایک ہیں۔ ہجرت مدینہ سے قبل مدینہ میں جو چند لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان میں سے ایک ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق ابی بن کعب رضی اللہ عنہ امت کے سب سے بڑے قاری ہیں۔ آپ کاتبینِ وحی میں سے ایک اہم کاتب ہیں بلکہ مدینہ کے سب سے پہلے کاتب ہیں۔ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو قرآن سنائیں۔ عہد فاروقی میں آپ کی بہت بڑی علمی

(1) صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق فی الآذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام، رقم الحدیث: 7255

(2) صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب معاذ بن جبل، رقم الحدیث: 3806

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجلس ہوا کرتی تھی اور متعدد حضرات نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔[1] الغرض نبی کریم ﷺ کی طرف سے چاروں افراد سے قرآن مجید سیکھنے کی تلقین نبوی ﷺ، فردشناسی کی مظہر ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے چار افراد کے بارے میں قرآن سیکھنے کی تلقین کی جو قرآن مجید میں رسوخ اور عبور رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقرری اور اصلاحِ معاشرہ:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ دعوتِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے خوب کام کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے انہیں معلم و مبلغ مقرر فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور ابوجہل کو قتل بھی کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کوفہ والوں کی درخواست پر آپ ﷺ کو معلم مقرر فرمایا اور اہل کوفہ کی طرف خط لکھا:

"إِنّي قد بعثت اليكم عمار بن ياسر اميرا و عبدالله بن مسعود معلما و وزيرا و هما من النجباء من اصحاب محمد من اهل بدر فاسمعوا و قد جعلت ابن مسعود على بيت مالكم فاسمعوا فتعلموا منهما و اقتدوا بهما و قد اثرتكم بعبدالله على نفسی"[2]

کوفہ میں آپ نے نبوی علوم کی نشرواشاعت اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی معلمانہ تقرری اور اصلاحی خدمات:

رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ آپ ﷺ کی رحلت کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ نبی کریم ﷺ نے کئی مرتبہ علم میں اضافے کی دعادی جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»[3] "اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور تاویل سکھا۔"

علم کے حصول کے لئے بڑے حریص تھے۔ کتب احادیث میں کئی واقعات ملتے ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں نوجوانوں کی اصلاح اور دعوتِ دین کے لئے مقرر کئے گئے۔ اس نوجوان نے خوب محنت کی اور بلند مقام حاصل کیا یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعود ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

(1) صحیح بخاري، کتاب تفسیر القرآن، باب کلا لئن لم ینته لنسفعن بالناصیة: 4959

(2) حاکم، محمد بن عبداللہ نشاپوری، المستدرک علی الصحیحین بیروت، دارالکتب العلمیة 1990، حدیث: 5663، 438/3

(3) صحیح ابن حبان، رقم الحدیث 7055

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نعم ترجمان القرآن ابن عباس۔ ابن عباس قرآن مجید کے کتنے عمدہ ترجمان ہیں۔[1]

اصلاح معاشرہ کے لئے صحابیات معلمات کا کردار:

رسول کریم ﷺ جہاں مردوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرماتے اُسی طرح خواتین کی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام فرماتے۔ بہت ساری خواتین اس سے مستفید ہوئیں۔ خصوصاً آپ ﷺ سے استفادہ کے بعد حضرت عائشہ، حضرت شفاء بنت عبد اللہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن نے اس منہج اصلاح معاشرہ کو اختیار فرمایا اور نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ جس کی وجہ سے آنے والے دور میں علوم کی تدوین خصوصا حدیث و سیرت میں ان کے تربیت یافتہ لوگوں کا نمایاں کردار ہے۔

خلاصہ بحث :

رسول اللہ ﷺ بحیثیت فرد شناس تعلیمی امور کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتے جو اس ذمہ داری کے لیے انتہائی موزوں اور قابل ہوتے۔ البتہ یہ انتخاب موقع و محل کی مناسبت کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ اس کے لئے نبی کریم ﷺ نے نوجوان صحابہ کرام کو دعوتِ دین اور اصلاح معاشرہ کے لئے منتخب فرمایا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن افراد کو بطور معلّم بھیجا گیا ان میں معلّمانہ اوصاف اور تعلیمی و تربیتی اہلیت اعلیٰ پائے کی تھی اس کے ساتھ ساتھ اصلاحِ معاشرہ کے لئے خاص دردِ دل رکھتے تھے۔ جنھوں نے مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لئے علمی، تبلیغی، سیاسی، جنگی، معاشی، معاشرتی، سفارتی اور دیگر اہم ذمہ داریوں کو کماحقہ ادا کیا۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ انہی نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے دین اسلام چہار دانگ عالم میں پھیلا۔ عصر حاضر اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آج کا مسلم نوجوان انہی عظیم صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو اُمت مسلمہ کی تعمیر و ترقی بشمول سائنس و ٹیکنالوجی کا حصول اور رفاہِ عامہ کے لئے وقف کر دے۔

سفارشات:

1۔ عہد نبوی ﷺ کے منہج تعلیم و تربیت اور اصلاح معاشرہ کے لئے کئے گئے اقدامات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا نصابِ تعلیم مرتب کیا جائے جس سے ایسا صالح معاشرہ پروان چڑھے جو کرپشن، چور، ڈاکہ زنی، شراب نوشی سمیت تمام اخلاقی برائیوں سے پاک صاف ہو۔
2۔ اربابِ اختیار کو چاہیئے کہ سکولز، کالجز، مدارس، یونی ورسٹیز کی سطح پر خصوصی طور پر تربیتی کلاسز کا اہتمام کریں۔

[1] حاکم، المستدرک علی الصحیحین، رقم الحدیث: 6291،، 648/3

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3۔ اساتذہ کرام، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج تربیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہر پیریڈ کے آخری پانچ منٹ تربیتی واصلاحی پہلو پر گفتگو فرمائیں۔

4۔ گلی محلہ، قصبہ، دیہات، ٹاؤنز کی سطح پر معاشرہ کے صالح افراد کے ساتھ مل کر ایسی اکیڈمیز، NGOsبنائی جائیں جہاں پر نوجوانوں کی تعمیری وسماجی سرگرمیوں کو خوب جلا بخشی جائے۔

5۔ الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر نوجوانوں کی دلچسپی کے مطابق اخلاقی و سماجی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام کیا جائے۔ خصوصاعصر حاضر میں (Online) نظام تعلیم سے بھی اس کو مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔

6۔ مسلم نوجوانوں کو کتاب کی افادیت سمجھاتے ہوئے مختلف لائبریریوں میں موجود اسلاف کے قیمتی اثاثہ جات کی طرف راغب کیا جائے اور حکومتی سطح پر معاشرے میں لائبریریوں کے قیام کو ضروری بنایا جائے۔

7۔ نسل مولہ ذہنی وجسمانی نشو ونما کے لیے کھیل بہت ضروری ہیں سکولز تا یونیورسٹیز گراؤنڈز فراہم کیے جائیں اسی طرح دیہات قصبہ، ٹاؤنز، یونین کونسل پر بھی یہ سہولیات دی جائیں اور پھر کھیلوں کے مختلف مقابلہ جات کروائے جائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماجی ترقی کے لیے نسلی تکبر و غرور کے خاتمہ کی ضرورت

سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی

دنیا میں نسل کا غرور ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اب تک قائم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت سی اقوام ایسی ہیں جنہوں نے نسل کے اعتبار سے اس میں تقسیم کر رکھی ہے۔ قبل از اسلام عرب میں نسلی غرور پورے عروج پر تھا، عرب کئی قبائل میں تقسیم تھے لیکن ان قبائل میں قریشی اور ہاشمی عرب سب سے زیادہ اونچی ذات کے جانے جاتے تھے۔ ان کے نسلی غرور کی کئی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ چنانچہ قریش حج کے موقع پر مزدلفہ سے واپس آجاتے تھے وہ دوسروں کے ساتھ وہاں قیام کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ قبیلہ قریش کے چند نوجوانوں نے اپنے نسلی غرور کا مظاہرہ جنگ بدر میں کیا جب کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

> ”آپ کی ہر طرف سے جو انصار مسلمان ہمارے ساتھ لڑنے کے لیے ہمارے مقابلہ میں آئے ہیں ہم ان سے لڑنا اپنی توہین سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے درجہ کے نہیں۔“

گویا نسلی غرور اس درجہ میں پہنچ گیا تھا کہ قریش اپنے سے کم درجہ کے ساتھ لڑنا بھی اپنی توہین سمجھتے تھے۔

اسلام نے جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام دیا کہ سب انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اسی طرح اس نے یہ بھی اعلان کیا ہے:

> ”سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ نسل، قومیت، وطنیت اور مال کے اعتبار سے کسی کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھا جائے گا۔ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ایک آدم کی نسل ہیں۔ اس میں کسی قسم کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ نسل انسانی میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جائے گا۔ البتہ انسانوں میں جو نیک اور پارسا ہیں اور جن کا تقویٰ اور کردار بلند ہے وہ قابل عزت سمجھا جائے گا۔“

> ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[1]

> ”درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔“

[1] الحجرات 49: 13

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ اختیار میں ہے۔[1]

نسل انسانی کے غرور کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آنحضرت ﷺ کوئی ایسا قدم اٹھائیں جس سے عملی طور پر نسل غرور کا خاتمہ ہو جائے اور یہاں اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ

"انبیاء کرام کا طریقہ ہر معاملہ میں یہ ہے کہ وہ ہر نیکی اور سچائی پر خود عمل کرتے ہیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نسلی غرور کے خاتمہ کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینبؓ (جو کہ قریشی اور ہاشمی ہیں) کا نکاح سیدہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے تجویز فرمایا۔

اس تجویز کو سن کر سیدہ زینبؓ اور ان کے بھائی نے انکار کیا کیونکہ یہ تجویز ایک ہاشمی و قریشی لڑکی کا نکاح غلام سے کر دیا جائے پورے عرب کی سرزمین میں نسلی غرور کو چیلنج تھا۔ آج ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ

"اہل عرب کو اس نکاح کی تجویز سے کس قدر رنج اور صدمہ پہنچا ہو گا۔"

آنحضرت ﷺ کی یہ تجویز قرآن کی تعلیم اور فرمان الٰہی کے مطابق تھی۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى * اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾[2]

"وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔"

یعنی آپ کا کلام خواہش نفس سے صادر نہیں ہوتا آپ صرف اس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔[3]

اس لیے وحی کے ذریعہ سیدہ زینبؓ اور ان کے بھائی کو تنبیہ کی گئی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾[4]

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی

[1] یوسف، صلاح الدین، حافظ، تفسیر احسن البیان، دار السلام، الریاض، س۔ن، ص: 1461
[2] النجم 53: 3-4
[3] السعدی، عبد الرحمن بن ناصر، تفسیر السعدی، دار السلام، لاہور، س ن، 3/2341
[4] الاحزاب 33: 36

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

ہر مومن مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی طرف سبقت کرے۔ ان کی ناراضی سے بچے، جس کام سے روک دیں اس سے اجتناب کرے اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لائق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی حتمی فیصلہ کریں تو اس کی تعمیل کو لازم قرار دیں اور اپنی کسی خواہش نفس کو حجاب نہ بنائیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر دے۔"(1)

جب اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی طرف سے فیصلہ کن کلمہ آ جائے تو کسی مسلمان کو اپنا اختیار استعمال کرنے کی کسی صورت میں گنجائش نہیں رہتی۔ مولانا سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"جب نبی ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا، انا خیر منه نسباً، "میں اس سے نسب میں بہتر ہوں۔" ابن سعد کا بیان ہے کہ انہوں نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ لا ارضاہ لنفسی وانا ایّم قریش۔ "میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی ہوں۔" اسی طرح کا اظہارِ نارضامندی ان کے بھائی عبد اللہ بن جَحْش رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ اس لیے کہ سیدنا زید نبیؐ کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی (اُمَیْمہ بنت عبد المطلب) کی صاحبزادی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی، اور وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کی اپنی پھوپھی زاد بہن ہے، اور اس کا پیغام آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔"(2)

(1) تفسیر احسن البیان، ص:1180

(2) مودودی، ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1994ء، 4/98

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کا حکم سنتے ہی بہن بھائی نکاح کرنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ سیدہ زینبؓ کا سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا گیا۔ ایک ہاشمیہ لڑکی کا نکاح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تجویز اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ایک غلام کے ساتھ کر دیا گیا۔ نکاح کے بعد میاں بیوی میں ناموافقت پیدا ہو گئی۔ یعنی سیدہ زینبؓ اپنے خاوند سیدہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنی نظر میں نہیں لاتی تھیں۔ ان سے جھگڑا رہتا تھا اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ کیونکہ دنیا کی انسانی زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک اونچی ذات کی خاتون کا نکاح ایک غلام سے کر دیا گیا۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ

”عورت نسلی غرور اور مالی سربلندی کی وجہ سے خاوند کو کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ اگر کسی وجہ سے چھوٹی ذات کے لڑکے سے نکاح کر دیا جائے تو اس کے خاندان کے لوگ اس کو طعن دیتے ہیں جس کی وجہ سے میاں بیوی میں جھگڑا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ مار کٹائی تک نوبت آ جاتی ہے۔“

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے مابین جھگڑے زیادہ بڑھ گیا تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کر لیا اور بار بار رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں آ کر عرض کرتے کہ ”میرا زینب سے نباہ نہیں ہو سکتا۔“

قرآن مجید کے الفاظ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے بار بار فرمایا:

﴿أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ﴾[1]

”اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈرو۔“

یعنی اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو یعنی اسے طلاق نہ دے، اس کی طرف سے تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اس پر صبر کرو اور اپنے عام معاملات اور خاص طور پر اپنی بیوی کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تقویٰ صبر پر آمادہ کرتا اور اس کا حکم دیتا ہے۔[2]

مگر بالآخر سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اب دیکھے بعد دیگرے دو ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک یہ کہ ان کا نکاح غلام سے کیا گیا اور دوسرا یہ کہ غلام نے ان کو طلاق دے دی۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا کہ زینب نے

(1) الاحزاب 33: 37

(2) تفسیر سعدی، 3/2150

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی سچائی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک غلام سے نکاح کیا اور غلام نے اسے طلاق دے دی۔ اس لیے اس کی دلجوئی کے لیے ضروری ہے کہ میں اس سے نکاح کرلوں تاکہ اس کی ذلت عزت سے بدل جائے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے سے اس لیے رک رہے تھے کہ آپ ﷺ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بیٹا پکارتے تھے اور عرب میں منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا اور آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے سے تمام اہل عرب چلا اٹھیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل فرمائی:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾[1]

”پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔“

مولانا عبد السلام لکھتے ہیں:

”فرمان الٰہی ہے کہ ہم نے زینب کا نکاح آپ سے اس لیے کر دیا کہ جاہلی رسم کے مطابق اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کو جو حرام سمجھا جاتا تھا، آپ کے عملی اقدام سے یہ رسم ختم کی جائے اور ایمان والوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ عورتوں کے ساتھ نکاح میں کوئی تنگی نہ رہے اور وہ کسی گناہ یا عار کے احساس کے بغیر ان سے نکاح کر سکیں۔“

اللہ کا یہ فیصلہ پورا ہو کر رہنے والا تھا کہ متبنّٰی حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، نہ اسے متبنّٰی بنانے والے کے لیے اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہے اور یہ فیصلہ بھی پورا ہو کر رہنا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں گی۔“[2]

کوئی منہ بولا بیٹا نہیں ہوتا، بیٹا وہی ہوتا ہے جو حقیقی بیٹا ہو، اس نکاح سے دنیا کی ایک سب سے بڑی رسم کہ منہ بولا بیٹا ہوتا ہے ختم کر دی گئی اور اس واقعہ سے نسلی غرور کو ہمیشہ کے لیے عرب میں خاتمہ کر دیا۔

پھر یہی عرب تھے کہ انہوں نے غلاموں کو لڑکیاں دیں اور ان سے لڑکیاں لیں اور کسی نے اس میں عار محسوس نہیں کی اور پھر ان ہی میں سے بڑے بڑے انسان پیدا ہوئے۔

(1) الاحزاب 33: 37

(2) تفسیر القرآن الکریم، 3/616

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سفارشات:

1. نسلی غرور کسی بھی قوم کی ترقی کی راہ میں سخت رکاوٹ ہے اس کے لیے سکولز، کالجز، یونیورسٹیز، مدارس کے اساتذہ اور مساجد کے ائمہ و خطباء کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔
2. یونین کونسل کی سطح پر ایسے پروگرام رکھے جائیں جس سے اس ناسور کا خاتمہ ہو خصوصا نوجوان نسل کی خاص دینی تربیت کی جائے کہ وہ ذات برادری کے تعلقات کی بنائے محنت پر توجہ دیں۔
3. سکولز تا یونیورسٹیز کی سطح پر سیمینارز منعقد کروانے کی ضرورت ہے۔
4. حکام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ نسلی غرور و تکبر کے خاتمہ کے لیے موثر اقدامات کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصلاح معاشرہ میں مسجد کا کردار، عہد نبویؐ کا خصوصی مطالعہ
(تہذیبی و ثقافتی تناظر میں)

دین اسلام میں مسجد کو عبادت، تعلیم و تربیت، ثقافت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مرکزی مقام حاصل رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و منبع مسجد ہی تھی۔ اسلام کی تعلیم کا آغاز مسجد سے ہوا۔ پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ سے باہر مسجد کی بنیاد رکھی جو سب سے پہلی مسجد ہے اور پھر مدینہ منورہ میں دوسری 'مسجد نبوی' بنائی۔ اس میں دینی اور دنیاوی تعلیمات کی شروعات کیں۔ اسی مسجدِ نبوی سے علم و عرفان، تہذیب و تمدن، اتحاد و یگانگت، اجتماعیت، مساوات واخوّت کے جذبات پروان چڑھے اور معاشرہ روزبروز منور ہوتا چلا گیا۔ پھر ایک غیر فانی اسلامی تہذیب وجود میں آئی کہ اس کے نقوش رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔ موجودہ دور میں مسلمان معاشروں میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور انتظامی بگاڑ عام ہو چکا ہے۔ اس کی ابتدا اُس وقت ہو گئی تھی جب مسلمان کا تعلق مسجد سے کمزور ہوا۔ آج اگر ہم آرزومند ہیں کہ معاشرہ کی اصلاح ہو اور وہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے تو ہمیں مسجد کے اس بنیادی کردار کو فعّال کرنا ہو گا۔ ذیل میں اسی بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ اصلاحِ معاشرہ میں مسجد کا کردار کیا ہے۔ اور کس طرح تربیتی و تعمیری پروگرام کے لیے ایک مرکزی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اور عہد نبوی ﷺ میں اس کو کس طرح فعال بنایا گیا تھا۔

مسجد کی تعریف:

مسجد عربی کے لفظ سَجد سے بنا ہے جس کے معنی خشوع و خضوع اور عاجزی سے سر جھکانا اور عبادت کے اِرادہ سے سر کو زمین پر رکھنا ہے۔ مسجد کا سَجَدَ یَسْجُدُ لفظ ظرفِ مکاں ہے جس کا مطلب ہے: سجدہ کرنے کی جگہ۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ مقام یا جگہ ہے جہاں مسلمان بغیر کسی رکاوٹ کے اللّٰہ کی عبادت اور بندگی کے لیے جا سکیں اور انفراداً یا اکٹھے ہو کر نماز ادا کر سکیں۔[1]

«کل موضع یعبد فیه فهو مسجد قال النبی صلی الله علیه وسلم جُعِلَتْ لِی الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا»

[1] بحوالہ اعلام المساجد باحکام المساجد از زجاج، ص:27؛ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد مواضع، 1/199؛ احمد بن حنبل، مسند، رقم الحدیث:2742

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد؛تاریخ کے آئینے میں:

دنیا میں سب سے پہلی مسجد کعبۃ اللہ ہے جس کی بنیاد فرشتوں نے رکھی تھی۔اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی دیکھ بھال کی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین پر اُتارا تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک گھر بھی بھیج رہا ہوں جس کا طواف میرے عرش کی طرح ہو گا اور اسکے ارد گرد اسی طرح نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھی جاتی ہے۔"[1]

اور قرآنِ مجید نے اس بات کی شہادت یوں دی ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾[2]

"بلا شبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔یہ برکت والا اور جہانوں کے لیے ہدایت والا ہے۔"

مسجدِ حرام کے بعد دوسری بڑی 'مسجد اقصیٰ' ہے جسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا جس کا ذکر قرآنِ مجید اور دیگر آسمانی کتابوں کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں بھی ہے۔اسلام کی آمد کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام کی اوّلین مساجد: قبا اور مسجدِ نبوی ہیں۔ان دونوں کی بنیاد امام کائنات جناب رسول اللہ ﷺ نے رکھی، پھر مساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔امام ابوداؤد نے 'کتاب المراسیل' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں 9 اور مختلف قبائل میں 22 مساجد تھیں اور ان کے ناموں کی فہرست بھی ذکر کی ہے۔[3]

مسلمان دنیا میں جہاں بھی گئے، مساجد بناتے گئے۔مسلمان حکمرانوں نے بھی بڑی عظیم مساجد تعمیر کروائی ہیں۔ہر دور میں مساجد مسلمانوں کی ثقافت اور فنونِ لطیفہ کا بے مثال نمونہ دکھائی دیتی ہیں۔اب دنیا کے ہر گوشہ میں خوبصورت اور وسیع و عریض مساجد موجود ہیں۔دنیا کی چند مشہور مساجد یہ ہیں:

1۔ مسجد الحرام
2۔ مسجد اقصیٰ
3۔ مسجد نبویؐ
4۔ جامع مسجد اُموی، دمشق
5۔ جامع مسجد قیروان
6۔ جامع مسجد استنبول، ترکی
7۔ شاہی مسجد، لاہور

[1] محمد الیاس، ڈاکٹر، تاریخ مکہ مکرّمہ، 73

[2] آل عمران 3: 96

[3] شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، 2/ 110

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

8۔ فیصل مسجد، اسلام آباد... اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں بھی بڑی عالی شان مساجد ہیں۔

9۔ جامع مسجد بحریہ ٹاؤن، لاہور

مسجد کا ذکر؛ قرآنِ مجید میں:

قرآن میں مسجد کا لفظ 28 مرتبہ آیا ہے۔[1]

قرآنی آیات میں سے چند درج ذیل ہیں:

﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓىِٕكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ﴾[2]

”اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے، نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ یہی سیدھی راہ پر چلنے والے ہوتے ہیں۔“

﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾[3]

”اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔“

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾[4]

”پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب

[1] المعجم الفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص:345

[2] التوبہ 9: 18

[3] الحج 22: 40

[4] الاسراء 17: 1

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کچھ سننے اور دیکھنے والا۔"

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾[1]

"اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے وقت مسجد کا رخ کرتے ہوئے اپنی زیب وزینت کو اپناؤ اور کھاؤ پیو اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔"

مسجد کا ذکر احادیث مبارکہ میں:

رسول اللہ ﷺ کے ہاں مسجد کو بڑی اہمیت حاصل تھی، احادیث کی کتابوں میں مسجد کے متعلق بہت زیادہ روایات ہیں جس سے مسجد کی اہمیت، فضیلت اور مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں پچاس ابواب میں احادیث اور مسائل کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ چند روایات درج ذیل ہیں:

1۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الأَقْصَى، وَمَسْجِدِي هَذَا»[2]

"تین مسجدوں کے علاوہ کسی جگہ (ثواب کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے: مسجد حرام (کعبہ شریف)، مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجدِ نبوی۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي»[3]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔"

2۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا»[4]

"اللہ تعالیٰ کو سب سے پسند مقامات مسجدیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔"

[1] الاعراف 7: 31

[2] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم النحر، رقم الحدیث: 1995

[3] ایضاً، کتاب فضل الصلوۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل مابین القبر والمنبر، رقم الحدیث: 1196

[4] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل الجلوس فی مصلاۃ بعد الصبح وفضل المساجد، رقم الحدیث: 671

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» [1]

"جو اللہ کے بندے اندھیرے میں مسجد جاتے ہیں، اُنہیں بشارت دے دو کہ قیامت کے دن ان کو اللہ کی طرف سے نورِ کامل عطا ہو گا۔"

اصلاح معاشرہ کیلئے مسجد کا کردار:

اصلاحِ معاشرہ کے لیے مساجد کا نمایاں کردار درج ذیل پہلوؤں کا حامل ہے:

1۔ روحانی تربیت میں کردار
2۔ معاشرتی کردار
3۔ مسجد اور تعمیر کردار
4۔ ثقافتی کردار
5۔ تعلیم و تعلم کا کردار
6۔ معاشی اور مالی کردار

1۔روحانی تربیت میں کردار:

مسجد مسلمان کی روحانی تربیت میں مندرجہ ذیل صورتوں میں اپنا کردار ادا کرتی ہے:

ا۔ طہارت وصفائی : مسلمان جب نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کا رُخ کرتا ہے تو وہ اپنی طہارت کا اہتمام کرتا ہے۔ اگر غُسل واجب ہے تو غُسل کرتا ہے، ورنہ وضو کرتا ہے اور پھر کپڑوں کی صفائی کا جائزہ لیتا ہے کہ کہیں کوئی گندگی تو نہیں لگی ہوئی۔ ظاہری صفائی کے ساتھ وہ باطنی گندگی یعنی شرک، کینہ، حسد، بغض وغیرہ سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

ب۔ توحید : نماز کی ادائیگی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي﴾ [2]

"نماز میری یاد کے لیے قائم کرو۔"

مسلمان جب نماز کے ترجمہ پر غور کرتا ہے تو عقیدہ توحید مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

ج۔ تعلق باللہ میں مضبوطی: مؤمن جب پانچ دفعہ مسجد میں جاکر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس عمل سے مسلمان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط تر ہو جاتا ہے۔

[1] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی المشئی الی الصلاۃ فی الظلام، مکتبہ عصریہ، بیروت، رقم الحدیث: 561؛ جامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی فضل العشاء والفجر، رقم الحدیث:223

[2] طٰہٰ 20: 14

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

د۔ فرائض کے ادا کرنے کا جذبہ: نماز جیسے اہم اور بنیادی فرض کی ادائیگی سے دوسرے تمام فرائض کو ادا کرنے کا جذبہ خودبخود پیدا ہو جاتا ہے۔

ر۔ روحانی قوت میں اضافہ: باجماعت نماز ادا کرنے سے روح کی تطہیر ہو جاتی ہے، کامل توجہ اللہ کی طرف ہونے سے دل شیطانی وسوسوں اور خیالات سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ اس عربی مقولہ کا مصداق بن جاتا ہے:

المؤمن فی المسجد کالسمك فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفس [1]

"مؤمن مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں اور منافق مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں۔"

پھر آپ ﷺ نے نماز کی اس خوبی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا : "بلال رضی اللہ تعالی عنہ ہمیں نماز کے ذریعے راحت پہنچاؤ۔" مساجد کا یہ کردار دنیا کی تمام عبادت گاہوں سے اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام دوسرے تصورات، شخصیات اور محسوسات سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

2۔ سماجی معاشرتی کردار:

مسجد مسلم معاشرے کا مرکز و مرجع ہے، اس لیے بہت سے معاشرتی اُمور اس سے وابستہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ ملّتِ واحدہ: مسلمان جب نماز کے لیے مسجد میں جاتا ہے تو اسے تمام مسلمان اسلام کے رشتہ اخوت سے جُڑے دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ مسجد میں ذات پات، رنگ و نسل، علاقے اور ملک، امیر اور غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا بلکہ بقول شاعر

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ب۔ حقوق و فرائض: جب مسلمان مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں تو آپس میں تمام حقوق و فرائض اَدا ہو جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو سلام و جواب کرنا، بیمار کی عیادت کرنا، باہم ایک دوسرے کا احترام اور حاجت مندوں کی مدد کرنا شامل ہے اس کے علاوہ دیگر حقوق العباد کا احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

ج۔ اجتماعی مسائل کا اِدراک: معاشرے میں مسجد کے ذریعے سے معاشرتی مسائل کا ادراک حاصل ہوتا ہے،

[1] عجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء و مزیل الالباس، مکتبہ العصریہ، بیروت، 2000ء، ص:2689

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد میں وہ ایک دوسرے سے بلارکاوٹ ملتے ہیں اور درپیش مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ کوئی لوڈشیڈنگ اور مہنگائی کا ذکر تا ہے تو کوئی بدامنی، دہشت گردی کے ظلم وناانصافی کی بات کرتا ہے اور ایسے ہی انفرادی مسائل کا اندازہ بھی ان کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے گھریلو مسائل کے بارے میں علم ہوتا ہے، دیہاتوں اور شہری آبادیوں کے مسائل کے حل کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

3۔ مسجد اور تعمیر کردار:

مسجد میں ہر طرح کے لوگ بوڑھے جوان بچے آتے ہیں اور ایک دوسرے سے میل ملاقات ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی اخلاقی حالت سامنے آتی رہتی ہے۔ مسجد میں پابندی کے ساتھ پانچ وقت حاضری دینے سے مؤمن کے اخلاق اور کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ تعمیر کردار میں مندرجہ ذیل باتیں نمایاں ہیں:

ا۔ پابندیٔ وقت اور وعدہ: نماز کو باقاعدگی سے وقت پر ادا کرنے سے انسان وقت کا پابند بن جاتا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے اور نبھانے کا شعور پاتا ہے۔ اگر انسان معاشرے میں ان باتوں کا عادی ہو جائے تو اس کے اثرات بہت اچھے ہوتے ہیں۔

ب۔ بے حیائی سے بچنا: نماز انسان کو بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ﴾ (1)

مسجد میں انسان، جھوٹ، غیبت، دھوکا، ٹھگی، چغلی، رشوت، چوری اور بے حیائی وغیرہ سے جزوی طور پر رُک جاتا ہے اور آخر کار مکمّل طور پر ان معاشرتی برائیوں اور لعنتوں سے اپنے آپ کو بچانے کا عادی ہو جاتا ہے۔

ج۔ منشیات وغیرہ سے بچاؤ: آدابِ مسجد کو ملحوظ رکھ کر مسجد میں جانے والا اس تباہ کن عادت سے بچا رہتا ہے، کیونکہ نشہ اور حواس باختگی کے عالم میں اسلام نے نماز کی ادائیگی سے منع کیا ہے اس لیے نمازی منشیات اور نشہ آور اشیا سے بچتا ہے۔

4۔ ثقافتی کردار:

مَساجد کا ایک کردار ثقافتی ہے۔ اسلامی ثقافت مسلمان کی زندگی کی عکاس ہوتی ہے اس سے مراد وہ اعمال و افعال ہیں جو اسلام کی آمد کے بعد وجود میں آئے اور ان کا تعلق مسجد سے ہے:

ا۔ صدقہ و خیرات: مسجد میں نمازِ جمعہ، رمضان المبارک اور عیدین کے موقع پر، زکوٰۃ و صدقات اور

(1) العنکبوت 29: 45

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خیرات دینے کا جذبہ مزید بڑھ جاتا ہے جس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

ب۔ اسلامی وضع قطع: مسلمان جب بھی مسجد کا رُخ کرتا ہے تو وہ اپنے لباس، وضع قطع اور دیگر اُمور کا اہتمام ضرور کرتا ہے، اس طرح مسلمانوں کی ایک ثقافت باقی رہتی ہے جو صرف مسجد کی بدولت ہے۔

ج۔ ملاقات کے آداب: مسلمان جب مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے مصافحہ اور معانقہ ضرور کرتے ہیں، خاص طور پر عیدین اور جمعہ کے موقع پر تو ناراض لوگ بھی آپس میں شیر وشکر ہو جاتے اور ایک دوسرے کو عیدین کی مبارک باد دیتے ہیں جو معاشرے میں نفرتوں کے خاتمہ کا ذریعہ ہے۔

5۔ مسجد اور تعلیم و تعلم کا کردار: مسجد ایک ایسا ادارہ ہے جو تعلیم و تربیت میں بنیادی اور اہم کردار کا حامل ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ پہلی تین صدیوں میں مسجد ہی وہ درسگاہ تھی کہ تمام علوم وفنون اس میں پڑھائے جاتے تھے۔[1] اور سب سے پہلے درس گاہ 'اصحابِ صفہ' کے نام سے مسجد نبوی ﷺ میں قائم ہوئی تھی۔ مسجد میں درسِ قرآن و حدیث کے ساتھ فقہ کے مسائل بیان کرنے کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ علم و عرفان کا بہت سا حصّہ مسلمان مسجد سے ہی سیکھتے ہیں اور ایک زمانے میں پاکستان میں مسجدِ مکتب سکولوں کا قیام بھی ہوا تھا جو بعض علاقوں میں آج تک چل رہا ہے۔

5۔ معاشی اور مالی کردار:

مسجد ہی معاشرے کے تمام اسلامی اور فی سبیل اللہ مالی معاملات کا مرکز ہوتی ہے۔ تمام فنڈز اور چندے مسجد میں جمع اور تقسیم ہوتے تھے مثلاً جہاد فنڈ، زکوٰۃ، صدقات وخیرات وغیرہ۔ یہ نظام مسجد سے وابستہ رہا ہے اور آج بھی اسے جاندار بنایا جاسکتا ہے۔

مسجد کے کردار کو ختم کرنے کی کوششیں:

مسجد دعوت و تبلیغ کا مرکز اور اسلامی معاشرے کا محور رہی ہے۔ مسجد ہی مسلمانوں کی ظاہری، باطنی اور مادی آبیاری اصلاح کرتی رہی۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر خلفا اور بعد کے دور میں بھی ایسا ہی کردار ادا کرتی رہی۔ دشمنوں نے اس کی اہمیت، مرکزیت اور ہمہ گیریت کو سمجھ کر اس کے خلاف گہری اور پوشیدہ سازشیں شروع کر دی تا کہ اس کے کردار کو ختم یا کم از کم کمزور ضرور کر دیا جائے۔

مسجد کے کردار کو مسخ کرنے والے عزائم دبیز اور رنگین پردوں میں چھپے ہوئے ہیں جن کا ادراک ضروری

[1] تاریخ ابن خلدون، 3/92

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے مسجد کے کردار کو ختم یا کم کرنے والے اسباب دو طرح کے ہیں:

1۔ اندرونی 2۔ بیرونی

1۔اندرونی اسباب:

اس سے مراد وہ اندرونی عوامل ہیں جو مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں جنہوں نے مسجد کے مقام، مقصد اور اہم پیغام کا گلا دبادیا ہے۔چند درج ذیل ہیں:

1۔ فرقہ پرستی اور مسلک پرستی: فرقہ واریت سے اُمّت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور اتحاد پارہ پارہ ہے۔ مذہبی گروہ بندی اور مسلک پرستی نے تباہی مچادی ہے،جب سے مسلمان تقسیم ہوئے ہیں تو ہر ایک فرقہ کی الگ مسجد ہے جہاں مخصوص سوچ و فکر اور مسلک کا پرچار کیا جاتا ہے۔ دوسروں کے خلاف منبر و محراب سے زہر اگلا جاتا اور اُنہیں کافر دائرہ اسلام سے خارج اور واجب القتل قرار دیا جاتا ہے اور اس تعصّب کے نتیجہ میں مسلم معاشرہ بے چینی اور بربادی کا شکار ہو چکا ہے۔

2۔ خطیبوں اور اماموں کا منفی کردار: مسجدوں میں مقرر کئے جانے والے امام و خطیب زیادہ تر کم تعلیم یافتہ اور خاص مسلک کے پیروکار ہوتے ہیں جو مثبت رول کی بجائے منفی ادا کرتے ہیں، وہ اصلاح کے بجائے بگاڑ اور انتشار پیدا کرتے ہیں، اس لیے معاشرہ علم و عمل اور دین سے بیزار ہوتا جارہا ہے۔ خطبا کی تقریریں غیر معیاری اور نامناسب ہوتی ہیں، اکثر من گھڑت موضوع واقعات و روایات بیان کرتے ہیں۔ اختلافی مسائل کو ہوا دے کر نفرت کا بیج بوتے ہیں۔ اس صورتحال میں خصوصی اصلاح اور توجہ کی ضرورت ہے۔

3۔ مساجد کمائی کا ذریعہ : مساجد کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے جس سے ان کا مرتبہ کم ہو گیا اور تاریخی مساجد کو آثارِ قدیمہ قرار دے کر سیر گاہ کا درجہ دے دیا گیا اور اس پر ٹکٹ مقرر کر کے کمائی کی جاتی ہے جو غیر موزوں ہے۔

4۔ عربی زبان سے دوری: تعلیمی پالیسی سازوں نے عربی زبان سے ناطہ توڑ کر بھی مسجد کے کردار کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کا زیادہ تر لٹریچر عربی زبان میں ہے۔ جس کو سمجھنے کیلئے عربی زبان کا فہم ضروری ہے اور مسجد کا اس میں اہم رول ہے کہ عربی زبان کی ترویج ہو۔

5۔ مسجد اور مقبرہ: مسجد مقبرہ جات کو یکجا کر کے اس کے روشن کردار کو بے نور کر دیا گیا ہے جس سے دعوتی و اصلاحی عمل رک گیا۔ اللہ پرستی کی جگہ قبر پرستی و دیگر خرافات نے لے لی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

6۔ مادہ پرستی اور دنیاداری: مسلمانوں میں دولت اور دنیاداری کی ہوس عام ہوچکی ہے۔ معاشرہ کا ہر فرد دولت جمع کرنے میں عظمت اور اپنی توقیر خیال کر رہاہے اور وہ ارب پتی بن کر بھی اپنے آپ کو کنگال تصور کرتا ہے اور ہر جائز وناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے کی فکر میں ہے۔ روحانیت اور آخرت کا خیال اس کے دل سے نکل چکاہے۔ مسجد کے کردار کو نقصان دینے والے اندرونی اسباب میں یہ بھی ایک سبب ہے۔

2۔ بیرونی اسباب:

مسجد کے مرکزی کردار کے خلاف بیرونی اسباب بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ناممکن ہے مگر جزوی طور پر ان کے ذکر سے مخالفین کی سوچ اور فکر کا اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے۔ مسجد کے خلاف سازشیں اور پروگرام بنانے والے چند مخالفین یہ ہیں:

ا۔ عیسائی : تاریخ اسلام میں مسجد کی عظمت اور مرکزیت کے خلاف سب سے پہلا پروگرام مسجدِ ضرار کی صورت میں سامنے آیا جو قبیلہ خزرج کے ابوعامر نامی شخص جو عیسائی بن گیا تھا، کے مشورہ سے منافقین مدینہ نے بنائی تھی اور ان کے مذموم اور ناپاک مقاصد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (1)

"تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ کچھ لوگوں نے ایک مسجد بنائی اس مقصد کے لیے کہ دعوتِ حق کو نقصان پہنچایا جائے اور اللہ کی بندگی کی بجائے کفر کریں اور مؤمنوں میں پھوٹ اور خلفشار پھیلائیں اور اس عبادت گاہ کو اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف اُٹھ چکا ہے۔ وہ ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ صرف بھلائی کا ہے مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔

(1) التوبہ 9: 108

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد ضرار کے تین اہم مقاصد:

- کفر و شرک اور گمراہی پھیلانے کے لیے ایک اڈہ بنانا۔
- مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کو ہوا دینا اور انتشار پھیلانا۔
- شر پسند اور سازشی ٹولے کو مذہبی لبادے میں پناہ دینا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہلاکو خان کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے میں اہم کردار عیسائیوں اور نصرانیوں کا ہے اور اسے تین چیزوں سے سخت نفرت تھی:

1۔ کتابوں سے... اس لیے وہ ساری کتب دریاؤں میں پھینکتا رہا۔

2۔ مساجد سے... جنہیں وہ گراتا گیا۔

3۔ پکی عمارتوں سے... وہ اُنہیں بھی برباد کرتا رہا۔

آخری صلیبی جنگ (1609ء) میں مسلمانوں پر پابندیاں لگانے پر ختم ہوئی۔ ان میں سے مساجد کو بند کرنا، انہیں گرجا گھروں میں تبدیل کرنا، اسپینی لباس پہننا، غسل کی ممانعت وغیرہ شامل تھا۔ الجزائر میں بھی بہت سی مساجد کو عیسائیوں نے اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کر دیا اور ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کا یہ کردار اس وقت ظاہر ہوا جب انہوں نے 1632ء میں الجزائر پر قبضہ کیا۔[1]

ب۔ **یہود:** یہودیوں کی اسلام دشمنی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور مذکورہ بالا مسجد ضرار یہودیوں اور عیسائیوں کی مشترکہ کاوش تھی۔ یہودیوں نے تحویل قبلہ کے موقع پر پروپیگنڈہ کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہودیوں نے ہمیشہ مسجدوں کی بے حرمتی کی اور مسلسل مساجد کے خلاف ان کی ناپاک سازشیں جاری رہی کیونکہ یہ مسلم معاشرے کا محور تھی۔ آج کے دور میں مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ یہودی جو کچھ کر رہے ہیں، اس سے ان کی مساجد دشمنی بالکل ظاہر و باہر ہو جاتی ہے۔

ج۔ **کمیونسٹ اور مسجد:** کمیونسٹ اور سوشلسٹ انقلاب کی تباہ کاریوں کا شکار مسلمانوں کی مساجد، مدارس اور اسلامی تہذیب و تمدن ہوئی۔ روس میں 1912ء میں 26275 مساجد تھیں جو 1942ء میں صرف 1312 باقی رہیں اور 1964ء تک یہ تعداد 250 رہ گئیں۔ ایک سروے کے مطابق مسجدوں کی ویرانی، بربادی اور انہدام کچھ یوں تھا:

[1] عبید قاسم و شبلی ، المسجد ونشاطہ الاجتماعی علی مدار التاریخ ، 129

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1۔ وسطی ایشیا اور ترکستان میں چودہ ہزار مساجد ختم کی گئیں۔

2۔ آذربائیجان میں چار ہزار اور جنوبی ایشیا میں سات ہزار مساجد کو گرایا گیا۔

چین کے ثقافتی انقلاب میں بھی مذہبی سرگرمیاں ممنوع قرار پائی اور مسجد اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو بند کیا گیا یا اُن کو تباہ کر دیا گیا۔ مذہبی کتابوں کو گھروں میں رکھنا بھی جرم قرار پایا۔[1]

د۔ ہندو، سکھ اور مساجد: انتہا پسند اور متعصّب ہندو اور سکھ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے بھی شعائر اسلامیہ کے خلاف سنگین معاندانہ رویہ اپنائے رکھا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ہزاروں مساجد کو گرایا، جلایا گیا یا جانوروں کے باڑے میں تبدیل کر دیا گیا اور بابری مسجد کی شہادت ہندوؤں کے خبثِ باطن کو واضح کر دیتی ہے۔ سکھوں نے بھی مساجد کی بے حرمتی کی اور ہمیشہ مسجد دشمنی میں پیش پیش رہے۔

ر۔ بہائی اور قادیانی: بہائی اور قادیانی مذہب کے پیروکاروں نے یہود و نصاریٰ کا آلہ کار بن کر مسلمانوں کے عقائد اور ایمان کو متزلزل کیا۔ انتشار پیدا کیا اور مساجد کا استعمال کر کے سادہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور مسجد کے کردار کو مثبت کی بجائے منفی رنگ دے دیا ہے۔[2]

یہ چند اندرونی و بیرونی اسباب ہیں جو مساجد کے کردار کو بے جان بنا رہے ہیں۔

موجودہ دور میں مسجد کے اصلاح و تعمیری کردار کی بحالی کے لیے اقدامات اور تجاویز:

دورِ حاضر میں ہماری اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر چکا ہے جو اُمت مسلمہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔ یہ اُمت واحدہ اب مختلف فرقوں، گروہوں، گروپوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ مسلم معاشرہ بگاڑ، انتشار، خلفشار، گمراہ کن افکار، رذیلہ اخلاق و کردار کا بھیانک نمونہ پیش کر رہا ہے۔ اخلاقی جرائم بے حیائی، فحاشی کا طوفانِ بد تمیزی ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ معاشرے میں بے چینی، بدامنی، بے سکونی، وحشت و دہشت گردی عام ہے۔ قتل و غارت، ڈاکہ زنی، رہزنی، بددیانتی، بدعہدی، رشوت، دھوکہ دہی، ملاوٹ، جھوٹ، فریب کا چلن ہے۔ ان مفاسد کو ختم کرنے کے لئے ایسے عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جو قرونِ اولیٰ میں کئے گئے تھے کہ جس کی بدولت وہ معاشرہ امن و سکون، محبت و آشتی اور خوشحالی کا ایسا بے مثال نمونہ بن گیا تھا کہ یمن کے دارالخلافہ صنعا سے ایک اکیلی عورت حج کے لیے تمام زیب و زینت اور زیورات پہن کر چلی تو مکّہ تک اس کی طرف کوئی نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ وہ معاشرہ

[1] تقی عثمانی، مولانا، جہاں دیدہ، ص:458

[2] عبداللہ قاسم الوشلی، المسجد ونشاطہ الاجتماعی التاریخ، ص:365-398

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس قدر مصلح، تربیت یافتہ اور خوشحال بن گیا تھا کہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لیے نکلتے تھے کہ کوئی وصول کرنے والا مستحق نہیں ملتا تھا۔[1]

عصر حاضر میں مساجد کی آبادکاری کے لیے عملی اقدامات:

یقیناً اس دور کا آغاز مسجد کے ساتھ مضبوط تعلق سے ہوا تھا۔ آج اگر ہم اپنے بگڑے اور تباہ حال معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں پھر سے معاشرے میں مسجد کی اجتماعیت، مرکزیت کا وہ مقام واپس لانا ہوگا اور یہ اقدامات کرنا ہوں گے:

1۔ مسجد کے ساتھ ربط
2۔ مسجد اور باہمی اُخوت و مساوات
3۔ مسجد تعلیمی و تربیتی ادارہ
4۔ مسجد اصلاحی، رفاہی، اور اجتماعی فلاح و بہبود کا مرکز
5۔ دارالمطالعہ، لائبریری کا قیام
6۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کی مساجد

1۔ مسجد کے ساتھ ربط:

ہر مسلمان کو مسجد کے ساتھ اپنے تعلق کو اس قدر مضبوط بنانا چاہیے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرے اور انفرادی عبادت کا اہتمام بھی مسجد میں کرے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

"اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والا اہل اللہ ہیں۔"

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھتے ہیں:

"بلاشبہ مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کرنا دین کا بڑا شعار ہے اور اس کی علامتوں میں سے ہے۔"[2]

مسجد کے ساتھ تعلق جوڑنے سے معاشرتی برائیوں سے خود بخود جان چھوٹ جاتی ہے کیونکہ نماز تمام بے حیائی اور نافرمانیوں سے روکتی ہے۔ دوسروں کو بھی ترغیب دینے کی ضرورت ہے۔

2۔ مسجد اور باہمی اخوت و مساوات:

مسجد میں آنے سے باہمی تعلقات پختہ ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے بہت ساری نفرتوں، کدورتوں کا خاتمہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اخوت و مساوات، اُلفت و شفقت کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں۔ آج

(1) اکبر نجیب شاہ نجیب آبادی، مولانا، تاریخ اسلام، 210
(2) ابن قیم، کتاب الصلوۃ، ص:105

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاشرے میں جدید وقدیم جہالت کے جو فتنے ہیں ان کا علاج مسجد سے ممکن ہے کیونکہ :

بندہ و آقا، محتاج و غنی سبھی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اور اس کے لیے باقاعدہ خطباء وائمہ کو چاہیے کہ قرآن و حدیث سے ایسے موضوعات تیار کر کے عوام الناس کی رہنمائی فرمائیں۔

3۔ تعلیمی وتربیتی مرکز:

مسجد مسلمانوں کے لیے تعلیم کا بہترین ادارہ ہے اسے تعلیم و تربیت کا مرکز بنا کر اُمّت کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں دن میں پانچ دفعہ، ہفتہ میں ایک دفعہ ہر مسلمان حاضری خوشی سے دیتا ہے۔ ہمارے علماو خطباعزم کرلیں کہ ہمیں معاشرے کے افراد کی اصلاح کا کام تعلیم سے کرنا ہے تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس فریضہ کو یوں ادا کیا جاسکتا ہے:

ا۔ خطبہ جمعہ: جمعہ کے خطبہ میں جاندار اور مؤثر تقریر ہونی چاہیے۔ دین کے بنیادی عقائد، عبادت و معاملات اور اخلاقیات پر ترتیب سے خطبات دیئے جائیں۔ گفتگو عام فہم، جامع اور دلچسپ انداز میں کی جائے۔ سامعین کی ذہنی سطح کا خیال رکھا جائے موقع و مناسبت سے گفتگو کی جائے۔

ب۔ درسِ قرآن وحدیث: فرض نماز کی باجماعت ادائیگی کے بعد اذکار اور قرآن و حدیث کے درس کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے۔

ج۔ قرآن مجید کی تعلیم: مسجد میں قرآن مجید کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ حدیث وسیرت کی تعلیم بہت لازمی ہے۔ عقائد، تاریخ اسلام بھی بچوں کو سکھائے جائیں۔ ناظرہ، حفظ اور ترجمہ کی کلاس کا اجرا کیا جائے اور اس کے لیے تربیت یافتہ مدرّسین مقرر کئے جائیں تاکہ وہ اپنے شاگردوں کی بہتر تعلیم و تربیت کر سکیں۔ (اس پر الگ سے ایک کورس تشکیل دیا جارہا ہے۔) انشاءاللہ

د۔ تعلیم بالغاں: بوڑھے اور عمر رسیدہ یا نوجوان جو اَن پڑھ ہیں، ان کی تعلیم کا سلسلہ شروع کرکے اُنہیں اسلام کی تعلیم دی جائے۔

ر۔ خطاب یا درس وغیرہ: گاہے بگاہے خصوصی موضوعات پر لیکچر کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ مختلف اصلاحی موضوعات کا انتخاب ضروری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

س۔ مقابلے وغیرہ : علمی، تاریخی اور دیگر موضوعات پر تقریری، تحریری یا کوئز مقابلے نوجوانوں اور بچوں کے مابین منعقد کرنے چاہیے اور اُنہیں انعامات دینے چاہیے تاکہ ان کا رحجان مسجد کی طرف ہو۔

ش۔ کوچنگ کلاسز: سکول و کالج کے نادار طلبا کے لیے فری کوچنگ کلاسز کا انتظام کرنا چاہیے ساتھ ہی کوئی اصلاحی پروگرام ترتیب دینا چاہیے۔ تاکہ تعلیم کے ساتھ ان کی فکری اور اخلاقی اصلاح ہو سکے اور دعوتی اصلاحی گروپ تشکیل دے کر دوسروں کو مسجد آنے کی دعوت دینے کی ضرورت ہے اور مختلف موضوعات پر لٹریچر بھی مسجد انتظامیہ کو مہیا کرنا چاہیے۔

4۔ مسجد اصلاحی، رفاہی اور اجتماعی فلاح و بہبود کا مرکز:

مسجد نہ صرف عبادت کی جگہ ہے بلکہ اصلاحی، رفاہی اور فلاح و بہبود کا مرکز بھی ہے۔ اس لیے اس کی اس حیثیت کو مزید مضبوط اور بہتر کیا جائے اور اس کے رول کو پھر سے بحال کیا جائے۔ روز مرہ کے معاملات کے لیے درج ذیل انتظامات کیے جائیں:

ا۔ ایمبولینس سروس، بیمار اور آفت زدہ افراد کی مدد کیلئے

ب۔ فری ڈسپنسری، تعلیم یافتہ ڈاکٹر اور ضروری ادویات کی فراہمی

ج۔ لوکل عدالت اور پنچائت کمیٹی جس کے لیے عدیل اور ایماندار لوگوں کا انتخاب کیا جائے۔

د۔ مہمان خانہ کا قیام / ہاسٹل کا قیام

5۔ لائبریری کا قیام:

مسجد میں مناسب لائبریری ہونی چاہیے اور کتب بینی کے لیے بھی پر سکون ماحول مہیا کیا جانا چاہیے۔ مطالعہ کے لیے جدید رسائل و اخبارات اور نئی چھپنے والی کتابیں بھی مہیا ہونی چاہیے، اس لائبریری میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت بھی ہو تاکہ اسلام پر ہونے والی ریسرچ کا مطالعہ و مشاہدہ ہو سکے۔

6۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کی مساجد:

امریکہ و برطانیہ اور یورپ میں مساجد جدید سنٹر کی شکل میں بنائی گئی ہیں اور وہاں معاشرتی زندگی کی تمام ضروریات اور تقاضے پورے کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ روحانی، مادی، مالی اور دیگر پروگرام بھی مساجد کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں، اس لیے وہ مسلمان ممالک کی بنسبت زیادہ فعال اور جاندار کردار ادا کر رہی ہیں۔ وہاں غیر مسلموں اور مسلمانوں کے شبہات اور سوالات کا شافی جواب دینے کے لئے انتظام ہوتا ہے، وہاں مساجد میں ابتدائی تعلیم کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سہولت بھی ہے بچوں اور بڑوں کیلئے تفریح کے مواقع بھی ہیں، وہاں اضافی طور پر درج ذیل مراعات کا انتظام ہوتا ہے:

اسلاموفوبیا کے بڑھتے ہوئے رجحان میں اس وقت مساجد کے ذریعے اہم پیغام دیا جا سکتا ہے ائمہ و خطباء کو جوید اداروں میں ٹریننگ کروا کر موثر بنایا جا سکتا ہے۔

ا۔ شام کا اصلاحی سکول: شام کا سکول اہم ادارہ ہے جو نئی نسل کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ یورپ کے معاشرے اور نظام زندگی اپنانے والے اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ ادارے مسلمان بچوں اور بڑوں کو ان کی شناخت، ثقافت، مذہب، روایات زندہ رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ عربی اور اُردو کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ب۔ بوڑھوں کے لئے مرکز: یورپ میں خاندانی نظام نہیں ہے۔ بڑھاپے میں لوگ بے سہارا اور بے آسرا ہوتے ہیں۔ ان عمر رسیدہ لوگوں کے لیے مساجد ایک عظیم پناہ گاہ کا درجہ رکھتی ہیں یہ ادارے ان کی دیکھ بھال کا فرض بھی ادا کر رہے ہیں۔

ج۔ مکتبہ اور دارالمطالعہ: ان مساجد میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ہر طرح کا لٹریچر مہیا کیا جاتا ہے۔ پڑھنے والوں کے لیے مختلف زبانوں میں کتابیں، رسائل اور اخبارات ہوتے ہیں۔

د۔ دیگر سرگرمیاں: مساجد میں بڑے بڑے اجتماعات اور دیگر پروگرام ہوتے ہیں خصوصاً رمضان المبارک میں مسلمان مرد اور عورتیں بچے مل کر اجتماعی افطاریاں کرتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں سب کے لیے دلچسپی کے مواقع الگ الگ مہیا کئے جاتے ہیں۔

سفارشات:

- رسول اللہ ﷺ نے اسلام کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ انسانوں کی پوری زندگی اور اس کی سرگرمیاں دین کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کی تربیت اور تعمیر کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کو مسجد کہا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں مساجد کا کردار نمایاں اور عیاں ہے۔ آج کل کے معاشرے میں انارکی اور افراتفری ہے۔ ہر طرح کے جرائم: معاشی، معاشرتی، اخلاقی، جنسی عام ہورہے ہیں۔ انسانیت کا خون ارزاں ہے، شدت پسندی، دہشت گردی اور عدم برداشت کی فضا قائم ہے۔ غربت و افلاس مسلمانوں کا مقدر بن گیا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں شہروں اور قصبوں میں لاکھوں مساجد ہیں مگر اُن سے اصلاح معاشرہ کا مؤثر طریقے کام نہیں لیا جارہا۔ آج کے اس پُرفتن دور

www.KitaboSunnat.com

میں ہمیں اصلاح معاشرہ کے لیے مسجد کے کردار کو پھر سے فعال بنانا ہوگا اور اِنہی خطوط پر عمل پیرا ہونا ہوگا جنہیں اپنا کر عرب کے بدو دُنیا کے امام اور رہبر بن گئے۔

- ریاستی اداروں کو اس سلسلہ میں اہم اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے بالخصوص اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور ذیلی ادارے وزارت مذہبی امور کے مساجد کے نظام نظام کو مؤثر بنانے کے لیے بین المذاہب اور بین المسالک ہم آہنگی، رواداری، معاشرتی و سماجی رہنمائی کے لیے ایسے خطبات تیار کروائے جو عوام الناس کی رہنمائی کا سبب بنیں۔
- علماء و خطباء وائمہ کے سماجی مقام و مرتبہ کو بڑھانے کے لیے موثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ باقاعدہ طور پر (Pay Package) کے مطابق مراعات دی جائیں۔
- علماء و خطباء ائمہ کی قومی دھارے میں تربیت کے لیے دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کو مزید موثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ مزید صوبائی اور ریجنل سطح پر تربیتی ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔
- ہر مسجد کے ساتھ باقاعدہ قرآن و سنت سینٹر قائم کیے جائیں جو دینی شعار کو اجاگر کر سکیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غذائی قلت کے اسباب، تدارک کے لیے عملی اقدامات سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

ادارہ خوراک وزراعت ایف اے او کی ایک حالیہ رپورٹ (State of Food in security in the World) میں کہا گیا ہے موسمیاتی تبدیلیوں کے مضر اثرات کے باعث سب سے زیادہ خوراک کے وسائل کی سلامتی شدید زد میں ہے۔ اسی رپورٹ میں یہ بھی خبر دار کیا گیا ہے کہ دنیا کی آبادی 2040 تک 9.6 بلین ہو جائے گی۔ جس کے لیے مطلوبہ غذائی وسائل کو یقینی بنانے کے لیے موسمیاتی تبدیلیوں کے مہلک اثرات پر قابو پانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جسے نظر انداز کرنے والے ممالک بری طرح غذائی قلت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اور اس وقت دنیا کی سات ارب سے زائد آبادی میں سے 795 ملین افراد غذائی کمی کا شکار ہیں یعنی ہر نو افراد میں سے ایک فرد غذائی کمی کا شکار ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں 41.4 ملین افراد غذائی کمی کا شکار ہیں۔[1]

پاکستان پر اس وقت بھوک اور پیاس کے بادل منڈلا رہے ہیں، پورا ملک غذائی قلت کا شکار ہے۔ خاص طور پر صوبہ سندھ اور بلوچستان کے اکثر حصے قحط کی لپیٹ میں ہیں۔ کئی ہزار ایکڑ زرعی رقبہ بنجر ہو چکا ہے۔ گھاس اور پانی کی کمی سے مویشیوں کی ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔ بجلی کی بار بار بندش کی وجہ سے معمول کی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ صنعت اور زراعت پر نزع کی کیفیت طاری ہے۔ اس کے اسباب کیا ہیں اور اس کے حل کے لیے عملی اقدامات کیا ہوں گے؟ اس پر بہت کم لوگ توجہ دیتے ہیں بلکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ماضی کی طرح اس عذابِ الٰہی کی توجیہ اور اس کے اسباب وعوامل اور علاج کی تدبیریں بھی خالصتاً مادّی ذہنیت سے کی جا رہی ہیں۔

اصل اسباب اور وجوہات کی طرف توجہ دینا اور ان کو حل کرنا شاید کوئی اپنی ذمہ داری ہی تصور نہیں کرتا۔ حسبِ روایت ہر نئی حکومت سابقہ حکمرانوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر بزعم خود اپنا فرض پورا کر لیتی ہے اور اس حوالے سے ٹی وی اور ریڈیو پر چند مذاکرے کروا کر، اخبارات میں چند خبریں لگوا کر اور قومی خزانے سے قحط زدگان کی اِمداد کم اور تشہیر زیادہ کر کے حکومت گویا اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے لیتی ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے بہر حال ہمارا فرض ہے کہ ان مشکلات کے سدباب اور عملی اقدامات کے لئے ہم اپنے دین سے رہنمائی حاصل کریں۔ اس غرض سے مقالہ ہذا میں غذائِی قلت کے اسباب اور تدارک کے لیے عملی اقدامات سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جاننے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ تاہم اس کے کچھ بنیادی اسباب ضرور پیش نظر رہنے چاہئیں۔ جن

(1) FAO, IFAD W.F.P State of Food in security in the World, 2017, p.8-10

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سے بہت ہی اہم برے اعمال اور ربّ کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾[1]

"خشکی اور تری میں لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے فساد پھیل گیا تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو بعض برے اعمال کی سزا انہیں دنیا میں چکھادے، شاید کہ لوگ برے اعمال سے باز آجائیں۔"

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾[2]

"اور (لوگو) تم پر جو مصیبت آتی ہے تو تمہارے ہاتھوں نے جو کیا اس کی سزا میں اور بہت (سے قصور) معاف کردیتا ہے۔"

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾[3]

"اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو امن والی، اطمینان والی تھی اس کے پاس اس کا رزق کھلا ہر جگہ سے آتا تھا۔ تو اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ اس کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔"

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو یہ بات سمجھادی ہے کہ دنیا میں غذائی قلت، قحط، سیلاب، زلزلے، طوفان، اندرونی وبیرونی جھگڑے اور فسادات یا معاشی واقتصادی اور اخلاقی بدحالی کی کوئی بھی شکل ہو، یہ سب انسان کے اپنے اعمال کا ہی نتیجہ ہے اور یہ ساری مصیبتیں اور آزمائشیں انسان پر اس لئے آتی ہیں کہ انسان ان سے عبرت حاصل کرے اور انہیں اپنی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہوئے اپنے حالات میں تغیر پیدا کرے۔

Global Hunger Index 2017ء کی سروے رپورٹ کے مطابق غذائی قلت کے اسباب:

عالمی سطح پر بھوک کے گوشوارے میں پاکستان کا نمبر ۱۱ ہے جبکہ انڈیا ۲۵ اور بنگلہ دیش ۳۲ویں نمبر پر ہے۔ یعنی پاکستان میں حالات انڈیا اور بنگلہ دیش سے بھی برے ہیں۔ قومی غذائی سروے کے مطابق 58.1٪ گھرانے

(1) الروم30: 41

(2) شوریٰ42: 30

(3) النحل:112

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غذائی قلت کا شکار ہیں۔

NNS 2017 indicated that 58.1% of households were food insecure nationally.

پاکستان ان ممالک کی فہرست میں شامل ہے۔ جن میں عورتوں اور بچوں پر مشتمل نصف آبادی غذائی قلت کا شکار ہے۔ پچاس فیصد غیر حاملہ خواتین خون کی کمی، بیالیس فیصد زنک وٹامن ڈی، چھیاسٹھ فیصد وٹامن اے کی کمی کا شکار ہیں۔ حاملہ خواتین میں پندرہ فیصد خون کی کمی چھیالیس فیصد وٹامن اے ڈی اور 47 فیصد زنک کی کمی کا شکار ہیں۔

گاؤں میں غذائی کی کمی کی وجہ سے اکثریت پانچ سال کی عمر سے پہلے ہی فوت ہو جاتی ہے۔ اکسفام کی سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان کے 57 فیصد افرد کو بھوک مٹانے کے لیے مناسب غذا نہیں ملتی، ان میں سے 42 فیصد لوگ غذائی کمی کی وجہ سے مختلف بیماریوں کا شکار ہیں۔ 28 فیصد آبادی تو بنیادی غذا سے ہی محروم ہے۔

یونیسف کی 2017 کی رپورٹ کے مطابق پانچ سال سے کم عمر ایک ہزار میں سے 86 بچے ہر سال مختلف قابل علاج بیامروں میں مبتلا ہو کر فوت ہو جاتے ہیں اور ان میں سے 35 فیصد اموات کی وجہ غذائی قلت ہے۔[1]

سوشل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ SDPI کی رپورٹ کے مطابق نصف آبادی مناسب غذا سے محروم:

Almost half of the population of Pakistan (48.6%) does not have access to sufficient food for healthy life at all time.[2]

اسٹیٹ بینک کی رپورٹ 2019 کے مطابق پاکستان کے شہری علاقوں میں 56 ملین افراد میں سے 21 ملین غذائی قلت کا شکار ہیں۔ اور روزانہ 1700 کیلوریز فی کس غذائیت کے عالمی معیار سے بہت کم خوراک کے حامل افراد کی تعداد گزشتہ چند برسوں میں 35 ملین سے بڑھ کر 45 ملین ہو چکی ہے۔ کم آمدنی کی بنا پر پسماندہ طبقات کی خوراک تک رسائی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ 60 فیصد آبادی اپنی غذا پر کم خرچ کر رہی ہے جس سے مناسب غذائی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔

The major hindrance in achieving food is the high level of poverty.

قومی سطح پر خوراک کے ذخائر ہونے کے باوجود لوگوں کو ان تک رسائی حاصل نہیں، غربت کی وجہ سے ان میں قوت خرید ہی نہیں۔ سخت معاشی ناہمواریوں اور زمین کی غیر منصفانہ تقسیم نے ایسے حالات پیدا کیے ہیں۔

(1) unique Pakistan Amuat Report 2017, p.7

(2) SDPI, Food insecurity in Pakistan SDPI Karachi, 2009, p.90

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوراک کی رسد میں بہتری آنے کے باوجود معاشرہ کو غذائی قلت کا سامنا، پاکستان کا بڑھتا ہوا مسئلہ ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کی 68 فیصد آبادی زراعت پر انحصار کرتی ہے۔ اور 28 فیصد لائیو سٹاک پر۔ تمام غذائی اجناس دیہاتوں میں پیدا ہوتی ہیں مگر دیہی آبادیاں زیادہ تر غذائی قلت کا شکار ہیں۔

دودھ اور گندم جیسی بنیادی خوراک پیدا کرنے والا ملک ہونے کے باوجود لوگ غذائی قلت کا شکار کیوں؟ پاکستان میں چاول، گندم، مکئی، سبزیاں، پھل وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ پاکستان گندم، چاول آم اور سنگترے بر آمد کرنے والا ملک ہے اور دودھ پیدا کرنے والے دس بڑے ممالک میں شامل ہے۔ اسٹیٹ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان بھینسوں کی تعداد کے اعتبار سے دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر، بکریوں کی تعداد کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر، مویشیوں کی تعداد کے لحاظ سے ساتویں نمبر پر، یہاں پر دستیابی کا مسئلہ نہیں، بلکہ سماجی و اقتصادی رسائی نہیں ہے۔

کھانے پینے کی اشیاء کی مہنگائی:

غذائی قلت کا اہم سبب بہت زیادہ مہنگائی ہے۔ FAO کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں 2006 سے 2017 تک گندم اور چاول کی قیمتوں میں 55 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ صرف 2015 میں چاول اور آٹے کی قیمتوں میں 15 فیصد ہوا۔ اور یہ اضافہ مسلسل ہوتا چلا جارہا ہے۔ عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق گندم کی قیمت میں 120 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ پسماندہ گھرانوں کی قوت خرید میں بھی کمی ہوئی ہے۔ مزدور کی اجرت میں خاصا اضافہ نہیں ہوا جبکہ کھانے پینے کی اشیاء میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔

توانائی کا بحران:

توانائی کے بحران سے بے روزگاری میں اضافے اور روزگار کے کم مواقع کی وجہ سے بھی قوت خرید بہت کم ہوئی ہے۔ 6 افراد پر مشتمل خاندان کا خرچ کم از کم 48 ہزار روپے ماہانہ ہے جس میں رہائش، بلز تعلیم وعلاج کے لیے بالترتیب، 2، 3، 4، ہزار روپے مختص کیے ہیں۔ حالانکہ ان پر خرچ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

پینے کے لیے صاف پانی کی عدم دستیابی:

پانی انسانی خوراک کا اہم ترین بنیادی جزو اور اللہ کی عطا کردہ بیش بہا نعمت ہے مگر پاکستان میں قدرت کی یہ نعمت بھی اپنی خالص شکل میں میسر نہیں۔ پاکستان کونسل آف ریسرچ ان واٹر ریسورسز نامی سرکاری ادارے کی تحقیقات کے مطابق شہروں میں صرف 15 فیصد اور دیہات میں صرف 18 فیصد افراد کو پینے کا صاف پانی میسر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ آلودہ پانی کئی بیماریوں کی بڑی اہم وجہ ہے۔ 2017 میں پاکستان ٹوڈے میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق ملک میں 40 فیصد اموات کی وجہ آلودہ پانی ہے۔ بچوں کی 40 فیصد اموات بھی صاف پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں اور سالانہ اڑھائی لاکھ بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ 80 فیصد بیماریوں کی وجہ گندا پانی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج وطن عزیز غذائی قلت اور قدرتی آفات کی لپیٹ میں ہے۔ چند ایک بنیادی اسباب جاننے کے بعد غذائی قلت کے خاتمہ کے لیے چند ایسے عملی اقدامات کا تذکرہ کیا جائے گا جن کو رسول گرامی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے اختیار فرمایا کہ ہم کس طرح غذائی قلت کا شکار ہونے سے بچ سکتے ہیں اور اس کا تدارک کس طرح ممکن ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی سے بچنا، زکوۃ کی ادائیگی کو معاشرے میں پروان چڑھانا:

جو قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں پر امیدیں لگالے اور ناپ تول میں کمی بیشی کرنا شروع کر دے تو ایسی قوم بھی بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جایا کرتی ہے۔ سورہ ہود میں اللہ نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دیتے رہے اور ناپ تول میں کمی بیشی سے منع کرتے رہے لیکن ان کی قوم نے صاف کہہ دیا کہ اے شعیب علیہ السلام! ہم تیرے کہنے پر اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتے اور ناپ تول میں کمی بیشی سے بھی باز نہیں آسکتے حضرت شعیب علیہ السلام کے بار بار نصیحت کرنے اور سمجھانے کے باوجود جب قوم باز نہ آئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ﴾[1]

"میری قوم! تم اپنی جگہ جو کرتے ہو، کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور رسوا کن عذاب کی لپیٹ میں کون آتا ہے؟

پھر قوم شعیب علیہ السلام پر عذابِ الٰہی کا کوڑا برسا اور زوردار آواز نے ان کے کلیجے چیر دیئے اور وہ ایسے ختم کر دیئے گئے جیسے وہ وہاں کبھی آباد ہی نہیں رہے تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ناپ تول میں کمی بیشی کوئی معمولی نہیں بلکہ سنگین جرم ہے اور اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ پیداوار میں کمی کر کے قحط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(1) ہود:۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«نَقصُ المکیال والمیزان الاخذوا بالستین»[1]

”جو لوگ ناپ تول میں کمی بیشی کریں گے: اللہ تعالیٰ ان کی پیداوار کم کردے گا اور ان پر قحط مسلط فرمادے گا۔“

آج اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو بے شمار تاجر ایسے ملیں گے جو اس گھناؤنے جرم کو اپنی ذہنی ہوشیاری اور چالاکی سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم کے لئے دنیا میں قحط اور دنیا و آخرت میں عذابِ الیم کی وعید سنائی ہے۔

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴾[2]

”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«ما نقض قوم العهد إلا كان القتل بينهم ولا ظهرت الفاحشة في قوم إلا سلط الله عليهم الموت ولا منع قوم الزكاة إلا حبس عنهم القطر»[3]

”جو قوم وعدے کی پاسداری نہیں کرے گی، ان کے درمیان قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی اور جس قوم میں زناکاری عام ہو جائے گی، ان پر اللہ تعالیٰ موت مسلط فرمادے گا اور جو قوم زکوٰۃ روک لے گی، اللہ تعالیٰ ان سے بارانِ رحمت کو روک لے گا۔“

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا:

«لم ينقص قوم المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين وشدة المؤنة وجور السلطان عليهم ولم يمنعوا الزكاة أموالهم إلا منعوا القَطْرَ من السماء ولولا البهائم لم يمطروا»[4]

”جو قوم ناپ تول میں کمی بیشی کرتی ہے، اس کو قحط سالی کی سخت مصیبتوں میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور ظالم حکمران ان پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں اور جو لوگ اپنے مال سے زکوٰۃ روک لیتے ہیں، ان

(1) المنذری، عبد العظیم، ابو محمد، الترغیب والترھیب، باب فی الترغیب فی الکذب وعقابہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1407ھ، رقم الحدیث 2344، ص 96

(2) المطففین 1۔3

(3) ترغیب و ترہیب، باب فی الترغیب فی الکذب وعقابہ، رقم الحدیث: 2344

(4) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، رقم الحدیث: 4019

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے بارشیں روک لی جاتی ہیں۔اگر جانور نہ ہوتے تو بالکل بارش نہ ہوتی۔"

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے دنیا میں قحط اور خشک سالی جیسی نہایت سنگین سزا تیار کر رکھی ہے اور آخرت میں عذاب جہنم کی شدید وعید سنائی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾[1]

"اور جو لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو جس دن اس خزانے کو نارِ دوزخ میں گرم کیا جائے گا۔پھر اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لئے خزانہ بنا کر رکھا تھا، اپنے خزانوں کا مزہ چکھو!"

زرعی پیداور میں عشر اور صدقہ وخیرات کی ادائیگی کی تلقین:

عہد نبوی ﷺ میں ریاست مدینہ میں صاحبان مال وزر سے دولت کی وصولی اور ضرورت مندوں میں اس کی تقسیم کا اہتمام کرنا سرکاری سطح پر کیا گیا اس سلسلہ میں باقاعدہ طور پر سرکاری تقرریاں کی گئیں۔رسول کریم ﷺ نے صدقہ فطر کا حکم زکوۃ کی فرضیت سے بھی پہلے دیا اور مسلمانوں میں سے ہر آزاد اور غلام مرد وعورت پر فرض کیا۔

امام بخاری عنوان قائم کرتے ہیں:باب فرض رسول اللہ ﷺ زکوۃ الفطر.......

رسول کریم ﷺ نے معاشرے کو قحط سالی سے بچانے کے لیے عملی اقدامات فرمائے مجبور ومقہور طبقوں کی کفالت کا نظام وضع فرمایا۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«زاشدبنی سعدان رسول اللہ ﷺ قال: انا اولی من لا ولی له»[2]

"جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست میں ہوں۔"

رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(1) التوبہ 9: 34-35

(2) نسائی، کتاب الفرائض، ذکر اختلاف الفاظ الناقلین، بخبر لمقداد بن معدیکرب فی توریاث الخال، رقم الحدیث: 6323

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللهﷺ لا یودی زکاته الا حمی علی فی نار جھنم فیحمل صفائح فیکوی بھا جنیاہ وجنبینه حتی یحکم الله بینع بادۃ فی یوم کان مقدار خمسین الف سنة»[1]

"جو شخص اپنے مال سے زکوٰۃ نہیں دیتا، قیامت والے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا کر اس کے دونوں پہلو، پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا۔ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک اس کا یہی حال رہے، اس کے بعد اسے جنت یا جہنم میں لے جایا جائے گا۔"

اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داری ہے بنتی ہے کہ صاحب ثروت سے زکوۃ وصول کرے سامان تجارت، کاروباری منافعوں پر تاجروں سے زکوۃ لے اور زرعی اجناس پر عشر کے نظام کو موثر انداز میں نافذ کرے اور جاگیرداروں وڈیروں سے عشر وصول کرے۔

توخذ من اغنیاء ھم و تردد الی فقراء ھم۔ کی حدیث مبارکہ پر عمل کیا جائے۔ غریب کی بقاء کے لیے ضروری ہے کہ حکومت زکوۃ و عشر کی وصولی کے ساتھ ساتھ دیگر محاصل کی وصول کا بندوبست کر کے ٹیکس کا دائرہ غربا کی طرف بڑھانے کی بجائے امراء کی طرف بڑھائے پاکستان میں صورتحال یہ ہے کہ دولت مند جاگیردار طبقہ براہ رست حکومت کا حصہ ہیں لہذا وہ غریب دوست کی بجائے امیر دوست پالیسیاں بنوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بے حیائی اور فحاشی سے بچنے کی تلقین کرنا:

جس معاشرے میں بے حیائی، فحاشی اور عریانی بدکاری اور زناکاری عام ہو جائے وہ معاشرہ بھی غذائی قلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے سورۂ یوسف میں اہل مصر کی اخلاقی بدحالی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ مصر کے عوام تو عوام رہے وہاں کے حکمرانوں کی بیگمات بھی زناکاری کی دلدل میں بری طرح مبتلا تھیں اور بدکاری کی اس حد تک رسیا تھیں کہ اپنے ناپاک منصوبے میں ناکامی کی صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بے گناہ پابندِ سلاسل کرا دیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم نے شہادت دی کہ اس زناکاری اور فحاشی کی دلدل میں پھنسے ہوئے معاشرے پر اللہ تعالیٰ نے سات سال تک قحط مسلط کئے رکھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

(1) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ، رقم الحدیث:2292

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«إذا ظهر في قوم الزنا والربا فقد أحلوا بأنفسهم عتاب الله»[1]

"جس قوم میں زناکاری اور سود خوری عام ہو جائے وہ اپنے لئے اللہ کے عذاب کو حلال کر لیتی ہے۔"

آج کس قدر افسوسناک بات ہے کہ 'لا إله إلا الله' کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آنے والے وطن عزیز پاکستان میں اس گھناؤنے جرم کے لئے پرمٹ جاری کئے جاتے ہیں اور اخبارات کے کئی صفحات حیا سوز تصاویر اور بدکاروں، اداکاروں کے انٹرویوز سے سیاہ ہوتے ہیں اور رہی سہی کسر الیکٹرانک میڈیا نے نکال دی ہے۔

اور اس سے بڑھ کر دکھ کی بات یہ ہے کہ اہل علم ودانشور حضرات کو قومی ہیرو قرار دینے کی بجائے اداکاروں اور بدکاروں کو بڑے خوشنما اور پرکشش نام اور ایوارڈ دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ایک اسلامی ملک میں جب علم وہنر اور تعلیم وتہذیب کی یوں بے حرمتی اور بے توقیری کی جائے اور ایسے غیر مہذب لوگوں کو ثقافتی سفیر، محبت کے راہی اور دیگر خوشنما نام دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو پھر ایسے ملک میں فتنے فساد، معاشی بدحالی، اندرونی اور بیرونی جھگڑے ہوں تو پھر غذائی قلت کا آنا لازم ہو جاتا ہے۔ رسول گرامی حضرت محمد ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے معاشرے کو ایسے امور سے بچنے کی خوب تلقین فرمائی ہے۔

ذخیرہ اندوزی سے بچنے کی تلقین کرنا اور چیک کرنے کے لیے عمال کا تقرر کرنا:

غذائی قلت سے بچاؤ کے لیے جیسے جیسے ریاست وسیع ہوتی گئی رسول کریم ﷺ نے اسے انتظامی لحاظ سے چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر دیا حتی کہ چودہ صوبے قائم ہوئے ہر ایک صوبے کا حکمران رسول کریم ﷺ کا متعین کردہ والی ہوتا جو مارکیٹ اور بازاروں کا دورہ بھی کرتا اور تاجروں کو باقاعدہ چیک کیا جاتا تھا ناپ تول میں کمی دھوکہ و فریب نرخوں میں بے جا اضافہ ایسی چیزوں پر احتساب کیا جاتا آپ ﷺ نے بازار کے محتسب بھی مقرر فرمائے بعض اوقات خواتین کو بھی اس کام پر مامور کیا جاتا۔

سعید بن عاص کو فتح مکہ کے بعد مکہ کے بازاروں کی نگرانی پر مامور فرمایا اسی طرح مدینہ منورہ کے بازاروں کی نگرانی کا کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔[2]

تجارتی بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے آپ ﷺ خود بازاروں اور منڈیوں کا دورہ فرماتے اور معاملات کی

(1) المنذری، عبد العظیم، ترغیب وترھیب، رقم الحدیث: 2345

(2) ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، 1/107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفتیش کرنے کے بعد تنبیہ اور ضروری کاروائی فرماتے۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ ایک دفعہ اپنے زمانہ خلافت میں غلہ منڈی میں گئے اور جاکر اناج کے ڈھیروں کا معائنہ کرنے لگے۔ ایک جگہ آپ نے نہایت عمدہ اناج دیکھا اور فرمایا کہ اللہ اس غلے میں برکت عطا فرمائے اور اس کے لانے والے پر بھی رحم و کرم فرمائے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو بتایا گیا کہ اس غلہ کے مالکوں نے اس کو سٹاک کیا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جنھوں نے اُمت کی ضرورت کے وقت اس غلہ کو سٹاک کیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو بتایا گیا کہ فلاں فلاں آدمی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو طلب کرکے فرمایا کہ

"میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جو آدمی امتِ مسلمہ کی ضرورت کے وقت اناج سٹاک کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے کوڑھ کی بیماری لگادیں گے یا اسے غربت و افلاس میں مبتلا کردیں گے۔"[2]

ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے وہاں کھڑے ہی اللہ کے حضور توبہ کرلی اور آئندہ ذخیرہ اندوزی نہ کرنے کا اللہ سے وعدہ کرلیا لیکن دوسرے آدمی نے کہا کہ یہ ہمارا اناج ہے، ہم جب چاہیں اور جیسے چاہیں خرچ کریں کسی کو کیا اعتراض ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو کوڑھ کی بیماری میں مبتلا کردیا اور وہ اسی حال میں مر گیا۔

فریضہ امر بالمعروف کی ادائیگی کا حکم دینا :

جو قوم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شرعی فریضے کو چھوڑ دیتی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی زد میں آجاتی ہے۔ حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف وتنھون عن المنکر أولیوشکن اللہ أن یبعث علیکم عقابا منہ لم تدعونہ فلا یستجاب لکم»[3]

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب مسلط کردے۔ پھر تم اس سے دعائیں کروگے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔"

(1) ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:268

(2) مسند احمد، مسند عمر بن خطاب، دار السلام والنشر والتوزیع ریاض، السعودیہ، طبع الثالثہ، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث:۱۳۰

(3) جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنہی ع المنکر، رقم الحدیث:۲۱۶۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسراف و تبذیر سے بچنے کی تلقین کرنا:(خصوصاً پانی اور غذائی استعمال کی اشیاء)

کسی بھی چیز کے استعمال میں جب اسراف و تبذیر سے کام لیا جائے تو اس کا نتیجہ بالآخر غلط ہی نکلے گا۔ انسان کے پاس اگرچہ مال وزر کے خزانے ہی کیوں نہ موجود ہوں، اگر وہ ان کے استعمال میں اسراف سے کام لے گا تو بہت جلد ان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ پانی کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تین چوتھائی حصے کو پانی سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر اس کا استعمال مناسب نہ ہو تو انسان اس کے ایک ایک قطرے کو بھی ترس جاتا ہے۔ جن علاقوں میں پانی وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے وہاں باشندے عموماً پانی کو مفت سمجھ کر اس کا بے بہا استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ پانی کی سطح وہاں آہستہ آہستہ گرنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر سارا علاقہ پانی کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو پانی کے سلسلہ میں بھی اسراف و تبذیر سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ایک دفعہ وہ دورانِ وضو ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ

"ہاں! یہ بھی اِسراف میں شامل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے پر ہی کیوں نہ بیٹھے ہو۔"
(پانی کو ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کیا کرو)۔[1]

اس لئے ہمیں اس ہدایتِ نبوی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ ہم اس عظیم نعمت پانی کی کمی کا شکار نہ ہوں۔ اور شادی یا دیگر تقریبات کے مواقع پر کھانا ضائع نہیں کرنا چاہیے پہلی بات تو یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق ہی تیار کرنا چاہیے اور ارباب اختیار کو چاہیے کہ اس پر ضروری قانون سازی بھی کی جائے اگر بچ جائے تو جیل خانوں، ہسپتال یا غریبوں کی بستیوں میں لے جا کر تقسیم کرنا چاہیے۔

توبہ واستغفار کی تلقین کرنا:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استغفار کو لازم کر لیا، اللہ اسے ہر تنگی سے نجات دیں گے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے وہم و گمان بھی نہیں ہو گا۔

"من لزم الاستغفار جعل الله له من كل ضيق مخرجا ومن كل هم فرجا و رزقه من حيث لا يحتسب"[2]

[1] ابن ماجہ، ابواب الطھارۃ وسننھا، رقم الحدیث: ۴۱۹

[2] ابن ماجہ، کتاب الادب، باب الاستغفار، رقم الحدیث: 3819

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز استسقاء کی ادائیگی کرنا:

غذائی قلت کے دوران حضرت رسولِ کریم ﷺ نمازِ استسقاء ادا کرتے اور بڑے خشوع و خضوع سے توبہ و استغفار کرتے اور یہ دعائیں پڑھتے:

"اللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقٰنِطِیْنَ "[1]

"الٰہی ہم پر باران رحمت نازل فرما اور نا امید ہونے والوں میں نہ بنا۔"

کان رسول الله اذا استسقی قال: اللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَھَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَیِّتِ"[2]

"الٰہی اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی پلا اور اپنی رحمت کو پھیلا دے اور اپنے ویران شہر آباد کردے۔"

أَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ، اللّٰھُمَّ أَنْتَ اللّٰہُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ، أَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ لَنَا قُوَّةً وَبَلاَغًا إِلٰی حِیْنٍ"[3]

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، جو نہایت رحم کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اس کی شان ہے کہ جو چاہے کر ڈالے۔ الٰہی تو ہی ہمارا معبود ہے۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو غنی ہے اور ہم تیرے محتاج بندے ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما، جو بارش تو ہم پر نازل فرمائے اسے ہمارے لئے تقویت کا ذریعہ بنا دے اور ایک مدت تک کفایت کا وسیلہ بنادے۔"

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتی ہیں کہ "جب آپ نمازِ استسقاء میں یہ دعائیں پڑھتے اور توبہ استغفار کرتے تو بارانِ رحمت شروع ہو جاتی"

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستسقاء، باب الدعا اذا کثر المطر حوالینا و علینا، رقم الحدیث: 1021
[2] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب صلاۃ الاستسقا، باب رفع الیدی فی الاستسقاء، رقم الحدیث: 1173
[3] ایضا، حدیث 992

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غذائی قلت کا خاتمہ شرعی حدود کے نفوذ کے ذریعے ایک (اہم قدم):

عن أبي هريرة قال قال رسول اللهﷺ : حد يعمل به في الأرض خير لأهل الأرض من أن يمطروا أربعين صباحا» [1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ زمین پر (ایک شرعی) حد کا نفاذ ان کے حق میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔"

" ایک شرعی حد کا نفاذ چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔"

غذائی قلت کے خاتمہ کے لیے معاشی فلاح و بہبود کا نظام:

علم معاشیات کا طالب علم جب ریاست مدینہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے معاشی اقدامات پہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عوام الناس کی معاشی بہبود کے حوالے سے قرآنی احکام کی روشنی میں رسول کریم ﷺ نے کچھ بے مثال معاشی اصلاحات کا نفاذ کیا جن سے تاریخ انسانی پہلے کبھی بہرہ ور نہ ہوئی تھی اگر ہم تاریخ کی کتب سے اس سلسلہ میں استفادہ کریں تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

1۔ حلال و حرام کا قانون: اکتساب رزق اور دولت کے حصول کے ساتھ ان کے مصارف میں بھی ہدایت الٰہی کے تحت حلال و حرام کی تمیز اور حرام کی سختی سے ممانعت۔ مثلاً رشوت اور خیانت کی ممانعت، قحبہ گری اور زنا کی آمدنی کو حرام قرار دیا گیا۔ شراب کی صنعت بت گری و بت فروشی، جوا وسٹہ وغیرہ کی حرمت کو قانونی شکل دے دی گئی۔ اور رسول کریم ﷺ نے قرض حسنہ کو فروغ دیا جو انسانی، معاشرتی، معاشی اور تمدنی ضرورت ہے سیرت طیبہ کی روشنی میں آج اگر ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں صنعت و حرفت خصوصاً ہنری مراکز کا قیام چمڑے کی اشیاء کی تیاری، بجلی، کمپیوٹر، موٹر سائیکل، موبائل فون کی مرمت کا کام پلاسٹک کی اشیاء کی تیاری وغیرہ تو معاشرہ غذائی قلت سے محفوظ رہ کر فلاحی معاشرہ بن سکتا ہے۔

2۔ ارتکاز دولت پر پابندی: اگر گردش دولت کا اہتمام مال جمع کرنے کی مذمت اور سرمایہ داری پر پابندی لگائی گئی تاکہ ہوس دولت اور دیگر اخلاقی امراض سے معاشرہ پاک رہے، معیشت محنت کش کے لیے کھلی رہے۔

3۔ اقتضاء کا قانون: یعنی انفرادی و اجتماعی سطح پر خرچ میں کفایت شعاری اور توازن کی کوششیں، فضول خرچی اور بخل کی مذمت و حوصلہ شکنی سرکاری سطح پر عیش پرستی اور شاہ خرچی پر سخت پابندی۔

[1] ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود، رقم الحدیث: 2538

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4۔ سود کا خاتمہ: رسول کریم ﷺ نے صدیوں سے جاری سود خوری کی قبیح معاشی بیماری کا خاتمہ قرآنی حکم کے ذریعے کیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام سود ساقط کر دیئے۔ آپ ﷺ نے سود لینے اور دینے والے، اس کی دستاویز کے کاتب اور اس پر گواہی دینے والے سب کی سختی سے مذمت کی۔

5۔ قانون وراثت کا اجراء: عہد نبوی میں قانون وراثت کا اجراء اور عورتوں کو وراثت کا آئینی طور پر حقدار قرار دیا گیا جو کہ پہلے نہیں تھا۔ اسی طرح وصیت اور وقف کے اداروں کی اصلاح و تجدید کی گئی۔

6۔ زرعی اصلاحات: معدنی دولت اور بے کار زمینوں کو زیر ستعمال لانے کے لیے۔ آپ نے فرمان جاری کر دیا کہ جو شخص کسی زمین کو آباد کرے اور وہ کسی اور کی مملوکہ نہ ہو تو آباد کار اس کا زیادہ حقدار ہے۔

"من احیاء أرضًا لیست لاحد فھو احقُ بھا"[1]

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ زرعی ترقی کے لیے تربیتی مراکز قائم کریں اچھے بیج کا بینک قائم کریں کیونکہ اچھے بیج ہی اچھی فصل کی بنیاد ہوتے ہیں۔

حکومت کی سطح پر مرکزی خزانے سے بحالی کا انتظام کرنا:

غذائی قلت یا دیگر وجوہات کی بنا پر جب بھی کوئی بے سر وسامانی کا ماحول پیدا ہو جائے تو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ سرکاری خزانے سے وہ اس مشکل وقت میں متاثرین کی مدد کرے اس کی بہت بڑی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جب ان کے زمانے میں قحط پڑا تو آپ نے بطور سربراہ حکومت، سرکاری سطح پر غلہ تقسیم کیا رسول کریم ﷺ نے بھی عملی طور پر اسوہ یوسفی کو پیش نظر رکھتے ہوئے خشک سالی کے دوران عوام الناس میں غلہ و خوراک تقسیم فرمائی۔ اور اس کی خوبی منصوبہ بندی فرمائی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر میں منصوبہ بندی کا ذکر کیا۔

﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ﴾[2]

"انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو (غلہ) کاٹو تو تھوڑے سے غلے

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحرث والمزراعۃ، باب من احیا ارضا مواتا، رقم الحدیث: 2335

(2) یوسف: 47-49؛ الجصاص، ابو بکر احمد الرازی، 370ھ، احکام القرآن، یجب علی الامام ان یفعل مثلا ما فعلہ یوسف اذا اخاف ھلك الناس من القحط، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 1999ء، 3/258

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے سوا جو کھانے میں آئے اُسے خوشوں میں ہی رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت (سال) آئیں گے کہ جو (غلہ) تم نے جمع کر رکھا ہو گا وہ اس سب کو کھا جائیں گے صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جو تو اختیار سے رکھ چھوڑ گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اُس میں رس نچوڑیں گے۔"

اہل مال و ثروت لوگوں سے مدد کی اپیل کرنا:

غذائی قلت یا قدرتی آفات کے وقت حکومت عوام میں سے صاحب حیثیت لوگوں سے اپیل کر سکتی ہے۔ انسانی ہمدردی، اخوت اور جذبہ ایثار و قربانی کو معاشرے میں پروان چڑھا کر مصیبت و آفت زدہ رعایا کی امداد اور بحالی کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[1]

نبی کریم ﷺ نے ایسے موقعوں پر کفایت شعاری کا درس دیا۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال طعام الاثنين كافی الثلاثة وطعام الاثلاثة كافی الاربعة»[2]

قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زائد از ضرورت مال کے ذریعے محتاج مفلس اور آفت زدہ لوگوں پر خرچ کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے قحط سالی کے دوران ہر گھر میں اہل خانہ کی تعداد کے برابر قحط زدہ افراد کو داخل فرمایا دیا اور فرمایا کہ آدھی غذا کر دینے سے کوئی شخص نہیں مرے گا۔[3] آنحضرت ﷺ کے ایسے عملی اقدامات کے لیے اخوت مدینہ منورہ اور اصحاب صفہ کی امثلہ آج کے معاشرہ کے لیے مینارہ نور ہیں۔[4]

(1) الحشر:9

(2) مالک موطا، کتاب الجامع، باب ما جاء فی الطعام والشرب، مطبعہ دار السلام للنشر والتوزیع، 2002ء، رقم الحدیث:716

(3) ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، 219/2

(4) صحیح مسلم، کتاب اللقطہ، باب استحباب المواساة بفضول المال، رقم الحدیث:984-985؛ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، رقم الحدیث:، 291؛ کتاب الشرکہ، باب الشرکة فی الطعام، رقم الحدیث: 2484-85۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سنت نبوی سے یہ رہنما اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اگر کچھ افراد اپنی بنیادی ضروریات سے محروم ہوں خصوصًا وبائی امراض / قحط سالی کے دوران اور فوری طور پر ریاست کے پاس بھی وسائل نہ ہوں تو سوسائٹی کے تعاون سے ہنگامی بنیادوں پر محروم افراد کی بنیادی ضروریات بالخصوص خوراک ورہائش کا پورا کرنا ضروری ہے۔ انصار زراعت پیشہ زمینوں باغات کے مالک تھے۔ اپنے ذاتی اثاثوں سے محبت کے باوجود انہوں نے مہاجرین کو اپنے اثاثوں کی پیش کش کی اور عرض کی:

" اقسم بيننا و بين اخواننا النخيل- قال "لا" فقالوا تكفونا المونة، ونركم فى الثمرة،قالوا:سمعنا واطعنا"[1]

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾[2]

اللہ تعالیٰ نے براہ راست افراد معاشرہ کو ترغیبات وترہیبات کے ذریعے اس عمل کی طرف راغب کیا ہے۔

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾[3]

اور دیگر متعدد مقامات پر ایسا عمل نہ کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی۔ مثلا سورہ الماعون میں محروم افراد کو خوراک نہ مہیا کرنے والوں کو دین جھٹلانے والا قرار دیا۔

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾[4]

﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾[5]

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحرث والمزارعہ، باب اذ قال اکفنی مونۃ النخل او غیرہ، وتشرکنی فی الثمر، امام بخاری نے اس کو مختلف تین مقامات کتب وابواب میں بیان کیا ہے۔ رقم الحدیث:۲۳۲۵

(2) الانفال:72

(3) الدھر:8

(4) الماعون:1-3

(5) الفجر:17

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درج ذیل آیت میں بھوکے کو کھلانے کو ہی اصل دین قرار دیا ہے۔

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ [90:12] فَكُّ رَقَبَةٍ [90:13] اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ [90:14] يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ [90:15] اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ [90:16] ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ [90:17] اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ [90:18] وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ﴾[1]

بھوک کے شکار افراد کو خوراک مہیا کرنا نماز کے بعد اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ سورہ المدثر کی آیت نمبر 48 کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

ان آیات میں بیان کردہ ہولناک منظر کے عتاب میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جن کی اجارہ داری کی وجہ سے آج کثیر آبادی کھانے پینے کو ترستی ہے خواہ سرمایہ دار ہیں یا وڈیرے تاجر ہیں یا صنعت کار۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لیس بالمومن الذی یبیت شبعا وجارہ جائعا الی جنبہ»[2]

جس بستی میں کسی نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا تو اس بستی کی اس کی حفاظت و نگرانی کا اللہ کا وعدہ ختم ہو گیا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ ننگے پاؤں دھاری دار چادریں پہنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا فقر و فاقہ و خستہ حال دیکھ کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم اذان دیا نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا پھر سوہ حشر کی یہ آیت پڑھی۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنا جائزہ لے کہ اس نے کل کیا عمل آگے بھیجا ہے۔ پھر فرمایا ہر آدمی کو چاہیے کہ اس کے پاس ایک ہی دینا ہو درہم ہو، کپڑا ہو یا گندم یا کھجور ایک صاع ہو، اس میں سے صدقہ کرے حتی کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو اس کے ٹکڑے سے اپنے بھائی کی مدد کرے۔ آپ ﷺ کا فرمان سنتے ہی لوگ گھروں کو بھاگے اور دھڑا دھڑ اپنی توفیق کے مطابق اشیاء لانے لگے اور تھوری ہی دیر میں ہر طرف کھانے اور کپڑے کے ڈھیر لگ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھل اٹھا جسے چمکتا ہوا سونا ہو۔[3]

(1) البلد:12-19

(2) حاکم، المستدرک، 1/66

(3) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقہ ولو شق تمر، ح 2351؛ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشرکہ، باب الشرکہ فی الطعام والنھد والعروض، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ، رقم الحدیث:2486

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیگر ممالک سے تعاون حاصل کرنے کے لیے معاہدات کرنا:

غذائی قلت اور آفت زدگی کے وقت اگر وسائل ناکافی پڑ جائیں تو اسلامی ریاست دیگر ممالک، اقوام اور علاقوں سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے اور معاہدات کرے اخلاقیات سے اس کو قانونی درجہ بھی دے اس کی مثال مکہ مکرمہ کا وہ معاہدہ جسے حلف الفضول کہتے ہیں جس کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ اور اس میں شرکت فرمائی مکہ کے سرداروں اور صاحب حل و عقد نے ایک تنظیم بنائی جن میں قبائل بنوہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے۔ اس تنظیم کا ایجنڈا یہ تھا کہ ملک سے بد امنی دور کریں گے، مسافروں کی مدد کریں گے، غریبوں کی امداد کریں گے اور زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔[1]

غذائی قلت یا قدرتی آفات وبائی امراض کے وقت مسلم اور غیر مسلم اقوام اور گروہوں سے امداد باہمی اور بین الاقوامی سطح پر معاہدات کرنے کے حوالے سے میثاق مدینہ سے بنیادی رہنمائی ملتی ہے۔ جس کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے۔

ہجرت مدینہ کے پہلے سال جملہ اقوام سے بین الاقوامی اصول پر ایک معاہدہ کر لیا گیا اس معاہدے کی اہم باتیں یہ تھیں کہ معاہد اقوام کے باہمی تعلقات، خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی پر مشتمل ہوں گے۔[2]

عام الرمادہ 18ھ قحط کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی اسوہ حسنہ ﷺ پر عمل کر کے اپنی قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائی۔

اسوہ حسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کسی علاقہ میں کوئی قدرتی آفات ظاہر ہو جائے تو بیرون ملک یا دیگر حکومتوں سے مدد کی اپیل کی جا سکتی ہے مختلف ممالک اور مختلف فلاحی تنظیموں کو اپنے مسائل اور کسمپرسی سے بروقت موثر طریقے سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اور ایسی صورت حال کے پیش نظر مستقل بنیادوں پر تفصیلی شرائط کے ساتھ معاہدات طے کرنے چاہئیں تاکہ ایسی ہنگامی صورت میں تمام معاہد ممالک بآسانی معمول کی زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔

[1] منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1/43؛ سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ 1/120۔
رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدہ کے بارے میں فرمایا:لقد شھدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا لودعیت بہ فی الاسلام لاجبت، تحالفوا ان ترد الفضول علی اھلھا والا یعز ظالم مظلوما۔

[2] سیرت ابن ہشام، 1/110

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پس ماندہ طبقات کو وسائل معاش اور مستقل آمدنی کے ذرائع فراہم کرنا:

پسماندہ طبقات کو وسائل معاش، روزگار اور مستقل آمدنی کے ذرائع اتنے دے دیے جائیں کہ وہ نہ صرف کھانا پینا اپنی تمام بنیادی ضروریات اپنی کمائی سے پوری کر سکیں۔ پاکستان میں لوگوں کے غذائی قلت کی وجوہات کا تعلق موجودہ معاشی استحصالی ڈھانچے سے ہے جس میں وسائل معاش کا چند ہاتھوں میں ارتکاز بالخصوص ملکیت زمین کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہونا اکثریت کی محرومی کا سبب ہے۔ ملکی وسائل پر انحصار کرنے، ٹیکس بڑھانے کی بجائے بیرونی واندرونی قرضوں پر مسلسل انحصار مزید بجٹ خسارے کا سبب بنتا ہے کیونکہ بجٹ کا بھاری حصہ سودی قرضوں کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اگر روزگار ملتا بھی ہے تو مہنگائی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ توانائی کے بحران نے بے روزگاری، مہنگائی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

اسوہ حسنہ ﷺ اور تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں عدل اجتماعی کے ذریعے گردش دولت کا انتظام، ارتکاز زر کا خاتمہ کرتے ہوئے وسائل آمدنی کا امراء سے غرباء کی طرف رخ پھیرا جائے۔ اس ضمن میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملکی وسائل کو زیادہ سے زیادہ قابل استعمال بناتے ہوئے لوگوں کو روزگار فراہم کرے۔ توانائی کے بحران کے خاتمے کے لیے اللہ کی عطا کردہ نعمت پانی سے بجلی کے منصوبے شروع کر کے سستی بجلی کے ذریعے مصنوعات کی پیداواری لاگت میں کمی کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاشی ترقی کے لیے زراعت و تجارت کو جس طرح ترقی دی کہ زیادہ سے زیادہ زمینوں کو قابل کاشت بنایا، نہریں کھدوائیں، سیلاب کی روک تھام کے لیے بند بنوائے، ذرائع نقل و حمل کو تجارت کے فروغ کے لیے ترقی دی۔

ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں:

> "اسلام کے مالیاتی نظام کا بنیادی مقصد اسلامی ریاست کی دولت کو ریاست کے تمام افراد میں منصفانہ طور پر تقسیم کرنا ہے۔ ملک کی تمام دولت اور ذرائع پیداوار کا چند ہاتھوں میں ارتکاز اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] نور محمد غفاری، ڈاکٹر، اسلام کا نظام محاصل، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۵؛ نبی اکرم ﷺ کی معاشی زندگی، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور، ص: ۱۷۰، ۱۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ﴾[1]

نتائج وسفارشات:

درج بالا مضمون کے تناظر میں کچھ سفارشات پیش خدمت ہیں:

- اسلامی حکومت اپنی منصبی ذمہ داری نبھاتے ہوئے رعایا کے جان و مال کی محافظت کے لیے اقدامات کرے۔
- غذائی قلت سے لوگوں کو نکالنے کے لیے اسلامی ریاست بالترتیب قومی خزانے سے یا خوشحال شہریوں کے جذبہ ایثار و کفایت شعاری کو ابھار کر یا رعایا پر جبری ٹیکس وغیرہ عائد کر سکتی ہے۔
- معاہدہ حلف الفضول وغیرہ کی روشنی میں ممکنہ غذائی قلت سے بچاؤ کے لیے قبل از وقت ہی دیگر ممالک سے معاہدات طے کیے جائیں۔ موجود (Covid19) کے تناظر میں اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔
- اسلامی تعلیمات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے امداد باہمی کی سکیموں کو نافذ کر کے رعایا کو مستقل طور پر ان میں شامل ہونے کا قانون بنایا جائے۔
- انتظامیہ اور حکمران خود بھی ایسے حالات میں اپنے ذاتی اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لیں اور خوشحال رعایا کو بھی اس کی ترغیب دی جائے۔
- عام طور پر اگرچہ زکوۃ جس علاقے سے اکٹھی کی جائے، اسی علاقے میں خرچ کرنے کا حکم ہے تاہم غذائی قلت کے موقعہ پر علماء کی ایک جماعت نے اس کی دوسرے علاقوں میں منتقلی کی بھی اجازت دی ہے۔
- زمینوں کی آبادی کاری کے لیے جدید سائینٹیفک بنیادوں پر زرعی آلات تیار کروائے جائیں۔ زرعی تحقیقات اداروں میں جب سائنسی ریسرچ کو فروغ دیا جائے خصوصا زرعی جامعات کو ایسے منصوبہ جات تفویض کیے جائیں۔ جہاں بیجوں کی نئی اقسام کی جائیں جس سے پیداوار میں آبادی کے تناسب سے اضافہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ نہری نظام کو مزید بہتر بنانے کے اقدامات شامل ہیں۔
- (Community Ault reach) پروگرام کے تحت لوگوں کو تعلیم اور ہنر مند بنانے کے مؤثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصا سکولز، کالجز کی سطح پر زرعی تعلیم کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

[1] الحشر:۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قحط سالی، وبائی امراض اور حکام کی ذمہ داریاں (عہدِ نبوی ﷺ وخلفائے راشدین کے تناظر میں)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دانائی اور بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ حکمت و تفقہ کے ہر معنی و مفہوم کا عملی پیکر تھے۔ دینی اعتقادات کی جزئیات کے شعور سے لے کر عبادات کے ہر پہلو کا فہم اور معاملات کے تمام دائروں کے ادراک تک احکام شرعیہ کو بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں رکھ کر فیصلہ کرنے کی قوت سے لے کر قیام کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے جامع حکمت عملی کے تعین و نفاذ تک ہر چیز آپ کی اجتہادی بصیرت کی دسترس میں تھی۔

آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابل قدر آپ کی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کی بصیرت ہے۔ اس میں آپ کا کوئی اور ثانی نہیں تھا۔ آپ کے عہد مبارک میں قیصر و کسریٰ کی عالمی طاقتیں سرنگوں ہو گئیں۔ اسلامی سلطنت کی سرحدیں خطہ حجاز سے پھیل کر مشرق میں ہند، چین، روس اور مغرب میں مصر، سوڈان اور لیبیا کے علاقوں تک پہنچ گئیں اور اس کا کل رقبہ تقریباً بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس مربع میل تک پہنچ گیا۔ اس میں جدید عالم اسلام کے بیشتر ممالک آتے ہیں۔ فتوحات کی اس وسعت نے مسائل و مشکلات کو بھی وسیع کر دیا۔ اسلام کا واسطہ اب صرف عرب کی سادہ اور بدویانہ زندگی سے نہیں تھا، بلکہ ایسی اقوام سے تھا، جو مختلف مذاہب کے زیر اثر تھیں جو صدیوں سے متفرق تہذیبوں کے زیر سایہ رہ چکی تھیں۔ جن کی نسل، زبانیں، رنگ، اقدار و روایات، عقائد و نظریات، فکر و شعور، طرز زندگی، ثقافت و تمدن، سیاسی و معاشی انداز اور تاریخی پس منظر بالکل مختلف تھا۔ ان میں سے مسلمان ہونے والوں کو ایک امت کے رشتے میں پرونے اور ان کی فکری، علمی و عملی تربیت کرنے میں جو حلیف ہیں ان سے کئے گئے معاہدوں کو پورا کرنے اور جو زیر نگیں ہیں، ان کے مسائل کو حل کرنے اور سارے علاقے کو ایک منظم و مستحکم اسلامی و فلاحی ریاست میں ڈھالنے کی ضرورت تھی، جو صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی ریاست کا نقشہ پیش کرے۔ اس عظیم کام کو سنبھالنے کا وہی شخص اہل ہو سکتا تھا جو حالات کی تبدیلیوں، معاملات کی نیرنگیوں، مسائل کی پیچیدگیوں اور وقت کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہو اور وہ ایسی دینی فراست بھی رکھتا ہو کہ انہیں نصوص کی روح و مقاصد کے مطابق حل کر سکے۔

مشیت ایزدی نے فاروق اعظم کو اسی مقصد کے لیے تیار کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اجتہادی بصیرت کے ذریعے اپنے دور کے تمام مذہبی، سیاسی، سماجی، عدالتی، قانونی، انتظامی اور معاشی، تعلیمی، عسکری اور بین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الاقوامی مسائل کو اسلام کی جامع تعلیمات کی روشنی میں حل کیا۔ آپ نے مختلف اداروں کے نئے ڈھانچے وضع کے جو عہد حاضر کی تعمیر و ترقی کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دور جدید میں مذکورہ مسائل بھی نوعیت کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں جیسے عہد فاروقی میں تھے۔ قدیم و جدید کی بحث محض نظری ہے۔ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

ہم مکمل اسلامی نظام کے قیام ایک جدید اسلامی و فلاحی ریاست کی تشکیل و تعمیر اسلامی ورلڈ آرڈر کے خواب کی عملی تعبیر کے لیے کتاب و سنت کے احکامات و کو فاروق اعظم کی اجتہادی بصیرت ہی کی روشنی میں نافذ کرنے کے محتاج ہیں۔ آپ کی زیادہ تر ریاستی پالیسیوں کو اجماعی حیثیت حاصل ہے کیونکہ وہ کھلے مذاکروں اور بے لوث مشوروں اور بحث و تمحیص کی چھلنیوں سے گزر کر وضع کی گئیں۔ آپ نے شورائی اجتہاد کی بنیاد ڈالی اور اسے رواج دیا۔ ہم اس طریق کار کو اپنا کر اپنے ہر قسم کے مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں۔ ان مسائل میں ایک اہم مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آنے والی قحط سالی کا ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق کے عہدِ خلافت کے دوران آنے والی خشک سالی کو 'رمادۃ' کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جزیرہ نمائے عرب میں پورے 9/ماہ تک بارش کی ایک بوند نہ پڑی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئید گی جل گئی اور وہ سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کے رہ گئی۔ جب ہوا چلتی ساری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ اس لیے لوگوں میں اس برس کا نام ہی 'عام الرمادۃ' یعنی راکھ والا برس[1] پڑ گیا۔ بارش کے نہ ہونے آندھیوں کے چلنے اور کھیتوں کے جل جانے سے قحط کی صورت پیدا ہو گئی جس نے انسان اور جانوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے اُنہیں سو کھا لگ گیا۔ یہ قحط پورے حجاز پر پھیلا ہوا تھا، جیسے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"كان في عام الرمادة جدب عمّ أرض الحجاز"[2]

بقول محمد حسین ہیکل: یہ وہ قحط تھا جس نے ملک عرب کو جنوب کے آخری کناروں سے لے کر شمال کی آخری

[1] علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق (ص 233)، زین الدین عمر بن الوردی نے تتمۃ المختصر فی إخبار البشر (ج1،ص 225)، علی طنطاوی نے اخبار عمر (ص 108) محمد السید الوکیل نے جولۃ تاریخیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین (ص 365) اور رزق اللہ منقر یوس الصرفی نے تاریخ دول الاسلام (ج1، ص 32) میں الرمادۃ کو 18ھ کے واقعات میں شمار کیا ہے۔

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، البدایۃ والنہایۃ، ار الفکر العربی، الطبعۃ الاولی ۱۳۵۱ھ، بیروت، 1/103

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرحدوں تک گھیر لیا تھا۔[1] ابن سعد کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ شام و عراق کی سرحدوں اور تہامہ تک پھیلا ہوا تھا۔[2] اور یمن بھی اس کی لپیٹ میں آچکا تھا۔[3]

تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس قحط کے باعث بھیڑ بکریوں کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے اُنہیں سوکھا لگ گیا، یہاں تک کہ ایک شخص بھیڑ کو ذبح کرتا اور اس کی بدہیئتی دیکھ کر بھوک اور مصیبت کے باوجود اسے چھوڑ کے کھڑا ہو جاتا۔ بازار سونے پڑے تھے اور ان میں خرید و فروخت کے لیے کچھ نہ تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں روپے تھے مگر ان کی کوئی قیمت نہ تھی اس لیے کہ بدلے میں کوئی چیز ایسی نہ ملتی تھی جس سے وہ پیٹ کی آگ بجھا سکتے۔ مصیبت طویل اور آزمائش شدید ہو گئی۔ لوگ جنگلی چوہوں کے بل کھودنے لگے کہ جو اس میں ملے، نکال کے کھالیں۔ قحط کی ابتدا میں مدینہ والوں کی حالت دوسروں سے بہتر تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں مدنیت کا شعور پیدا ہو چکا تھا اور مدینہ والوں نے آسودگی کے زمانے میں ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ فراہم کر لیا تھا جو متمدن لوگوں کی عادت ہے۔ چنانچہ قحط کا آغاز ہوا تو وہ اس ذخیرے کے سہارے زندگی بسر کرنے لگے لیکن بدویوں کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا۔ اس لیے وہ شروع ہی میں بھوکے مرنے لگے اور وہ دوڑ دوڑ کر مدینہ پہنچے کہ امیر المؤمنین سے فریاد کر کے اپنے اہل و عیال کی زندگی کے لیے روٹی کا ٹکڑا مانگیں۔ ہوتے ہوتے ان پناہ گیروں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ مدینہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اب مدینہ والے بھی آزمائش میں پڑ گئے اور بدویوں کی طرح بھوک اور قحط نے ان پر بھی وار کر دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بیماری پھوٹ نکلی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مریضوں کی عیادت کو جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے کفن بھیجتے۔[4] ایک مرتبہ تو بیک وقت دس آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھائی۔ قحط کی شدت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ بقول مورخ طبری:

"جعلت الوحش تأوي إلى الإنس"[5]

یعنی "یہاں تک کہ وحشی جانور انسانوں کے پاس آنے لگے (کہ شاید کچھ مل جائے)۔"

(1) ابن سعد، الطبقات الکبری، ص 337

(2) ایضاً: 3/311

(3) علی طنطاوی، اخبار عمر، البیان چوک انار کلی، لاہور، 1971ء، ص 117

(4) ہیکل، محمد حسین، حضرت عمر فاروق اعظم، مطبعہ مصر شرکۃ مساھمۃ مصریہ، 1364ھ، ص 342

(5) محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)، جامع البیان عن تاویل آیۃ القرآن، دار المعرفۃ، بیروت، 4/98

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقدامات، کردار، انتظامات کا جائزہ:

اس بحران سے نمٹنے کے لیے امیر المؤمنین نے کیا طریقہ اختیار کیا، کیسے انتظام کیا اور کونسے اقدامات اُٹھائے۔ بعض اقدامات تو خالصتًا انتظامی نوعیت کے تھے اور بعض امیر المؤمنین کے ذاتی کردار سے متعلق تھے لیکن جو چیز ان میں مشترک ہے، وہ ہے امیر المؤمنین کی حیرت انگیز اور عدیم المثال انتظامی صلاحیت، اپنی رعیت کے ساتھ پر خلوص محبت، خیر خواہی اور للّٰہیت۔ آنے والی سطور میں آپ کے انتظامات و اقدامات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

1۔ عوام کی بیت المال سے امداد:

جیسے جیسے قحط میں شدت پیدا ہوتی گئی، لوگوں کی قوت جواب دیتی گئی۔ جو کچھ ان کے پاس محفوظ تھا، اسے کھا گئے حتیٰ کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ آس پاس کے لوگ امیر المؤمنین کے پاس دار الخلافہ مدینہ منورہ آنے لگے۔ مدینہ منورہ میں بیت المال میں جو کچھ موجود تھا، امیر المؤمنین نے وہ سب کچھ تقسیم کر دیا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فأنفق فيهم من حواصل بيت المال مما فيه من الأطعمة والأموال حتى أنفده" [1]

"امیر المؤمنین کے پاس بیت المال میں جو کچھ غذائی مواد یا مال موجود تھا، وہ ان میں خرچ کر ڈالا حتیٰ کہ اسے ختم کر ڈالا۔"

اس سے ان کا مقصود لوگوں کی زندگیوں کو بچانا تھا۔

2۔ محاسبہ کا عمل اختیار کرنا (توبہ و استغفار کی طرف توجہ):

بلاشبہ 'رمادۃ' ایک بڑی آزمائش تھی۔ اس کے ظاہری اسباب کو موضوعِ سخن بنانے کی بجائے امیر المؤمنین نے مناسب سمجھا کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے اور قوم کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے۔ اولیاء اللہ کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کا جائزہ لیتے ہیں کہ کہیں کسی لغزش کے نتیجے میں تو یہ مصیبت نازل نہیں ہوئی؟

ابن سعد، سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں:

[1] البدایۃ والنہایۃ: 7/ 13

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"خطب عمر بن الخطّاب الناس عام الرمادة فقال: أيّها النّاس اتّقوا الله في أنفسكم وفيما غاب عن الناس من أمركم، فقد ابتُليت بكم وابتُليتُم بي. فما أدري ألسُّخطةُ عليّ دونكم أو عليكم دوني؟ أو قد عمّتْني وعمّتكم، فهلمّوا فلندْعُ الله يُصْلِحْ قلوبنا وأن يرحمنا وأن يرفع عنّا المحل، قال فرُئي عمر يومئذٍ رافعًا يديه يدعو الله، ودعا الناس وبكىٰ وبكى الناس مَليًّا، ثمّ نزل"(1)

"رمادۃ کے زمانے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگوں اپنے ربّ سے ڈرو، اپنے نفس کے بارے میں اور اپنے ان اعمال کے بارے میں جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ یقیناً تمہاری وجہ سے میری اور میری وجہ سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی ناراضگی صرف میرے اوپر ہے یا صرف تمہارے اوپر اور یا عمومی طور پر میرے اوپر ہے اور تمہارے اوپر بھی۔ آیئے بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں کی اصلاح فرمائے، ہم پر رحم فرمائے اور ہم سے قحط وخشک سالی کو اُٹھالے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس روز بارگاہِ الٰہی میں دونوں ہاتھ اُٹھائے ہوئے دعا مانگتے دیکھا گیا اور لوگوں نے بھی دعا مانگی۔ سیدنا عمر کافی دیر تک خود بھی روئے اور لوگ بھی رو دیے۔ پھر منبر سے اُترے۔"

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

"سمعت عمر يقول: أيها الناس إني أخشى أن تكون سخطة، عمّتنا جميعا فأعتبوا ربكم وانزعوا وتوبوا إليه واحدثوا خيرًا"(2)

"میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو مجھے ڈر ہے کہ (یہ قحط) ہم سب پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ اس لیے اپنے رب کو راضی کر لو، اس کی ناراضگی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اس کی بارگاہ میں توبہ کر لو اور اچھے اعمال کر کے دکھاؤ۔"

یہ ہے ایک ولی اللہ کا کردار کہ مصیبت کی گھڑی میں شکوے شکایت کی بجائے خود اپنے محاسبہ سے کام لیا، قوم کو بھی خود محاسبے کی طرف متوجہ کیا۔

(1) طبقات ابن سعد: 3/322

(2) ایضا: 3/320

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3۔اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا اہتمام:

محاسبہ کے ساتھ ساتھ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معمول سے بڑھ کر توجہ الی اللہ کا اہتمام فرمایا۔عبد اللہ بن ساعدہ کہتے ہیں کہ

"رأيت عمر إذا صلّى المغرب نادى: "أيها الناس استغفروا ربكم ثم توبوا إليه وسلوه من فضله واستسقوا سقيا رحمة لا سقيا عذاب." فلم يزل كذلك حتى فرج الله ذلك"[1]

"میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مغرب کی نماز پڑھ لیتے تو لوگوں کو مخاطب کرتے، فرماتے:لوگو اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو،اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔یہی آپ کی عادت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان عمر بن الخطاب أحدث في عام الرمادة أمرًا ما كان يفعله ... وإني لأسمعه ليلة في السحر وهو يقول: "اللهم لا تجعل هلاك أمة محمد على يدي"[2]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 'رمادۃ' کے زمانے میں ایسا طریقہ اپنایا جو وہ اس سے پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔وہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر مسجد سے نکل کر اپنے گھر تشریف لاتے اور مسلسل نماز پڑھتے۔پھر رات کے آخری پہر نکلتے،گلیوں کا چکر لگاتے۔میں نے بارہا رات کو سحر کے وقت اُن کو کہتے ہوئے سنا:الٰہی!امتِ محمد کو میرے ہاتھوں ہلاک نہ ہونے دے۔"

4۔لوگوں کے حالات سے آگاہی کے لیے رات کو جائزہ لینا:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق کی مبارک عادتوں میں سے ایک عادت یہ تھی کہ رعیت کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے رات کے وقت خود چل کر جائزہ لیا کرتے تھے اور جس کسی کو امداد کا مستحق خیال کرتے، رات کی تاریکی میں ہی ضرور مدد فراہم کر دیتے۔یہ عادت رمادہ کے زمانے میں بھی جاری رہی بلکہ رمادہ کے زمانے میں وہ معاشرتی تبدیلیوں پر بھی نظر رکھ رہے تھے اور ان کا تجزیہ بھی کیا کرتے۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے

(1) طبقات ابن سعد:312/3

(2) ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ رمادہ کے سال اُنہوں نے رات کے وقت مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کیا تو کسی کو ہنستے نہیں پایا، نہ ہی لوگوں کو اپنے گھروں میں حسبِ عادت گفتگو کرتے سنا اور نہ کسی مانگنے والے کو مانگتے دیکھا۔ یہ صورت حال چونکہ خلافِ معمول تھی اس لیے اُنہوں نے فوراً محسوس کیا، چنانچہ اس کے سبب کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنہیں بتایا گیا کہ اے امیر المؤمنین! سوال کرنے والے سوال کرتے رہے لیکن اُنہیں کچھ نہیں دیا گیا، اس لیے اُنہوں نے مانگنا اور سوال کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ لوگ پریشانی اور تنگ دستی کا شکار ہیں، اس لیے نہ تو حسبِ معمول گپ شپ لگاتے ہیں اور نہ ہی ہنستے ہنساتے ہیں۔ ایسے حالات میں عمر صرف سرکاری رپورٹوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ رات کے اندھیرے میں خود جاکر حالات معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

5۔ دیگر ریاستوں کے سربراہان کے نام امدادی خطوط کی روانگی:

کتبِ تواریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ تھی کہ قحط سالی سے متاثرہ عوام کے دکھوں کا مداوا بیت المال سے کیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیت المال میں جو کچھ تھا، وہ اُنہوں نے خرچ کر دیا، یہ ان کا معمول تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں اُنہوں نے حکم دیا کہ سال میں ایک دن ایسا مقرر کرو جب خزانہ میں ایک درہم تک باقی نہ رہے اور وہاں جھاڑو لگا دی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ میں نے ہر حقدار کا حق ادا کر دیا ہے۔[1]

صرف مقامی بیت المال سے امداد پر انحصار کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُنہیں اُمید تھی کہ شاید قحط کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے گا، مصیبت ٹل جائے گی اور باہر سے امداد منگوانے کی ضرورت نہ رہے گی لیکن خشک سالی جیسے جیسے طول پکڑتی گئی، عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور مدینہ منورہ کا بیت المال بھی خالی ہو گیا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امداد بھجوانے کے لیے صوبوں کو خطوط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ شام کے گورنر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اور عراق کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی لکھا۔ یہ خطوط انتہائی مختصر اور زوردار تھے۔

سب سے پہلے جس شخص کو مدد پہنچانے کی سعادت ملی، وہ حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ امداد لے کر بنفس نفیس مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ غذائی سامان سے لدے ہوئے چار ہزار

[1] خورشید فاروق، حضرت عمر کے سرکاری خطوط، ندوۃ المصنفین، دہلی، 1989ء، ص232

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اونٹ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے ارد گرد قیام پذیر قحط زدگان کے درمیان یہ غذائی سامان تقسیم کرنے کا کام ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ تقسیم کا کام حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے میں دو فائدے تھے۔ ایک تو یہ کہ دوسروں کے مقابلے میں وہ زیادہ جوش جذبے کے ساتھ یہ خدمت انجام دیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کر لیں گے اور واپس جا کر اہل شام کو حالات سے آگاہ کر سکیں گے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"إذا جاءك كتابي هٰذا فابعث إلينا من الطعام بما يصلح من قبلنا فإنهم قد هلكوا إلا أن يرحمهم الله"[1]

"جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو فوراً ہمارے پاس اتنا سامان بھیجو جو یہاں ہمارے لوگوں کی حالت بہتر کر سکے کیونکہ اگر اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے غذائی سامان سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ اور تین ہزار چغے روانہ کر دیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی لکھا، چنانچہ اُنہوں نے آٹے سے لدے ہوئے دو ہزار اونٹ بھیجے۔[2] حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے ایک علاقے کے حاکم تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں بھی خط لکھا، چنانچہ انہوں نے بری راستے سے بھی امداد روانہ کی اور بحری راستے سے بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے لکھا:

بسم الله الرحمٰن الرحيم من عبد الله عمر أمير المؤمنين إلىٰ العاصي ابن العاص سلام عليك أما بعد: أفتراني هالكًا ومن قبلي وتعيش أنت ومن قبلك، فياغوثاه يا غوثاه ياغوثاه!

"یعنی بسم الله الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے عاص بن العاصی کے نام۔ اما بعد: کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھو گے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں گے۔ مدد! مدد! مدد!"

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا:

[1] طبقات ابن سعد:3/315

[2] ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"سلام ہو آپ پر۔ میں آپ کے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اما بعد! مدد آپ کے پاس پہنچنے والی ہے، آپ اطمینان رکھیں۔ میں ایسا قافلہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں جس کا اگلا سرا آپ کے پاس اور آخری سرا میرے پاس ہو گا۔"[1]

چنانچہ اُنہوں نے فوری طور پر بَری راستے سے آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار کمبل بھیجے۔[2] یہ امداد سمندر کے راستے جدہ اور جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچی۔[3] لیکن کہاں سے روانہ ہوئی تو اس میں اختلاف ہے، محمد حسین ہیکل کی رائے میں ایلہ (موجودہ عقبہ) سے روانہ ہوئی تھی۔[4] جبکہ ابن الاثیر اور ابن خلدون کی رائے میں یہ امدادی سامان بحر قلزم سے روانہ ہوا تھا۔[5] صورت حال جو بھی ہو سمندری راستے سے امداد آنا تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے اور اس کی تفصیلات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ بقول طبری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لکھا:

" بعثتِ نبوی کے وقت بحر شامی سے ایک نہر کھود کر نکالی گئی جو بحیرہ عرب میں گرتی تھی جسے رومیوں اور قبطیوں نے بند کر دیا تھا۔ اگر آپ چاہیں کہ مدینہ منورہ میں غذائی مواد کی قیمت مصر کی قیمتوں کے برابر ہو تو میں دوبارہ نہر کی کھدائی کر لوں اور اس سے شاخیں نکلوا دوں، جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ یہ کام کر دو اور اس میں جلدی کرو۔ لیکن مصریوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ خراج کے طور پر آپ کو کافی رقم مل رہی ہے اور آپ کا امیر بھی آپ سے راضی ہے، (اس لیے نہر کھدوانے کی ضرورت نہیں) کیونکہ اگر یہ منصوبہ مکمل ہوا تو خراج میں کمی واقع ہو گی چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں لکھا کہ اس منصوبے سے مصر کے خراج میں کمی ہو گی اور

(1) طبقات ابن سعد: 3/310

(2) ایضاً: 3/319

(3) البدایۃ والنہایۃ: 7/103

(4) ہیکل، محمد حسین، حضرت عمر فاروق اعظم، ص340

(5) علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری (۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۳ھ، بیروت، 2/556

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معیشت خراب ہو جائے گی۔ جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر لکھا کہ منصوبہ پر عمل درآمد کرو اور عجلت سے کام لو۔ اگر اس سے مدینہ آباد اور سدھر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ مصر کو برباد کرے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم سے سے نہر نکالی۔ نتیجۃً مدینہ منورہ کا نرخ مصر کے نرخوں کے برابر رہا اور اس سے مصر کی خوشحالی میں بھی اضافہ ہوا۔"[1]

البتہ ابن الجوزی کی روایت میں "أخرب اللہ مصر " کی بجائے "أخرب اللہ خراج مصر " کے الفاظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مصر کے خراج کو غارت کر دے یہی الفاظ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ غالباً اسی روایت کو بنیاد بنا کر ابن الاثیر اور ابن خلدون دونوں نے لکھا ہے کہ "وأصلح عمرو بن العاص بحر القلزم وأرسل فيه الطعام "

" عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم کی اصلاح کی اور اسی راستے غذائی سامان بھیجا۔"

لیکن ظاہر ہے کہ مصر اور مدینہ منورہ میں بار بار کی مراسلت اور درمیانی طویل فاصلہ وقت کا متقاضی ہے۔ اس لیے ایلہ (عقبہ) کی بندرگاہ اور بحر قلزم والی دونوں روایات کے درمیان تطبیق یوں کی جا سکتی ہے کہ ابتداءً انہوں نے فوری کاروائی کرتے ہوئے ایلہ سے غذائی سامان بھجوایا اور پھر نہر مذکور کی صفائی کھدائی کر کے اسے ٹھیک کیا اور بعد میں غلہ اسی راستے بھجواتے رہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مذکورہ نہر کی کھدائی صفائی تقریباً ایک سال میں مکمل ہوئی اور سال مکمل ہونے سے پہلے ہی اس میں کشتیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس نہر کا نام خلیج امیر المؤمنین پڑ گیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک اسی ذریعے سے غلہ پہنچتا رہا لیکن بعد کے اُمرا نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس میں ریت بھر گئی اور یوں یہ راستہ منقطع ہو گیا۔[2]

اس پورے واقعے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قلیل المدت یا فوری نوعیت کے اقدامات کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طویل المدت اقدامات بھی کیے جس سے مدنی اور مصری معیشت پر دوررَس اثرات پڑے۔ مدینہ منورہ کے جنوب میں جار نامی حجاز کی بندرگاہ تھی۔ اس بحری راستے سے سامان جار پہنچتا اور جار سے پھر مکہ مدینہ اور یمن تک چلا جاتا۔[3] چنانچہ طبری نے مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

(1) تاریخ طبری:4/100

(2) نہایۃ الارب فی فنون الادب:19/327

(3) نعمانی، شبلی، مولانا، الفاروق، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1975ء، ص233

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ولم یر أهل المدینة بعد الرمادة مثلها"(1)

یعنی" اہل مدینہ نے رمادہ کے بعد پھر اس جیسی صورتحال نہیں دیکھی۔"

لیکن امدادی سرگرمیاں صرف یہاں تک محدود نہ تھیں بلکہ اسلامی ریاست کے ہر علاقے سے امدادی سامان پہنچنا شروع ہوا۔ چنانچہ طبری اور ابن الاثیر دونوں نے یہ الفاظ نقل کیے کہ

"وتتابع الناس واستغنى أهل الحجاز"(2)

"پھر لوگ (امدادی سامان لے کر) پے درپے آنے لگے حتیٰ کہ اہل حجاز مستغنی ہو گئے۔"

6۔امدادی سامان کی تقسیم کے لیے منتظمین کا تقرر:

امدادی سامان مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ایک مشکل کام باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا امدادی سامان کی تقسیم۔ جن حضرات کو اس قسم کا کوئی تجربہ ہوا ہے، وہ جانتے ہیں کہ تقسیم انتہائی مشکل کام ہے۔ کم سامان اگر ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ تقسیم ہو تو بڑی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ لیکن نظم وضبط کے فقدان کی صورت میں زیادہ وسائل کے باوجود مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لائحۂ عمل تیار کیا جس کے دو حصے تھے: ایک حصہ دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ کے لیے تھا جبکہ دوسرا حصہ دیگر علاقوں کے لیے تھا۔

مدینہ منورہ میں غذائی اشیاء کی تقسیم:

مدینہ منورہ مسلمانوں کا روحانی مرکز تو ہے ہی، البتہ اس کے ساتھ ساتھ دارالخلافہ بھی تھا۔ جب قحط شروع ہوا اور اس میں شدت پیدا ہوئی تو لوگ ہر طرف سے چل کر مدینہ منورہ آنے لگے۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے چند منتظمین کا تقرر کیا جو لوگوں کی خبر گیری کر سکیں اور غذائی سامان تقسیم کر سکیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق:

"رمادۃ کے سال عرب لوگ ہر طرف سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے۔ جہاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو مقرر کیا جو ان کی خبر گیری کریں، ان کے درمیان طعام اور سالن تقسیم کر سکیں۔ ان میں یزید بن اُخت النمر، مسور بن مخرمہ، عبد الرحمٰن بن عبد اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم شامل تھے۔ رات کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوتے اور اپنی

(1) تاریخ طبری:4/100

(2) ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساری کارگزاری اُن کو بتاتے۔ ان میں سے ہر شخص مدینہ کے ایک مخصوص علاقے پر مقرر تھا۔ اس زمانے میں (باہر سے آئے ہوئے) لوگ ثنیۃ الوداع سے راتج، بنی حارثہ، بنی عبد الاشہل، بقیع اور بنی قریظہ کے علاقے تک پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جبکہ کچھ لوگ بنی سلمہ کے علاقے میں بھی تھے اور ان (مہاجرین) نے مدینہ منورہ کو گھیر رکھا تھا۔"[1]

سب سے پہلی امداد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لے کر آئے تھے جو اُنہوں نے خود تقسیم کی۔ بعد میں آنے والے امدادی سامان کی تقسیم مذکورہ بالا حضرات کے سپرد ہوئی اور سب سے بڑھ کر خود امیر المؤمنین ان مہاجرین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اپنی پیٹھ پر بوریاں لادتے، ان کے لیے کھانا پکاتے اور رہائش کا بندوبست کرتے تھے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ

"رمادہ کے سال میری قوم کے سو گھرانے عمر کے پاس مدینہ آئے اور جبانہ کے مقام پر ٹھہرے، چنانچہ جو لوگ امیر المومنین کے پاس حاضر ہوئے وہ ان کو کھلاتے اور جو آنہیں سکتے تھے، ان کے لیے آٹا کھجور اور سالن ان کے گھروں میں بھجواتے، چنانچہ آپ میری قوم کے لوگوں کے پاس ان کی ضرورت کا سامان ماہوار بھجواتے رہتے تھے۔"[2]

اُنہوں نے جبانہ میں کچھ لوگوں کو ٹھہرایا اور پھر بار باران کی اور دوسروں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔[3]

7۔ مدینہ منورہ میں اجتماعی دستر خوان:

مدینہ میں جو لوگ پہلے سے رہائش پذیر تھے اور جو پناہ گزیں بن کے آئے، ان میں مرد و خواتین بوڑھے اور بچے کمزور بیمار ہر قسم اور ہر عمر کے افراد موجود تھے۔ ہر ایک کے پاس نہ تو پکانے کا سامان تھا، نہ ہی ہر شخص پکانے کے قابل تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بیت المال کی طرف سے خلافتی دستر خوان کی روایت قائم کی۔ وہ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر جانور ذبح کر کے اس کا گوشت ثرید پر ڈالتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی بڑی دیگیں چڑھا کر رکھی تھیں جن پر کام کرنے والے لوگ صبح

(1) طبقات ابن سعد: 3/317
(2) ایضا
(3) اخبار عمر: ص111

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سویرے اٹھتے اور 'کرکور'[1] تیار کرتے اور جب صبح ہوتی تو مریضوں کو کھانا کھلاتے، 'عصیدہ'[2] تیار کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حکم سے ان دیگوں میں تیل ڈال کر گرم کیا جاتا، جب اس کی تیزی اور گرمی ختم ہو جاتی تو روٹی کی چوری تیار کی جاتی اور اس پر یہی تیل ڈال دیا جاتا۔[3]

پھر آواز لگانے والا لوگوں کو بلاتا کہ من أحب أن یحضر طعامًا فیأکل فلیفعل ومن أحبّ أن یأخذ ما یکفیه وأهله فلیأت فلیأخذہ"[4]

"جو شخص چاہے کہ حاضر ہو کر کھانے میں شریک ہو تو آ جائے اور جو کوئی چاہتا ہو کہ اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ساتھ لے جائے تو وہ ساتھ لے جائے۔"

پھر جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امدادی سامان بھیجا تو دستر خوان خلافت پر ہر روز بیس اونٹ ذبح ہوتے۔[5]

ایک مرتبہ جب لوگ عشاء کا کھانا کھا چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے ہمارے دستر خوان پر کھانا کھایا، اُنہیں شمار کیا جائے۔ اگلے دن گنتی کی گئی تو وہ سات ہزار پائے گئے۔ پھر اُنہوں نے حکم دیا کہ جو لوگ حاضر نہیں ہو سکتے مثلاً خواتین مریض اور بچے وغیرہ ان کی گنتی کی جائے، گنتی ہوئی تو وہ چالیس ہزار نکلے، کچھ دن گزرے تو لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اُنہوں پھر گنتی کا حکم دیا۔ تو معلوم ہوا کہ خود حاضر ہو کر کھانا کھانے والوں کی تعداد دس ہزار اور دوسروں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ بارش ہونے تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔[6]

اتنی بڑی تعداد کو کھانا کھلانا وسائل کے اعتبار سے تو خیر مشکل ہی ہے۔ البتہ انتظامی لحاظ سے بھی بڑا مشکل کام ہے کہ پچاس ہزار اَفراد کو مسلسل نو ماہ تک صبح شام پکا پکایا کھانا ایک محدود علاقے کے اندر فراہم ہوتا رہے۔

(1) کَرْ کُور: ایک قسم کا کھانا ہے۔

(2) ایک کھانا جو آٹا اور گھی ملا کر بنایا اور پکایا جاتا ہے، اس کی جمع عصائد ہے۔ (الروائد: 2/1029)

(3) طبقات ابن سعد: 3/317

(4) ایضاً: 3/311

(5) ایضاً: 3/315

(6) ایضاً: 3/316-317

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجاز میں غذائی سامان کی تقسیم:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لائحۂ عمل کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ مدینہ منورہ کے لیے، دوسرا مدینہ منورہ سے باہر کے علاقوں کے لیے جس میں پورا حجاز شامل ہے۔ اس لائحۂ عمل کی ترتیب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں قیام رکھیں اور وہ اس بات پر اطمینان محسوس کریں کہ خلیفہ ان سے غافل نہیں اور یہ کہ طعام ان کے پاس ان کی قیام گاہ پر ہی پہنچے گا۔ در اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح لوگوں میں پھیلے ہوئے اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتے تھے کہ جس کے تحت لوگ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آرہے تھے اور دار الخلافہ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اگر سب لوگ مدینہ منورہ چلے آتے تو مدینہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی اور مصیبت دوچند ہو جاتی۔ پہلے تو صرف غذائی سامان کی غیر موجودگی کا سامنا تھا، اب رہائش اور پناہ گاہ کی فراہمی بھی مسئلہ بن جاتی۔ شاید اس اقدام سے خلیفہ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جو لوگ پہلے ہی دار الخلافہ میں پناہ لے چکے ہیں، ان کو واپس اپنے اصل مقامات پر واپس بھجوا دیا جائے۔ جب مسلمان دیکھیں گے کہ خلیفہ باہر کے علاقوں پر زیادہ توجہ دے رہا ہے اور ان علاقوں کو دار الخلافہ کے مقابلے میں اوّلیت دی جا رہی ہے اور ان کے آبائی علاقے مدینے کے مقابلے میں مقدم ہیں تو وہ خوشی خوشی ان علاقوں میں واپس جائیں گے، جہاں سے بھاگ کر اُنہوں نے ہجرت کی تھی۔[1] اس لائحہ عمل کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ لوگ خصوصاً عورتیں بچے اور بوڑھے صبر آزما سفر کی تکلیفوں اور اخراجات سے بچ گئے اور جو کچھ اُنہیں ملنا تھا، بغیر کسی اضافی خرچ اور سفر کے اُنہیں اپنے گھروں میں ہی مل گیا۔

حزام بن ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے نمائندے جار کی بندرگاہ سے غذائی سامان وصول کر کے لوگوں کو کھلاتے رہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے شام سے سامان بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وصولی کے لیے شام کی سرحدوں تک آدمی بھیجے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے نمائندوں کی طرح لوگوں کو آٹا کھلاتے رہے۔ اونٹ ذبح کرتے رہے اور چغے لوگوں کو پہناتے رہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے ایسا ہی سامان عراق سے بھیجا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وصولی کے لیے اپنے آدمیوں کو عراق کی سرحدوں کے قریب بھیجا، وہ انہی علاقوں میں اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو آٹا کھلاتے رہے اور چغے پہناتے رہے۔ یہ سلسلہ یونہی

[1] ندوی، شاہ معین الدین، جولہ تاریخیہ فی عصر الخلفاء الراشدین، ص267

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاری رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ مصیبت رفع فرمادی۔[1]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کنکریوں سے بھری چادر سر کے نیچے رکھ کر مسجد میں آرام فرما رہے تھے۔ اُن کے کان میں کسی پکارنے والے کی یہ آواز پڑی کہ ہائے عمر، ہائے عمر! حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشان ہو کر بیدار ہوئے اور جہاں سے آواز آرہی تھی، اس طرف چل دیے۔ دیکھا کہ ایک دیہاتی شخص اونٹ کی مہار تھامے کھڑا ہے۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر لوگوں نے کہا، یہ ہیں امیر المؤمنین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مظلوم خیال کرتے ہوئے پوچھا کہ تمہیں کس نے تکلیف دی ہے؟ اس شخص نے جواب میں چند اشعار پڑھے جن میں قحط کی شکایت کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا دستِ مبارک اس کے سر پر رکھا۔ پھر ان کی چیخ نکلی: ہائے عمر ہائے عمر! کیا تمہیں معلوم ہے یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ یہ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے اور اس کا خیال ہے کہ عمر خود کھا پی رہا ہے اور مسلمان قحط و تنگ دستی میں مبتلا ہیں۔ کون ہے جو ان کے پاس کھانے پینے کا سامان کھجور اور ان کی ضرورت کی چیزیں پہنچا دے۔ چنانچہ انصار میں سے دو آدمیوں کو روانہ کیا جن کے ساتھ غذائی سامان اور کھجور سے لدے بہت سارے اونٹ تھے جنہیں لے کر وہ دونوں یمن پہنچے اور سب کچھ تقسیم کر دیا، البتہ ایک اونٹ پر تھوڑا سامان بچ گیا۔ وہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ واپسی پر جب ہم آرہے تھے تو ہمارا گزر ایک ایسے شخص سے ہوا جس کی ٹانگیں بھوک سے سکڑ چکی تھیں لیکن اس حال میں بھی وہ کھڑے نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے سلام پھیرا اور پوچھا کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے ہو گا؟ جو کچھ ہمارے پاس بچا تھا، ہم نے اس کے سامنے ڈال دیا اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا: واللہ اگر ہمیں اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا ہے تب تو ہم ہلاک ہو جائیں گے؟ یعنی اللہ ہی بچانے والا ہے۔ اس سامان کو چھوڑ کر وہ دوبارہ نماز میں مصروف ہوا اور اپنے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا دیے اور اس کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کے گرنے سے پہلے ہی اللہ نے بارانِ رحمت نازل فرمادی۔[2]

مصیبت زدہ افراد کو یاد رکھنا:

آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ خشک سالی کتنے وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ کس حد تک مفلوک الحال ہو چکے تھے اور کتنی بڑی تعداد مدینہ منورہ میں پناہ گزین ہو چکی تھی لیکن اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ

[1] طبقات ابن سعد: 3/310۔ 311

[2] جوزی، عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی، مناقب عمر، دار الثقافۃ العربیۃ، دمشق، الطبعۃ الاولی 1411ھ، 1/ 73

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلا اختیار خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت کو سلام کرنے اُٹھ جاتے ہیں، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قبائل تو در کنار وہ کسی ایک گھر کو بھی اس دوران بھول نہ پائے۔ ہر مصیبت زدہ ہر وقت ان کے ذہن میں موجود رہتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صائم الدہر تھے۔ رمادہ کے زمانے میں افطار کے وقت روٹی اور روغن زیتون کا ثرید بنا کر اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کئی اُونٹ ذبح کیے گئے اور لوگوں کو گوشت کھلایا گیا اور چند اچھی اچھی بوٹیاں ان کے لیے رکھی گئیں۔ جب کھانا پیش کیا گیا تو اُنہوں نے دیکھا کہ کوہان اور کلیجی کی اچھی اچھی بوٹیاں برتن میں موجود ہیں۔ فرمایا: یہ کہاں سے؟ خادم نے عرض کی: امیر المؤمنین! یہ ان اونٹوں کی چند بوٹیاں ہیں جو ہم نے آج ذبح کئے تھے۔ فرمایا:

"بخ بخ بئس الوالی أنا إن أكلت طيبها وأطعمت الناس كراديسها"[1]

"ہائے افسوس ہائے افسوس! میں بہت برا حکمران ہوں گا، اگر اچھی چیز خود کھالوں اور ہڈیاں لوگوں کو کھلا دوں۔ اُٹھاؤ یہ برتن، کوئی اور کھانا میرے لیے لے آؤ۔ چنانچہ روٹی اور روغن زیتون لایا گیا۔ چنانچہ خود روٹی توڑ توڑ کر ثرید بنانے لگے۔ پھر فرمایا: اے یرفا! افسوس تمہارے اوپر۔ یہ برتن اُٹھا کر ثمغ نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے گھرانے کو لوگوں کے سامنے رکھ دو۔ کیونکہ تین دن ہوئے میں ان کے پاس نہیں جاسکا ہوں، میرا خیال ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

مریضوں کی عیادت اور اَموات کی تدفین:

سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حسبِ استطاعت سب لوگوں کا اتنا خیال رکھا لیکن اس کے باوجود ان میں بیماری پھوٹ پڑی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ موت نے وبائی شکل اختیار کرلی اور میرا خیال ہے کہ پناہ گزینوں میں سے تقریباً دو تہائی لوگ موت کا شکار ہوئے اور ایک تہائی باقی رہ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خود مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے کفن بھیجتے اور اس کی نماز جناہ پڑھتے تھے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ

"وكان يتعاهد مرضاهم وأكفن من مات منهم. لقد رأيت الموت وقع فيهم حين أكلوا الثُّفل وكان عمر يأتي بنفسه يصلّي عليهم. لقد رأيته صلّى على عشرة جميعًا"[2]

(1) طبقات ابن سعد: 312/3

(2) ایضاً: 317/3

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مریضوں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ مرنے والوں کے لیے کفن کا بندوبست کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ گھاس پھوس کھا کھا کر لوگ موت کا شکار ہونے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خود جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھاتے اور میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ایک مرتبہ دس آدمیوں کی اجتماعی نماز جنازہ پڑھائی۔“

راشن بندی:

جو لوگ خود حاضر ہونے کے قابل ہوتے، وہ بذاتِ خود آکر دستر خوانِ خلافت پر کھانا کھا لیتے اور جو حاضری سے معذور تھے جیسے خواتین، بچے بوڑھے وغیرہ ان کے لیے کھانا گھروں پر بھجوا دیا جاتا تھا اور بعض صورتوں میں تو ہر مہینہ یکمشت ان کا راشن بھجوا دیا جاتا تھا۔[1]

یہ سامان لوگوں میں اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا کہ بقول محمد حسین ہیکل اسے زمانۂ جنگ کی تقسیم غذا کے جدید نظام سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ زیادہ ہوا تو زیادہ تقسیم کر دیا گیا اور کم ہوا تو کم۔[2] راشن کی تقسیم اور لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایک اور تجویز بھی تھی جس کا اظہار اُنھوں نے رمادہ کے دوران بھی فرمایا اور رمادہ کے بعد بھی۔ یہ تجویز دراصل مؤاخات کے اُصول پر تیار کی گئی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل درآمد کا موقع ہی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت کے ذریعے مصیبت ٹال دی۔ رمادہ کے زمانے میں راشن تقسیم کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نطعم ما وجدنا أن نطعم فإن أعوزنا جعلنا مع أهل كل بيت ممن يجد عدتهم ممن لا يجد أن يأتي الله بالحيا"[3]

”جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے وہ تو ہم کھلا دیں گے۔ پھر اگر ہم نے کمی محسوس کی تو کچھ رکھنے والے ہر گھرانے کے ساتھ ان کی تعداد کے برابر ایسے لوگ شامل کر دیں گے جو کچھ نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل کر دے۔“

(1) طبقات ابن سعد: 3/312

(2) عمر فاروق اعظم: ص 341

(3) طبقات ابن سعد: 3/316

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ کا اپنی ذات کے بارے میں رویہ (رخصت چھوڑ کر عزیمت اختیار کرنا):

انتظامی اقدامات وہ ہیں جن کا زیادہ تعلق حکومتی مشینری کے ساتھ ہے لیکن رمادہ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے بارے میں بہت سے اقدامات اُٹھائے۔ انہوں نے اپنے مزاج کے عین موافق رخصت کو چھوڑ کر عزیمت اختیار کی۔ اگرچہ شرعاً وہ اس بات کے مکلف نہ تھے تاہم عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل کرنا ان کی نظر میں ایک مثالی قائد کے شایانِ شان نہ تھا۔ بلکہ ان کی فاروقیت تو اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ رمادہ کے دوران انہوں نے اپنے اہل وعیال اور بچوں کے معاملے میں بھی عزیمت اختیار کی۔

گھی سے پرہیز:

خوراک کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی عادت یہ تھی کہ دودھ اور گھی میں روٹی ڈال کر کھایا کرتے تھے۔ جب قحط شروع ہوا تو پھر روغن زیتون اور سرکے میں روٹی بھگو کر تناول فرمایا کرتے تھے۔[1] زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ قحط سالی کا شکار ہوئے تو گھی کی قیمت بڑھ گئی۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ عموماً گھی استعمال کرتے تھے لیکن جب قلت پیدا ہوئی تو فرمایا: "لا آكله حتى يأكله الناس"[2] "جب تک لوگوں کو کھانے کے لیے نہیں ملتا میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

اس کا فوری سبب غالباً وہ واقعہ تھا جسے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گھی میں چوری کی ہوئی روٹی پیش کی گئی۔ آپ نے ایک بدوی کو بھی شریکِ طعام ہونے کے لیے کہا، چنانچہ بدوی کھانے میں شریک ہوا اور جس طرف گھی تھا وہ بدوی اس طرف سے لقمے لینے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لگتا ہے تم نے کبھی گھی نہیں کھایا۔ اس شخص نے جواب دیا: ہاں میں نے فلاں فلاں دن سے آج تک نہ تو گھی یا تیل خود کھایا ہے، نہ کسی اور کو کھاتے دیکھا ہے؟ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں، وہ گھی اور گوشت کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔"[3]

(1) البدایۃ والنہایۃ:7/103
(2) طبقات ابن سعد:3/313
(3) ایضا: 3/313

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یحیٰ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ان کے لیے گھی کا ایک کنستر ساٹھ درہم میں خریدا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا: یہ میرے ذاتی مال میں سے خریدا گیا ہے، آپ کے دیے گئے نفقہ سے نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما أنا بذائقه حتی یحیا الناس[1]

"جب تک لوگ بارانِ رحمت سے فیض یاب نہیں ہوتے، میں اسے چکھنے والا نہیں۔"

گوشت سے پرہیز:

زید بن اسلم اپنے والد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمادہ کے سال گوشت کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا، جب تک کہ لوگوں کو نہ ملے۔ ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس عزم پر قائم رہے...

"لم یأکل عمر بن الخطاب سمنا ولا سمینا حتی أحیا الناس"[2]

"یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نہ تو گھی کھایا، نہ گوشت یہاں تک کہ بارش ہوئی۔"

دو سالن ایک ساتھ دستر خوان پر نہیں کھاتے:

قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی ایک دستر خوان پر دو سالن نہیں کھائے، وہ اسے فضول خرچی سمجھتے رہے کیونکہ یہ چیزیں اس طرح دوسرے لوگوں کو میسر نہ تھیں۔ ایک دفعہ ان کے سامنے گوشت پیش کیا گیا جس میں گھی بھی تھا۔ اُنہوں نے دونوں کے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "کل واحد منهما أدم"

"ان دونوں میں سے ہر ایک (بجائے خود) ایک (مستقل) سالن ہے۔"

ابو حازم نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر تشریف لے گئے تو اُنہوں نے ٹھنڈا شوربا اور روٹی پیش کی اور شوربے میں تیل بھی ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أدما فی إناء واحد لا أذوقه حتی ألقی الله"[3] "دو سالن ایک ہی برتن میں، میں اسے نہ چکھوں گا یہاں

(1) مناقب عمر: ص 72

(2) طبقات ابن سعد: 3/313

(3) ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک کہ اپنے اللہ کے سامنے پیش ہو جاؤں۔"

چھنے ہوا آٹے سے گریز:

قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کوشش رہی کہ موٹا پسا ہوا آٹا کھائیں اور چھنے ہوئے آٹے سے گریز کرتے رہے۔ بلکہ خادم کو ہدایت دے رکھی تھیں کہ آٹا نہ چھانا جائے، یسار بن عمیر کہتے ہیں کہ "واللہ ما نخلت لعمر الدقیق قط إلا وأنا له عاص"[1]

"واللہ میں نے جب کبھی عمر کے لیے آٹا چھانا تو میں نے اس معاملے میں ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کی۔"

شہد کا شربت:

قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانے کے معاملے میں تو احتیاط کرتے ہی رہے۔ گھی، گوشت الگ الگ یا ایک ساتھ کبھی نہیں کھایا۔ نہ اپنے گھر میں نہ اپنی صاحبزادی کے گھر میں لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت پیاس لگی، ایک شخص کے گھر میں اسی حالت میں داخل ہو کر اس سے پانی مانگا تو اُنہوں نے شہد پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: "واللہ لا یکون فیما أحاسب به یوم القیامة"[2]

"اُمید ہے قیامت کے روز جن چیزوں پر میرا محاسبہ ہو گا، یہ ان میں شامل نہیں ہو گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قناعت و تواضع:

ابن سعد نے رمادہ کے واقعات کے ضمن میں تین روایتیں ایسی بیان کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بے کار اور ردی کھجوریں کھانے میں بھی عار محسوس نہیں کی۔ اگر ایک جانب قحط کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قناعت اور تواضع کا نظارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ بائیس لاکھ مربع میل کا حکمران، امیر المومنین کھجوروں کی سرزمین میں بیٹھ کر ردی کھجوریں کھائے۔[3]

(1) طبقات ابن سعد:3/319

(2) ایضًا

(3) ایضًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹڈی کھانے کی خواہش کرنا:

قحط اور خشک سالی جیسے حالات کا سامنا بہت سے ملکوں کو کرنا پڑتا ہے لیکن عموماً نچلے یا متوسط طبقے کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اَشرافیہ اور حکمران طبقہ شاذ ونادر ہی متاثر ہوتا ہے۔ یا تو اپنے مال ودولت کی وجہ سے اور یا اثرورسوخ اور حکومت کی وجہ سے۔ جب ہم رمادہ پر نظر ڈالتے ہیں تو حاکم ومحکوم دونوں متاثر ہوئے اور دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے منہ سے پانی ٹپک رہا ہے، میں نے عرض کی کہ آپ کا کیا حال ہے؟ تو فرمایا: بھنے ہوئے ٹڈی کی خواہش ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی مجلس میں کسی نے ذکر کیا کہ 'ربذہ'(نامی مقام) میں ٹڈی موجود ہے یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ ٹڈی کی ایک دو ٹوکریاں ہمارے پاس ہوں تو ہم بھی کھا سکیں۔ اس خواہش کی شدت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر اس کا ذکر کیا اور فرمایا: کاش ہمارے پاس ٹڈی بھرے ایک یا دو ٹوکرے ہوتے اور ہم بھی اس میں سے کچھ کھا لیتے۔[1]

امیر المومنین خلیفہ کا دستر خوان:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رمادہ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی گھر کے اندر بھی کوئی پسندیدہ کھانا تناول نہیں کیا، اس دوران آپ ہمیشہ وہی کھانا تناول فرماتے جو عام لوگوں کے لیے میسر تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں نقل کیا گیا کہ

"وما أكل عمر في بيت أحد من ولده ولا بيت أحد من نسائه ذواقا زمان الرمادة إلا ما يتعشى مع الناس"[2]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمادہ کے زمانے میں نہ تو اپنے بیٹوں میں سے کسی کے گھر اور نہ ہی اپنی بیویوں میں سے کسی کے گھر کوئی پسندیدہ کھانا تناول فرمایا، سوائے اس کھانے کے جو وہ رات کے وقت عام لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔"

قحط کے دوران لوگوں کو تسلی دینے اور ان میں صبر کا مادہ پیدا کرنے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر اُنہوں

(1) طبقات ابن سعد:3/317-318

(2) ایضا:3/317

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھتے اور وہی کھانا تناول فرماتے جو عام لوگ کھاتے:"و کان عمر یأکل مع القوم کما یأکلون"(1)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ مل کر انہی کی طرح کھاتے۔''

خرابی صحت کے اثرات کا نمودار ہونا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمادہ کے زمانے میں جس قسم کی غذا کا استعمال شروع کیا، وہ ان کے مزاج کے موافق نہ تھا۔ اس لیے اس کے اندرونی و خارجی اثرات ان کی صحت پر مرتب ہونا شروع ہوئے اور یہ اثرات اتنے واضح تھے کہ دیکھنے اور پاس بیٹھنے والوں نے بھی محسوس کیا۔

رمادہ کے زمانے میں انہوں نے اپنے لیے گھی کو ممنوع قرار دیا تھا اور روغن زیتون پر گزارہ کرتے تھے جس کی وجہ سے پیٹ سے گڑ گڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔ آپ نے انگلی سے پیٹ کو دبایا اور پیٹ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ خوب گڑ گڑاؤ! ہمارے پاس تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ہی نہیں جب تک کہ لوگوں سے یہ مصیبت ٹل نہیں جاتی۔(2)

ایک اور موقع پر اپنے پیٹ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے پیٹ! جب تک گھی چاندی کے مول بکتا رہے گا تجھے اسی تیل کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ آپ کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ لوگ جب قحط کا شکار ہوئے تو گھی مہنگا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھی کھایا کرتے تھے جب اس کی قلت پیدا ہوئی تو فرمایا: "لا أکله حتی یأکله الناس" جب تک لوگوں کو کھانے کے لیے گھی نہیں ملے گا میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ زیتون کا تیل استعمال کرنے لگے اور فرمایا: اے اسلم! اس کو آگ پر گرم کر کے اس کی حدت ختم کر دو۔ چنانچہ میں ان کے لیے تیل پکایا کرتا تھا اور وہ استعمال فرماتے لیکن پیٹ میں گڑ گڑاہٹ ہوتی۔ آپ فرماتے: اے پیٹ خوب گڑ گڑا! اللہ کی قسم تمہیں گھی اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک عام لوگ کھانہ لیں۔(3)

قحط اور عزیمت پر مبنی اس کردار نے جلد ہی امیر المؤمنین کی صحت کو متاثر کرنا شروع کیا اور ہوتے ہوتے یہ اثرات اتنے واضح انداز میں ظاہر ہوئے کہ دوسرے لوگ بھی ان کا مشاہدہ کرنے لگے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

(1) طبقات ابن سعد:3/312

(2) الزہد:ص146

(3) ایضا:ص150

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں کہ

"فأسود لونُ عمر رضی اللہ عنہ وتغیّر جسمہ"[1]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور جسم کمزور ہونے لگا۔"

ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی تھا۔ البتہ رمادہ کے سال میں دیکھا گیا کہ تیل کھانے سے ان کا رنگ متغیر ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ رمادہ کے سال میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے حالانکہ پہلے ان کا رنگ سفید تھا۔ ان سے پوچھا جاتا کہ کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ آپ فرماتے کہ عمر ایک عربی شخص تھا، گھی اور دودھ استعمال کیا کرتا تھا۔ جب لوگ قحط کا شکار ہوئے تو اس نے یہ دونوں چیزیں اپنے اوپر حرام کر دیں۔ جس کی وجہ سے اس کا رنگ بدل گیا، اس نے فاقے شروع کر دیے اور یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔[2]

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بعضوں کا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا۔ جب رمادہ کا سال آیا جو کہ بھوک کا سال تھا تو اُنہوں نے گوشت اور گھی چھوڑ کر مسلسل روغن زیتون استعمال کرنا شروع کیا۔ جس سے ان کا رنگ بدل گیا۔ وہ سرخ و سفید تھے لیکن اب سیاہ لاغر ہو گئے۔[3] امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ رمادہ کے ایام میں اس غذا سے وہ سیر نہیں ہوتے تھے۔[4]

اکثر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ان کی صحت مسلسل گر رہی تھی اور اگر قحط کا یہ سلسلہ جاری رہتا تو شاید امیر المؤمنین اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

اسامہ بن زید بن اسلم اپنے دادا اسلم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ

"كنا نقول لو لم يرفع الله المحل عام الرمادة لظننا أن عمر يموت همًّا بأمر المسلمين"[5]

"یعنی رمادہ کے سال ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ قحط ختم نہ کیا تو حضرت عمر

(1) البدایہ والنہایہ: 7/103

(2) طبقات ابن سعد: 3/314-324

(3) ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، 4/484

(4) البدایہ والنہایہ: 7/103

(5) طبقات ابن سعد: 3/315

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ یقیناً مسلمانوں کے غم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

امیر المومنین کی سواری کی کیفیت:

بات صرف کھانے پینے کے معاملے میں عزیمت تک محدود نہ تھی بلکہ اب تو زندگی کے ہر معاملے میں وہ عزیمت کی انتہائی حدوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہو گا کہ قحط نے سب سے زیادہ امیر المؤمنین کو متاثر کیا۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ رمادہ کے ایام میں وہ ہر چھوٹے بڑے واقعے بلکہ معمول کی چیزوں کا بھی غیر معمولی انداز میں جائزہ لیا کرتے تھے اور جو بھی قدم اُٹھانا ہوتا تھا، اس کا آغاز اپنی ذات سے کرتے تھے۔

سائب بن یزید نقل کرتے ہیں کہ رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سواری پر سوار تھے جانور نے لید کی جس میں جَو کے دانے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمانے لگے:

"المسلمون يموتون هزلا وهذه الدابة تأكل الشعير لا والله لا أركبها حتى يحيا الناس"[1]

"مسلمان بھوکوں سے مر رہے ہیں اور یہ جانور جَو کھا رہا ہے۔ نہیں اللہ کی قسم جب تک لوگ بارش سے فیض یاب نہیں ہوتے میں اس جانور پر سواری نہیں کروں گا۔"

خلیفہ وقت کا لباس:

قحط کی شدت امیر المؤمنین کے لباس پر بھی اثر انداز ہوئی۔ سائب ابن یزید فرماتے ہیں کہ رمادہ کے سال میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تہبند دیکھا جس میں سولہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور اس حال میں بھی وہ یہ دعا فرما رہے تھے:

"اللهم لا تجعل هلكة أمة محمد على رجلي"[2]

"الٰہی میری وجہ سے محمد ﷺ کی امت کو ہلاک نہ فرما۔"

امیر المومنین کے اہل و عیال کی کیفیت احوال:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو عزیمت اختیار کی، وہ صرف ان کی ذات محدود نہ تھی بلکہ ان کے اہل و عیال کو بھی عزیمت کے اس امتحان سے گزرنا پڑا۔ اس سلسلے میں بطورِ مثال دو واقعات پیش کرنے پر

(1) طبقات ابن سعد: 312/3

(2) ایضًا: 320/3

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکتفا کروں گا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم خاص اسلم کا کہنا ہے کہ

رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام لوگوں کو گوشت ملنے تک اسے اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ ان کے صاحبزادے عبید اللہ کے پاس بھیڑ یا بکری کا بچہ تھا۔ جسے ذبح کرنے کے بعد بھوننے کے لیے تنور میں رکھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خوشبو محسوس ہوئی، وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے: میرا خیال نہیں کہ میرے گھر میں کوئی شخص یہ حرکت کرے گا۔ جا کر دیکھ آؤ، میں نے جا کر دیکھا تو اس (جانور) کو تنور میں پایا۔ عبید اللہ کہنے لگے: میرا پردہ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اسلم نے کہا: امیر المؤمنین نے یہ جانتے ہوئے ہی مجھے بھیجا تھا کہ میں ان کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس کے بعد اُنہوں نے وہ ذبیحہ تنور سے نکلوایا اور لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ کہتے ہوئے رکھ دیا کہ اُنہیں اس کا علم نہیں تھا۔ عبید اللہ نے بتایا کہ یہ بچہ در حقیقت ان کے بیٹے کا تھا، پھر میں نے خریدا۔ مجھے گوشت کی خواہش ہوی تو میں نے ذبح کر دیا۔[1]

عیسیٰ بن معمر کہتے ہیں کہ رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں میں سے کسی کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو فرمایا: واہ واہ امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے! محمد ﷺ کی اُمت تو بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے اور تم پھل کھا رہے ہو؟ یہ سن کر بچہ بھاگ نکلا اور رونے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مطمئن ہوئے جب اُنہیں بتایا گیا: یہ خربوزہ اس بچے نے مٹھی بھر گٹھلیوں کے عوض خریدا تھا۔[2]

بیویوں سے کنارہ کشی:

ویسے تو رمادہ کے دوران امیر المؤمنین کا مکمل کردار عدیم المثال ہے لیکن جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اس کی مثال شاید انسانی تاریخ آئندہ زمانے میں بھی پیش نہ کر سکے۔ صفیہ بنت ابی عبید نقل کرتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی بعض خواتین نے مجھے بتایا کہ رمادہ کے زمانے میں غم اور پریشانی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی بیوی کے قریب نہیں گئے۔[3]

(1) طبقات ابن سعد: 313/3

(2) ایضًا: 315/3

(3) ایضًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خود سامان اُٹھانا اور کھانا پکانا:

اس عظیم آزمائش کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاستی مشینری کو تو متحرک کر ہی دیا تھا لیکن خود بھی اس دوران ایک عام مزدور کی طرح بلکہ مزدور سے بڑھ کر کام کیا۔ بجائے اس کے کہ متاثرین قحط کو اپنے پاس بلاتے، خود ان کے پاس چل کر تشریف لے جاتے۔ ان کے کندھوں پر بوریاں لادنے کی بجائے خود اُٹھا کر لے جاتے رہے اور باورچی بن کر فاقہ زدوں کے لیے کھانا پکاتے رہے۔ صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسا ہی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اللّٰہ تعالیٰ ابن حنتمہ(عمر کی والدہ کا نام) پر رحم فرمائے۔ رمادہ کے سال میں نے دیکھا کہ ہاتھ میں گھی کا برتن اور پشت پر دو بوریاں لادے جا رہے ہیں۔ وہ اور اسلم اپنی اپنی باری لے رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر اُنہوں نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہاں قریب ہی سے، پھر میں نے بھی ان کی مدد کی حتیٰ کہ ہم صرار (جگہ کا نام) پہنچے، وہاں تقریباً بیس گھرانوں پر مشتمل ایک گروہ تھا۔ جن کا تعلق محارب (قبیلہ) سے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم لوگ کیسے یہاں آئے۔ انہوں نے کہا: مصیبت کی وجہ سے، اس کے بعد اُنہوں نے جانور کا بھنا ہوا چمڑا ہمارے سامنے نکال کر رکھا جسے وہ کھایا کرتے اور اس کے ساتھ پسی ہوئی ہڈیوں کا سفوف پھانک لیا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر پھینک دی اور تہبند کس لیا اور ان کے لیے کھانا پکاتے رہے یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ پھر اسلم کو مدینہ منورہ کی طرف بھیجا، وہ وہاں سے اونٹ لے کر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اونٹوں پر سوار کرا کر 'جبانہ' نامی مقام میں بسایا، ان کو کپڑے مہیا کیے۔ اس کے بعد وہ کبھی کبھی ان کی اور دوسرے لوگوں کی خبر گیری تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللّٰہ تعالیٰ نے وہ مصیبت دور فرما دی۔[1]

پکانے کی تربیت دینا:

رمادہ کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو کہ عصیدہ[2] پکا رہی تھی آپ نے فرمایا: عصیدہ ایسے نہیں بنایا جاتا۔ پھر مسوط[3] اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو سمجھا کر فرمایا: ایسے۔

(1) طبقات ابن سعد: 314/3

(2) ایک قسم کا کھانا جو کہ گھی اور آٹا ملا کر پکایا جاتا ہے۔ (مصباح اللغات: ص555)

(3) لکڑی وغیرہ جس کے ذریعے کسی چیز کو دوسری میں مکس کیا جائے۔ (مصباح اللغات: ص406)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہشام بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک پانی خوب گرم نہ ہو جائے تم خواتین میں سے کوئی اس میں آٹا نہ ڈالے، پھر پانی گرم ہو جانے کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے آٹا اس میں ڈالا جائے اور مسوط کے ذریعے اس کو ہلاتی جائے اس طرح کھانا زیادہ گاڑا ہو گا اور آٹے کے ٹکڑے بھی نہیں جمیں گے۔(1)

نمازِ استسقاء اور بارانِ رحمت کا نزول:

رزم ہو یا بزم، بھوک ہو یا بیماری، ہر حالت میں باب رحمت کی کشادگی کے لیے مسلمانوں کی نظریں نبی کریم ﷺ کی طرف ہی اٹھتی تھیں: استشفاء اور استسقاء کے لیے مسلمانوں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں التجا کی۔ بلکہ عہدِ نبوی میں جب ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی تو کفار نے بھی بارگاہِ نبوت میں دعا کے لیے درخواست کی۔

رمادہ کا دورِ ابتلا نو مہینے جاری رہا۔ مسلمانوں نے صابر ہونے کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ بقول حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ گھروں تک پہنچنے سے بھی پہلے ایسی بارش ہوئی کہ وادیاں بہہ نکلیں۔(2) سورۃ الشوریٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾

"وہی تو ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بارانِ رحمت برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی کارساز اور قابل ستائش ہے۔"

نو ماہ کے ابتلا و آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور صلوٰۃ استسقا کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی گئی، یہ سب کچھ خواب کے ذریعے ہوا۔ البتہ واقعات مختلف ہیں، مؤرخین نے اس سلسلے میں خواب کے دو واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ مذکورہ خواب دیکھنے والے اشخاص الگ الگ ہیں تاہم ان خوابوں کا مفاد و مراد ایک ہے۔

مہاجرین کی واپسی:

بقول محمد حسین ہیکل: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا قبول فرمائی اور دھواں دار بارش کے ذریعے آسمان کے

(1) طبقات ابن سعد: 314/3

(2) البدایہ والنہایہ: 104/7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دروازے کھول دیے، پیاسی زمین دیکھتے دیکھتے سیر اب ہو گئی اور اس نے اپنا خاکستری لباس اتار کر دھانی پوشاک پہن لی۔ اب ان تمام عربوں کے لیے جو چاروں طرف سے آکر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے، وہاں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ان میں جاتے اور فرماتے: جاؤ، اپنے وطن کو واپس جاؤ۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ مدینہ کی زندگی کو عیش و آرام کی زندگی سمجھ کر وہیں نہ رہ پڑیں۔

"بقول ابن سعد: فلما أحيوا قال أخرجوا من القرية إلى كنتم اعتدتم من البرية فجعل عمر يحمل الضعيف منهم حتى لحقوا ببلادهم "[1]

"یعنی جب بارش ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا، اس گاؤں سے نکلو اور صحرا جہاں رہنے کے تم عادی تھے، چلے جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ضعیفوں کو خود اُٹھاتے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے علاقوں میں چلے گئے۔"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے امیر المؤمنین نے چند لوگوں کو ذمہ داری سونپی تھی۔ واپس جانے والوں کو امداد اور سواری بھی مہیا کی جاتی تھی۔ قحط کے بعد یہ ایک انتہائی اہم قدم تھا جو انہوں نے اٹھایا، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے تو ایک جانب مدینہ منورہ میں ان مہاجرین کی آبادکاری حکومت کے لیے گھمبیر صورت اختیار کر جاتی اور دوسری طرف عرب کا صحرائی نظامِ زندگی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ساتھ ہی بارش کے بعد زمینوں کی دوبارہ بحالی کا کام بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

زکاۃ کی وصولی میں تاخیر:

رمادہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ و عشر کی وصولی کے بارے میں انتہائی بروقت اور جرأت مندانہ فیصلے کیے۔ ایک اہم فیصلہ یہ کیا کہ قحط کے زمانے میں انہوں نے کسی آدمی کو زکاۃ کی وصول کے لیے متاثرہ علاقے میں نہیں بھیجا بلکہ جب تک قحط دور نہ ہو گیا، ان کو روکے رکھا۔ جب بارش ہوئی اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور معیشت بحال ہونے لگی تو کارندوں کو وصولی کے لیے بھیجا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق:

"أن عمر أخر الصدقة عام الرمادة فلم يبعث السعاة. فلما كان قابل ورفع الله ذلك الجدب أمرهم أن يخرجوا فأخذوا عقالين فأمرهم أن يقسموا عقالا ويقدموا عليه بعقال"[2]

[1] طبقات ابن سعد: 3/317-323

[2] ایضًا: 3/323

www.KitaboSunnat.com

" رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کی وصولی مؤخر فرمادی، چنانچہ کسی کو وصولی کے لیے نہیں بھیجا۔ اگلے سال جب اللہ تعالیٰ نے خشک سالی رفع فرمائی تو محصلین کو حکم دیا کہ وہ وصولی کے لیے نکلیں۔ چنانچہ اُنہوں نے دو دو حصّے وصول کیے۔ آپ نے اُنہیں حکم دیا کہ ایک حصہ مقامی طور پر تقسیم کیا جائے اور دوسرا حصہ اپنے ساتھ (بیت المال کے لیے) لے کر آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے وصولی اور تقسیم کے لیے مفصّل ہدایات جاری کیں۔"

ان اقدامات کے تین فوائد حاصل ہوئے:

۱۔ رمادہ کے ایام میں لوگوں کی سہولت، مہلت اور رعایت حاصل ہوئی اور حکومتیں کارندوں یعنی محصلین کی توجہ امدادی کاموں پر مرکوز رہی۔

۲۔ مقامی تقسیم میں ان لوگوں کو ترجیح دی گئی جو سب سے زیادہ متأثر ہوئے تھے ان کو مقامی طور پر امداد مہیا کر دی گئی اس طرح حکومت اور عوام دونوں کا وقت اور ان کے وسائل ضائع ہونے سے بچ گئے کیونکہ اموال صدقہ کی مدینہ منورہ منتقلی اور پھر مقررہ حصہ کی واپسی ان علاقوں میں منتقلی پر وقت اور سرمایہ دونوں خرچ ہوتے۔

۳۔ چونکہ بیت المال بالکل خالی ہوچکا تھا اور ایک بڑے اقتصادی بحران کا خطرہ موجود تھا، اس لیے اُنہوں نے زکوٰۃ کی وصولی ساقط نہیں کی بلکہ مؤخر کردی اور اگلے سال مکمل وصولی کی وجہ سے عوام کی دادرسی بھی ہوئی اور بیت المال بھی آئندہ کسی اور بحران سے نمٹنے کے قابل ہوا۔

قارئین کرام! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کو دیکھیں جو اس قحط کے زمانے میں جس سے اُنہیں اور ان کی قوم کو سابقہ پڑا، ان کی خدمات سے ظاہر ہوئی ہے۔ اس سے ہماری مراد استعجاب واحترام کے ان جذبات کا احترام نہیں ہے جو ان خدمات کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دل میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ ہم ان خدمات کے آئینے میں حکومت کی اس تصویر کو اجمالی خطوط دیکھنا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اس مسلم حکمران کے ذہن میں مرتسم تھی۔ جسے اللہ جل جلالہ کی حکمتِ بالغہ نے اس مقصد کے لیے مخصوص فرمایا تھا کہ وہ اسلامی معاشرے میں نظام حکومت کو تفصیلی رنگ دینے کا آغاز کرے۔ ان خدمات واعمال میں جو چیز سب سے زیادہ نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذمہ داریاں قبول کرنا اور اپنی جان کو موردِ ستم بنانا ہے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے روگرداں ہونے کے لیے اپنے اوپر یہ بوجھ نہیں لادا تھا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ وہ اس لیے کرتے تھے کہ ان کا شعور غریبوں، کمزوروں اور محتاجوں کے شعور سے ہم آہنگ ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ فرماتے:"جب تک میں خود لوگوں کی مصیبت میں شریک نہ ہوں گا مجھے ان کی تکلیف کا کیسے اندازہ ہو گا؟"

اس لیے وہ اپنے آپ کو ان محتاجوں کی سطح پر لے آئے تھے جنہیں زندگی برقرار رکھنے کے لیے صرف انہی کا دستر خوان میسر آتا تھا جس پر وہ دوسرے ہزاروں بھوکوں کے ساتھ بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے اور اپنے گھر میں کھانا کھانے پر رضامند نہ ہوتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے لیے ایسی چیز پسند کرتے ہیں جو ان کی قوم کے فاقہ زدوں کو میسر نہیں۔ اپنے اس عمل سے ان کے دو اہم مقصد تھے: ایک تو یہ کہ انہیں لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہو جائے تاکہ وہ ان سے ہمدردی اور ان کی تکلیفیں دور کرنے کے سلسلے میں سعی و عمل کی رفتار تیز کر دیں اور دوسرا یہ کہ عوام کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ امیر المؤمنین مصائب و شدائد میں ہمارے برابر کے شریک ہیں اور ان کے جذبات مشتعل نہ ہوں بلکہ وہ ہر تکلیف واذیت پر راضی بہ رضا رہیں کہ خلافت کا سب سے بڑا آدمی اس ابتلا میں ان کا ساتھ دے رہا ہے اور ان دونوں مقاصد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے کامیاب رہے کہ کسی قوم کا کوئی فرمانروا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔[1]

یہ ہے اسلام کی عظمت کہ چودہ سو برس قبل بھی خلافت راشدہ نے ایسی شاندار روایات قائم کیں کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خدا خوفی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مسلم حکمران اپنی رعایا کی فلاح کا بھرپور خیال رکھا کرتے۔ آج بھی ملتِ اسلامیہ کا اصل مسئلہ مال و دولت، قدرتی وسائل اور سائنس و ٹیکنالوجی سے بڑھ کر، اپنی رعایا کی فلاح کی فکر، احساسِ ذمہ داری، خدا خوفی، للّٰہیت اور دیانت و امانت ہے، اور اس کے لیے مغرب کی طرف دیکھنے کی بجائے، اپنی تاریخ سے سنہری مثالیں نکال کر اُنہیں اپنانا ہو گا۔ اور جب بھی مسلمانوں کا کوئی طبقہ، ان اوصاف کا خوگر ہو جائے گا، چاہے وہ سیاسی قیادت ہو یا دینی قیادت، ملتِ اسلامیہ کا زوال پلٹ جائے گا۔ آج کا دور ایسے ہی ذمّہ دار اور خدا ترس مسلم قیادت کی راہ تک رہا ہے۔

خلاصہ بحث:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالی نے زبردست اجتہادی بصیرت سے نوازا تھا، جو عملی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں تھی۔ آپ اسلام کی روح، مزاج اور مقاصد و مصالح کو وسیع تر تناظر میں دیکھنے سے بہرہ ور تھے۔ آپ کو مسائل کے ادراک اور معاملہ فہمی میں کمال حاصل تھا۔ ہر انفرادی و اجتماعی مسئلے کی تہہ تک بہت جلد پہنچ کر اس کو کوئی حل تلاش کر لیتے تھے، لیکن اسکے ساتھ ہی اپنی ہر رائے اور فکر کو عوام الناس کے سامنے پیش کرتے۔ حق

[1] عمر فاروق اعظم: ص343-344

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و مخالفت میں دلائل سنتے اور دلائل دیتے، پھر کسی حتمی فیصلے تک پہنچتے یہ سلسلہ عہد خلافت میں بھی جاری رہا۔ آپ نے کبھی اپنی منفرد رائے کو حرف آخر سمجھ کر عوام پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمیشہ اسے تنقید کی چھلنیوں سے گزارتے اور ہر مناسب دائرے میں مشاورت کرتے اور ہر وقت حق کو پانے اور اس کی طرف رجوع کرنے کے لیے تیار رہتے۔ آپ نے شورائی اجتہاد کو رواج دیا اور اسی کے مطابق اپنی پالیسیاں وضع کیں۔ اس لیے آپ کے عہد میں کیے گئے اہم فیصلوں اور اٹھائے گئے تمام اقدامات کو اجماعی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ کی اجتہادی بصیرت آپ کے دور کے مسلمانوں کی اجتماعی بصیرت کی علامت ہے۔ بحیثیت مجموعی آپ کو ساری امت مسلمہ کا اعتماد و تعاون حاصل رہا۔ عہد نبوی کے بعد امت مسلمہ کی نظر میں آپ کے دور باسعادت کو ایک معیار کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

آپ کا کردار اور طرز عمل، علم کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی روح و مزاج کی نمائندگی کرتا ہے اور ہر زمانے کے لوگوں کے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا ہے:

”تمام اصحاب فہم مجبور ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں باعتبار شریعت ہر اوصاف موجود تھے، جس میں سے کچھ تھوڑے سے مقتدا اور آئمہ مسلمین نے ہم تک پہنچائے اور عامۃ المسلمین انہیں کے ذکر سے رطب اللسان ہیں۔ تاریخ میں ان کے حالات اس طرح ثبت ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی طبقہ ان سے استفادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

عصر حاضر کے سارے مسائل کو حل کرنے کے لیے جہاں ان اوصاف کو اپنانا ضروری ہے، وہاں ایک ایسا نظام کار وضع کرنے کی ضرورت ہے، جو ان خطوط پر استوار ہو، جنہیں اس مقالے میں مختلف مباحث کے تحت اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سفارشات:

1. سماج میں صحت میں غذا کے حوالہ سے بگڑتی صورت حال کنڑول کرنے کی ضرورت ہے۔ (محکمہ صحت، خوراک اور غذا) اپنا موثر کردار ادا کرے۔ مضبوط اور پائیدار غذائی منصوبہ بندی کرے۔
2. مارکیٹ میں موجود ناقص غذائیں جگہ جگہ بنتے ہوئے ریسٹورنٹ ان کے غذائی معیار کو چیک کرنے کے اقدامات کیے۔ پنجاب فوڈاتھارٹی کے قابل موثر ہیں۔اسے وسعت دینے کی اشد ضرورت ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

3. مضبوط مدافعتی نظام کو فعال بنانے کے لیے بچوں کے لیے جو مصنوعی چیزیں تیار کی جاتی ہیں ان کی روک تھام کی جائی۔
4. گھریلو تیار کردہ اشیاء استعمال کرنے کو رواج دینا چاہیے اور گھریلو افراد کی خاص تربیت کی ضرورت ہے۔
5. ملاوٹ کی روک تھام کے لیے یونین کونسل کی سطح پر چیک کرنے کے نظام کو موثر بنایا جائے۔
6. بعض امراض میں ڈاکٹر مریض کو پرہیز تجویز کرتے ہیں چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ بیماری کے دوران ان اشیاء سے پرہیز کیا جائے۔
7. بیماری سے علاج کا ایک موثر طریقہ علاج بالغذاء بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طریقہ علاج کو فروغ دیا جائے۔
8. سیرت طیبہ کی رو سے جب بھوک لگے تب کھائیں اور ابھی پیٹ خالی ہو، کھانے سے ہاتھ کھینچ لیں۔
9. حرام اور نجس اشیاء سے پرہیز کرنا انتہائی مفید ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاکستان میں پانی کی قلت کا حل، تجاویز مطالعہ سیرت نبویہ ﷺ کی روشنی میں

ابتدائیہ:

پانی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے۔ اس پر نہ صرف ہر جاندار کی زندگی کا انحصار ہے بلکہ یہ ہماری روزمرہ کی بہت سی اہم ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ہم سب پر لازم ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۶۹ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۷۰﴾ (1)

”کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو، اسے تم نے بادل برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟“

کسی بھی نعمت کی شکر گزاری کے لیے ضروری ہے کہ دل میں نعمت کا اعتراف ہو، زبان سے اس کا اظہار ہو اور اسے اللہ کی اطاعت میں استعمال کیا جائے۔ شکر گزاری کرنے پر اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتے ہیں جبکہ ناشکری نعمتوں کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ﴾ (2)

”اور یاد رکھو، تمہارے رب نے خبر دار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔“

پانی جیسی نعمت پر شکر گزاری کا رویہ یہی ہے کہ اس کو ضائع نہ کیا جائے۔ اس وقت دنیا میں انسانوں کی کثیر تعداد صاف پانی سے محروم ہے اور آلودہ پانی کے استعمال کی وجہ سے ان میں بیماریاں اور اموات عام ہیں۔

(1) الواقعہ 56 : 68-70

(2) ابراہیم 14: 7

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دنیا بھر میں صاف پانی کی قلت:

- دنیا میں 1.1 بلین افراد جو دنیا کی کل آبادی کا چھٹا حصہ ہیں کو صاف پانی تک رسائی نہیں۔
- ایک اندازے کے مطابق 2030ء تک دنیا کی آدھی آبادی پانی کی کمی کا شکار ہو جائے گی۔
- آلودہ پانی کے استعمال سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی وجہ سے دنیا میں ہر 20 سکینڈ میں ایک بچہ ہلاک ہو جاتا ہے۔
- پوری دنیا کے ہسپتالوں میں مریضوں کی آدھی تعداد کا سبب آلودہ پانی کی وجہ سے پیدا ہونے والے امراض ہیں۔

قلت کی وجوہات:

دنیا بھر میں پانی کی قلت کی کئی وجوہات ہیں مثلاً بارشوں کا کم ہونا، گلوبل وارمنگ، پانی کی بڑھتی ہوئی مانگ اور زیر زمین پانی کی مقدار کا کم ہونا وغیرہ۔ ایک سروے کے مطابق انسانوں نے زیر زمین پانی کی بہت بھاری مقدار نکال لی ہے۔ ٹیکساس اور نیو میکسیکو میں زیر زمین پانی کے مکمل خشک ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے اور امریکا کے شمالی صوبوں میں زیر زمین پانی کی مقدار سالانہ کے حساب سے 24 فٹ نیچے جا رہی ہے پوری دنیا کو پانی کی کمی کا سامنا ہے۔ پانی ذخیرہ کرنے کے ذرائع جیسے ڈیم اور نہریں وغیرہ بھی اس کا حل نہیں۔

پاکستان میں پانی کی قلت:

دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں پانی کی قلت کا شکار ہو تا جا رہا ہے۔ ہم پانی کی فراہمی کے لیے گلیشئر ز کے پگھلنے اور مون سون کی بارشوں پر انحصار کرتے ہیں۔ انٹر نیشنل سٹینڈرڈ کے مطابق پاکستان 1992ء سے ہی پانی کی کمی کا شکار ہے جب کہ اس وقت ایک شخص کو سالانہ 1700 کیوبک میٹر پانی فراہم تھا۔ 2003ء تک پانی کی یہ فراہمی کم ہو کر 1200 کیوبک میٹر رہ گئی ہے۔ فراہمی آب کے ماہرین کے اندازہ کے مطابق 2020ء تک یہ مقدار کم ہو کر 855 کیوبک میٹر رہ جائے گی۔

مشکل کا حل:

- رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پانی کے استعمال کے بارے میں بھی رہنمائی دی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ وضو کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ پاس سے گزرے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: یہ کیا اسراف ہے ؟ انہوں نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگرچہ تم بہتے دریا پر ہو۔[1]

- خود نبی کریم ﷺ صرف ایک صاع (تقریباً اڑھائی لیٹر) پانی سے وضو سمیت غسل فرمالیا کرتے تھے۔[2]

کرنے کے کام:

پانی جیسی عظیم نعمت کو لاپرواہی سے بے دریغ استعمال کر کے ضائع نہ کریں۔

وضو اور غسل:

وضو کرتے وقت پانی کا نل ہلکا کھولیں، مسواک اور سر کا مسح کرتے وقت نل بند رکھیں اسی طرح غسل کرتے وقت ضرورت سے زیادہ پانی نہ بہائیں اور صابن یا شمپو لگاتے وقت نل بند رکھیں۔

موسم سرما میں گرم پانی کے انتظار میں بہت سا ٹھنڈا پانی ضائع نہ کریں بلکہ اس پانی کو کسی برتن میں جمع کر لیں اور اسے برتن دھونے، کپڑے دھونے یا پودوں کو دینے کے لیے استعمال کر لیں۔

سبزیاں اور پھل دھونا:

سبزیاں، پھل یا گوشت نلکے کے نیچے دھونے کی بجائے برتن میں دھوئیں اور اس استعمال شدہ پانی کو پودوں وغیرہ کے لیے استعمال کریں۔

برتن اور کپڑے دھونا:

برتن اور کپڑے دھوتے وقت پانی کو ضرورت سے زائد بہانے سے پرہیز کریں، صابن لگاتے ہوئے نل بند رکھیں۔

واشنگ مشین کو چند کپڑے دھونے کے لیے استعمال نہ کریں بلکہ پورا لوڈ ڈالیں۔

صحن اور گاڑی کی دھلائی:

ہر روز صحن یا گاڑی دھونے سے پرہیز کریں نیز اس کام کے لیے پائپ استعمال نہ کریں۔

[1] السلسلہ الصحیحہ:3292

[2] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ :728

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پودوں کو پانی دینا:

پودوں اور لان میں پانی کھلا نہ چھوڑیں بلکہ اتنا ہی استعمال کریں جتنی ضرورت ہے۔

دیگر تدابیر:

پانی کی موٹر چلا کر بند کرنا نہ بھولیں، ٹپکتے ہوئے نلکے، ٹوٹے ہوئے پائپ اور فلش ٹینک پہلی فرصت میں مرمت کروائیں۔ گھر والوں خصوصاً بچوں اور ملازمین میں اور مساجد و دیگر اداروں میں بھی پانی بچانے کے شعور کو اجاگر کریں۔

پاکستان میں پانی کی بڑھتی ہوئی قلت پر آنے والی ایک رپورٹ کے بعد حال ہی میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ثاقب نثار نے ازخود نوٹس لیتے ہوئے حکومت کو حکم دیا کہ دیامیر بھاشا ڈیم اور مہمند ڈیم کی تعمیر فوری شروع کی جائے اور اسی سلسلے میں انھوں نے عوام سے چندے کی اپیل بھی کی۔

اس مقصد کے لیے چیف جسٹس نے فنڈ بنانے کا حکم دیا اور 'دیامیر بھاشا اور مہمند ڈیم فنڈ 2018' کے نام سے قائم کیے گئے بینک اکاؤنٹ میں خود دس لاکھ روپے دیے۔

ثاقب نثار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سینیٹ کے چیئرمین صادق سنجرانی نے 15 لاکھ روپے اس فنڈ میں ڈال دیے۔ پاک افواج کے شعبہ تعلقات عامہ کے سربراہ میجر جنرل آصف غفور نے بھی اعلان کیا کہ فوج کے افسران دو دن اور سپاہی ایک دن کی تنخواہ اس ڈیم فنڈ میں جمع کرائیں گے۔

اسی بارے میں پاکستان کے دریا خشک کیوں ہو رہے ہیں؟

کھربوں روپے مالیت کا پانی ضائع

اس کے علاوہ خیبر پختونخواہ کے سرکاری افسران نے تین دن جبکہ پمز ہسپتال، سٹیٹ بینک وزارتِ خارجہ اور واپڈا کے اہلکاروں نے بھی اپنی تنخواہوں سے رقم اس فنڈ میں جمع کروانے کا اعلان کیا۔

سپریم کورٹ کی ویب سائٹ پر چندے کی تفصیلات میں دیکھا جا سکتا ہے کہ 11 جولائی کی شام تک تقریباً ڈھائی کروڑ روپے کی رقم جمع ہو چکی ہے تاہم سوال یہ ہے کہ کیا چندہ جمع کر کے کوئی ڈیم بنایا گیا ہے یا ایسا ممکن بھی ہے؟

دیامیر بھاشا اور مہمند ڈیم:

دیامیر بھاشا ڈیم کے قیام کا منصوبہ فوجی آمر اور صدر، جنرل پرویز مشرف کے دور میں پیش کیا گیا جو کہ پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے شمالی علاقہ جات، گلگت بلتستان میں بھاشا کے مقام پر تعمیر ہونا ہے۔

لیکن متعدد بار تعمیر کا افتتاح ہونے کے باوجود فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے ڈیم ابھی تک صرف ابتدائی مراحل میں ہے۔ 4500 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے والے ڈیم کے منصوبے کے آغاز پر اس کا تخمینہ 12 ارب ڈالر لگایا گیا تھا لیکن مختلف ماہرین کے مطابق اس ڈیم کی کل لاگت 18 سے 20 ارب ڈالر تک جاسکتی ہے۔

واضح رہے کہ دریاؤں کے تحفظ کی عالمی تنظیم انٹرنیشنل ریورز کے مطابق دنیا بھر میں بڑے ڈیم بنانے کا رجحان کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک وجہ ڈیم کی تعمیر کے لیے لگائے گئے ابتدائی تخمینے میں مسلسل اضافہ ہونا ہے۔

حکومت پاکستان کو بھی دیامیر بھاشا ڈیم کی تعمیر میں سب سے بڑی رکاوٹ سرمایے کی رہی جس کے لیے انھوں نے مختلف عالمی مالیاتی ادارے جیسے ورلڈ بینک، ایشین ڈویلپمینٹ بینک، آغا خان فاؤنڈیشن وغیرہ شامل ہیں لیکن ان تمام اداروں نے سرمایہ دینے سے معذرت کرلی اور اس کی وجہ ڈیم کی متنازع علاقے میں موجودگی بتائی۔

یاد رہے کہ دیامیر بھاشا ڈیم پاکستان کے گلگت بلتستان علاقے میں ہے لیکن انڈیا اسے ابھی بھی اپنا حصہ سمجھتا ہے۔ گذشتہ سال 2020ء میں پاکستان نے کوشش کی کہ پاک چین اقتصادی راہداری کے مختلف منصوبوں میں دیامیر بھاشا ڈیم کو بھی شامل کرلیں لیکن چین کی جانب سے رکھی گئی شرائط کی سختی کو دیکھتے ہوئے اس خیال کو ترک کردیا گیا۔

اس سال مارچ میں وفاقی حکومت نے اصولی طور پر اس ڈیم کی تعمیر کے لیے رقم مختص کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ بجٹ میں سے 370 ارب روپے اس ڈیم کی تعمیر کے لیے مختص کیے جائیں گے جبکہ واپڈا تقریباً 116 ارب روپے اپنے ذرائع سے جمع کرے گا۔ بقیہ 163 ارب روپے بینکوں سے قرضوں کی مد میں لیے جائیں گے۔

حکومتی اعلان کے مطابق پہلے مرحلے میں دیامیر بھاشا ڈیم کے صرف پانی ذخیرہ کرنے کی سہولت پر کام ہوگا جبکہ بجلی بنانے والے سیکشن کی تعمیر میں مزید 744 ارب روپے درکار ہوں گے اور کل منصوبے کی تعمیر پر 1.4 کھرب روپے کی لاگت آسکتی ہے۔

ڈیم کی تعمیر کے لیے زمین حاصل کرنے اور آبادکاری کا کام پہلے ہی شروع ہو چکا ہے اور اس مقصد کے لیے اب تک حکومت 58 ارب روپے خرچ کرچکی ہے جبکہ مزید 138 ارب روپے اسی سلسلے میں مختص کیے گئے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہمند ڈیم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ:

یہ ڈیم قبائلی علاقے مہمند ایجنسی میں دریائے سوات پر بنایا جائے گا۔ واپڈا کی دی گئی معلومات کے مطابق اس ڈیم کی تعمیر 2012 میں شروع ہونا تھی اور اسے 2016 میں مکمل ہونا تھا لیکن ابھی تک صرف پی سی ون ہی مکمل ہوا ہے۔

اس ڈیم کی تعمیر سے 800 میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی اور 12 لاکھ ایکٹر سے زائد پانی ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔

ڈیم کی پی سی ون کی لاگت 93 کروڑ روپے تھی جس میں امدادی ادارہ بھی رقم دے گا۔

کیا چندے سے ڈیم بن سکتا ہے؟

اس فنڈ کے تناظر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا ڈیم جس کی تعمیر کا تخمینہ کم از کم 18 سے 20 ارب ڈالر کا ہو اور تعمیر کا دورانیہ 12 سے 14 سال ہو، کیا وہ محض چندے کی رقم سے بن سکتا ہے؟

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے مختلف ماہرین نے چیف جسٹس ثاقب نثار کی جانب سے شروع کیے گئے دیامیر بھاشا ڈیم اور مہمند ڈیم کے لیے قائم کیے گئے اس فنڈ پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے اس کی افادیت پر سوال اٹھائے۔

کالم نویس اور لندن کے کنگز کالج سے وابستہ دانش مصطفیٰ نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ چیف جسٹس کے اس فنڈ نے انھیں نوے کی دہائی میں نواز شریف حکومت کی جانب سے شروع کی گئی سکیم 'قرض اتارو ملک سنوارو' کی یاد دلا دی ہے۔

'دنیا میں کسی ملک نے ایسے منصوبے پر کام شروع نہیں کیا جس کی مالیت اس ملک کی مجموعی قومی پیداوار کے تقریباً دس فیصد حصے کے برابر ہو۔'

پانی کے امور کے ماہر حسن عباس نے بھی بی بی سی سے گفتگو میں کہا کہ ان کی معلومات کے مطابق دنیا میں کہیں بھی اتنا بڑا منصوبہ چندے کی مدد سے تعمیر نہیں کیا گیا ہے اور ان منصوبوں کے لیے عالمی مالیاتی اداروں سے قرضے لیے جاتے ہیں۔

'دیامیر بھاشا ڈیم جیسے منصوبے کے لیے اگر آپ پاکستان کے تمام شہری، بشمول نوزائیدہ بچے، اگر اس فنڈ کے لیے 30000 روپے دیں تو شاید کچھ بات بنے۔ لیکن کیا ہمارے ملک میں اوسط تنخواہ اتنی ہے؟ اس فنڈ بنانے کا خیال ناقابلِ عمل لگتا ہے۔'

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماحولیاتی امور کے ماہر وکیل رافع عالم نے بھی بی بی سی کو بتایا کہ ان کی معلومات میں پاکستان میں آج تک ایسا کوئی ڈیم تعمیر نہیں ہوا ہے جس کے لیے عوام سے چندہ لیا گیا ہو۔

واضح رہے کہ چیف جسٹس ثاقب نثار نے اپنے فیصلے میں کہا تھا کہ لوگوں نے سپریم کورٹ کے عزم پر سوالات اٹھائے تھے اور امید کا اظہار کیا کہ قوم اسی فراخدلی کا مظاہرہ کرے گی جیسے 1965 کی جنگ کے موقع پر کیا تھا۔ انھوں نے مزید کہا تھا کہ 'ممکن ہے کہ اس فنڈ میں ضرورت سے زیادہ رقم آجائے۔'

لیکن حصار فاؤنڈیشن سے وابستہ ماہر معاشیات ڈاکٹر پرویز عامر نے بی بی سی کو بتایا کہ سپریم کورٹ کی جانب سے قائم کیے گئے فنڈ سے ڈیمز کی تعمیر کی کل لاگت کا بمشکل پانچ فیصد حصہ جمع ہو سکتا ہے۔

ساتھ ساتھ انھوں نے مزید کہا کہ اگر سپریم کورٹ بونڈ جاری کر دے تو مالیاتی اداروں کے ساتھ مل کر فنانشل منصوبہ بنایا جاسکتا ہے اور اس کی مدد سے زیادہ رقم حاصل ہو سکتی ہے۔

'عوام سے چندے کی اپیل کرنا جذباتی فیصلہ لگتا ہے، نہ کہ کوئی سنجیدہ مشورہ۔'

'ہنہ جھیل خشک، ہزاروں مچھلیاں ہلاک'

پانی ذخیرہ کرنے کے اہلیت اور پانی کا ضیاع:

پاکستان میں 15 میٹر سے زیادہ بلند ڈیموں کی تعداد 150 ہے جس میں تربیلا اور منگلا سب سے پرانے ہیں جو کہ بالترتیب 1974 اور 1967 میں مکمل ہوئے تھے۔

حال ہی میں انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کی جانب سے کہا گیا تھا کہ تربیلا ڈیم 'ڈیڈ لیول' پر پہنچ گیا ہے جبکہ منگلا ڈیم میں اب صرف آٹھ لاکھ ایکڑ فیٹ پانی رہ گیا ہے۔ ارسا نے مزید کہا کہ اگر ملک میں مون سون کی بارشیں نہیں ہوتیں تو پانی کا بحران مزید بڑھ جائے گا۔

دوسری جانب آئی ایم ایف، یو این ڈی پی اور دیگر اداروں کی اسی سال آنے والی مختلف رپورٹس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں پانی کا بحران تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے اور 2040 تک پاکستان خطے کا سب سے کم پانی والا ملک بن سکتا ہے۔ پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ پانی استعمال کرنے والے ممالک کی فہرست میں چوتھے نمبر پر ہے اور پورے ملک میں پانی ذخیرہ کرنے کے صرف دو بڑے ذرائع ہیں جن کی مدد سے محض 30 دن کا پانی جمع کیا جا سکتا ہے۔

ارسا کے مطابق پاکستان میں بارشوں سے ہر سال تقریباً 145 ملین ایکڑ فِٹ پانی آتا ہے لیکن ذخیرہ کرنے کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے صرف 13.7 ملین ایکڑ فِٹ پانی بچایا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گذشتہ سال ارسانے سینیٹ میں بتایا تھا کہ پانی کے ذخائر نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں ہر سال 21 ارب روپے مالیت کا پانی ضائع ہو جاتا ہے اور جتنا پانی سمندر میں جاتا ہے اسے بچانے کے لیے منگلا ڈیم کے حجم جتنے تین اور ڈیم کی ضرورت ہو گی۔

اس کے علاوہ پانی کے ضیاع کی چند بڑی وجوہات میں موسمی حالات کی تبدیلی اور بارشوں کی کمی، تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی اور پانی بچانے کے انتہائی ناقص ذرائع ہیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں پانی کے غیر ذمہ دارانہ استعمال سے بھی بڑی تعداد میں پانی کا ضیاع ہوتا ہے۔

پاکستان میں آبی قلت، کیا کوئی حل ہے؟

ایک ایسے وقت میں جب پاکستان میں سیاست دانوں اور ذرائع ابلاغ کی توجہ آنے والے انتخابات اور سیاسی مسائل پر مرکوز ہے، ملک کے آبی ماہرین پانی کی قلت پر پریشان ہیں اور اس کے حل کے طریقے سوچ رہے ہیں۔

کئی بین الاقوامی اداروں کے مطابق پاکستان تیزی سے ایک ایسی صورتِ حال کی طرف بڑھ رہا ہے، جہاں آنے والے وقتوں میں اسے شدید پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کچھ ماہرین کے خیال میں پاکستان آنے والے سات برسوں میں پانی کی شدید قلت کا شکار ہو سکتا ہے۔ کئی آبی ماہرین کا خیال ہے کہ حکومت کی طرف سے اس مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا جارہا۔ اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے توانائی اور آبی امور کے ماہر جہانزیب مراد کے مطابق اگر ہم نے فوری اقدامات نہ کئے تو مستقبل میں ہم تباہی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

کیا پاکستان شدید آبی قلت کا شکار ہونے جارہا ہے؟

اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے ڈوئچے ویلے کو بتایا:

”پانی کو ذخیرہ کرنے والے ڈیموں کی استعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ صرف ہم نے ایک ڈیم کی گنجائش کو بڑھانے کی کوشش کی ہے لیکن ہم نئے ڈیموں کے بارے میں نہیں سوچ رہے۔ کالا باغ ڈیم کو ہم نے سیاست کی نظر کر دیا ہے جب کہ بھاشا ڈیم میں کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے اس کے باوجود بھی ہم اس ڈیم کو نہیں بنارہے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈیم نہ بننے سے سب سے زیادہ نقصان سندھ اور جنوبی پنجاب کو ہو گا اور سندھ سے ہی سب سے زیادہ ڈیم کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ہمیں اس مسئلے پر سب سے پہلے ایک بیانیہ تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم لوگوں کو اس حوالے سے آگاہی دے سکیں اور پانی ذخیرہ کرنے کے منصوبے بھی شروع کر سکیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عالمی یوم آب: آلودہ پانی پاکستان میں بھی ایک بڑا مسئلہ

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا، ''بلین ٹری جیسے کئی منصوبے ہمیں شروع کرنے پڑیں گے لیکن ان منصوبوں کے نتائج فوری طور پر نہیں آئیں گے۔ فوری طور پر تو ہمیں ڈیمز بنانے کی ضرورت ہے۔ دیامر بھاشا ڈیم اس لئے بنایا نہیں جارہا کیونکہ اس میں ممکنہ طور پر بارہ برس لگیں گے جب کہ کوئی بھی حکومت پانچ سال سے آگے سوچنا نہیں چاہتی۔ اس معاملے میں ہمیں قومی مفادات کو پیشِ نظر رکھ کر سوچنا ہوگا۔''

کیا پاکستان کو سیلابی نقصانات سے بچایا جاسکتا ہے؟

فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے آبی امور کے ماہر عرفان چوہدری کے خیال میں پاکستان میں بارش کا پیٹرن بہت مختلف ہے اور اب اس پیٹرن کے ساتھ گلوبل وارمنگ کا مسئلہ بھی سنگین ہوتا جارہا، جس کی وجہ سے پاکستان سمیت کئی ترقی پذیر ممالک متاثر ہورہے ہیں، ''مسئلہ یہ ہے کہ یورپی ممالک کے برعکس ہمارے ہاں مختصر مدت کے لئے زیادہ بارش ہوتی ہے، جو صحیح طرح زیر زمین جذب نہیں ہوتی اور چونکہ ہمارے پانی جمع کرنے کے ذخائر بھی کم ہیں۔ اس لئے ہم اس پانی کا ذخیرہ بھی نہیں کرپاتے جس کی وجہ سے یہ پانی ضائع ہوجاتا ہے۔ میرے خیال میں بڑے ڈیموں کو تعمیر کرنے کے لئے پہلے ہمیں بہت سے سیاسی مسائل سے لڑنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہمیں گوٹھ اور دیہات کی سطح پر چھوٹے اسٹوریج ٹینک بنانے چاہیں، جس سے نہ صرف پانی جمع ہوگا بلکہ زیرِ زمین پانی کی سطح بھی بلند ہوگی، جو بلوچستان سمیت کئی علاقوں میں خطرناک حد تک نیچے جاچکی ہے۔ ہمیں سیلابی نہریں بنانی چاہیں اور اگر مون سون کے دور میں بارش بہت زیادہ ہو اور سیلابی شکل اختیار کرلے تو ان سیلابی نہروں کے ذریعے ایک طرف ہم اپنی فصلوں کو تباہ ہونے سے بچاسکتے ہیں اور دوسری طرف ان نہروں کی بدولت بھی زیرِ زمین پانی کی سطح کو بلند کیا جاسکتا ہے۔''

دس برسوں میں پاکستان قحط کا شکار ہوسکتا ہے، رپورٹ

بلوچستان سے تعلق رکھنے والے انرجی کے ماہر فیصل بلوچ کے مطابق اس رین پیٹرن کو بہتر کرنے کے لئے شجر کاری بہت ضروری ہے، ''پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے کئی ممالک میں بڑے ڈیموں کی تعمیر کے تجربے ہوئے ہیں لیکن اب کئی ماہرین کا خیال ہے کہ ان بڑے ڈیموں کا نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہوتا ہے۔ اسی لئے دنیا کے کئی ممالک میں ان ڈیموں کو بتدریج ختم کیا جارہا ہے۔ ڈیموں کے لئے ایک خطیر سرمایہ چاہیے ہوتا ہے جب کہ اس سے سیاسی مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں مصنوعی جھیلیں بنا کر پانی کو ذخیرہ کرنا چاہیے، جس سے نیچرل اکوافر ریچارج ہوگا۔ اس کے علاوہ فیلڈ اریگیشن کو ختم کرکے ہمیں دوسرے طریقے اپنانے چاہیں۔ پانچ ملین ایکڑ فٹ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(MAF)صرف ہم یہ طریقہ کاشت کو ختم کر کے بچا سکتے ہیں۔'

سٹیٹ بینک نے اپنی رپورٹ میں اس خطرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ پاکستان کے تین بڑے آبی زخائر منگلا، تربیلہ اور چشمہ میں صرف 30 دن کا پانی زخیرہ کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے۔

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی طرف سے جاری کردہ ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان کو پانی کی شدید قلت کے بحران کا سامنا ہو سکتا ہے۔ڈیموں میں صرف 30 دن پانی زخیرہ کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے اور کروڑوں شہری زہریلا پانی استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔یوں اسٹیٹ بینک نے خطرے کی گھنٹی بجادی ہے۔

زرعی ملک ہونے کے ناطے پانی کی بوند بوند پاکستان کیلئے اہم ہے لیکن یہاں تو پانی کی قلت خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی، شہروں کی طرف نقل مکانی، موسمیاتی تبدیلیوں اور حکومتوں کی کوتاہیوں نے پاکستان کو پانی کی شدید قلت کے شکار 33 ممالک کی طرف دھکیل دیا ہے۔

اسٹیٹ بینک نے اپنی رپورٹ میں اس خطرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ پاکستان کے تین بڑے آبی زخائر منگلا، تربیلہ اور چشمہ میں صرف 30 دن کا پانی زخیرہ کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے۔

ملکی دریاؤں میں آنے والے پانی میں سے 28 ملین ہیکٹر فٹ پانی ضائع ہو کر سمندر میں چلا جاتا ہے۔

عالمی معیار کے مطابق کم از کم 120 دن کا پانی زخیرہ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے جبکہ ترقی یافتہ ممالک ایک سے دو سال کیلئے پانی زخیرہ کر رہے ہیں۔پاکستان میں دریاؤں کا صرف 10 فیصد پانی ہی زخیرہ ہو پاتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق 5 کروڑ پاکستانی آلودہ پانی استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔زیر زمین پانی میں آرسینک نامی زہر اور آلودگی شامل ہونے سے خطرناک بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔

حیدر آباد، بے نظیر آباد اور پشین سمیت سندھ اور بلوچستان کے بعض اضلاع میں پانی زیر زمین 1000 فٹ نیچے چلا گیا ہے۔رہی سہی کسر بارشوں کی قلت نے پوری کر دی۔

پاکستان میں سالانہ 500 ملی میٹر جبکہ بھارت میں 1000 ملی میٹر بارش ہوتی ہے۔پاکستان میں شہریوں کو فی کس 1017 کیوبک میٹر جبکہ بھارت میں 1600 کیوبک میٹر پانی دستیاب ہے۔ رپورٹ کے مطابق بھارت اور افغانستان کے آبی منصوبے پاکستان کیلئے خطرناک ہیں۔پاکستانی دریاؤں چناب اور جہلم پر بھارت نے بگلیہار اور کشن گنگا جیسے ڈیم بنا لیئے جبکہ افغانستان دریائے کابل پر ہائیڈرو پاور منصوبے تعمیر کر رہا ہے۔ اسٹیٹ بنک کی رپورٹ کا کہنا ہے کہ 2030 تک پاکستان پانی کی شدید قلت والے 33 ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔

بد قسمتی یہ ہے کہ پاکستان آج تک اپنی واٹر پالیسی کا اعلان نہیں کر سکا۔پہلی واٹر پالیسی کا مسودہ 2003 میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیار کیا گیا جو تاحال مشترکہ مفادات کونسل کی منظوری کا منتظر ہے۔

دوسری جانب دیامر بھاشا ڈیم کی لاگت میں بھی ریکارڈ اضافے کا انکشاف ہوا ہے۔ دیامر بھاشا ڈیم کی تعمیر کا آغاز تو درکنار، منصوبے کیلئے زمین کی خریداری کا کام بھی مکمل نہ ہو سکا۔ ڈیم کی تعمیری لاگت میں 506 ارب روپے کا اضافہ ہو گیا ہے۔ تعمیری لاگت 894 سے بڑھ کر 1400 ارب ہو گئی۔ دیامر بھاشا ڈیم 2021 میں مکمل ہونا تھا تاہم غیر ملکی فنڈنگ کا انتظام نہ ہونے سے منصوبہ تاخیر کا شکار ہے،،

اس حوالے سے ارسا کے ڈائریکٹر آپریشنز خالد رانا نے وائس آف امریکہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پانی کے حوالے سے صورتحال اس رپورٹ سے بھی زیادہ تشویشناک ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اگر ہم توانائی بحران سے نکل بھی گئے تو خوراک کے بحران کی طرف جا رہے ہیں جس سے نکلنا بہت مشکل ہو گا۔

خالد رانا کا کہنا تھا کہ ہمارے دریاؤں میں 144 ملین ہیکٹر فٹ پانی آتا ہے جس میں سے صرف 13.8 ملین ہیکٹر فٹ پانی ذخیرہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں گزشتہ سالوں میں آنے والے سیلابوں کی وجہ سے 38 ارب ڈالر کے نقصانات ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے پانی کے ذخائر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتے جا رہے ہیں جن کیلئے جنگی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سال پاکستان میں ربیع کی فصل کے لیے 20 فیصد پانی کم ہونے کا امکان ہے۔ خالد رانا نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث اچانک سیلاب یا خوشک سالی بھی ہو سکتی ہے جس سے نمٹنے کیلئے ڈیمز کا ہونا ناگزیر ہے۔

پاکستان میں پانی کی قلت دور کرنے کے منصوبے:

پاکستان میں پانی کی کمی کے مسئلہ پر قابو پانے اور آبی ذخائر اور پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مختصر، درمیانی اور طویل المدتی منصوبوں پر کام جاری ہے۔ 2013ء کے بعد پن بجلی کے منصوبوں کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ فی الوقت پانی سے تقریباً 7 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش ہے۔ دیامیر بھاشا، داسو ہائیڈرو پاور پروجیکٹ، نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پروجیکٹ سے تقریباً 98 سو میگاواٹ بجلی حاصل ہونے کی توقع ہے۔

وزارت آبی وسائل کے ذرائع کے مطابق ملک کی 60 فیصد آبادی زراعت کے شعبے سے وابستہ ہے جس کی وجہ سے پانی کی طلب میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ 3 فیصد پینے کا صاف پانی ہے جس میں 70 فیصد پانی گلیشیئر سے آتا ہے۔ 24 فیصد زیر زمین سے جبکہ ایک فیصد دریاوں اور ندیوں سے آتا ہے۔ 1979 میں اوسط پانی 183 ملین ایکڑ فٹ تھا جبکہ اب 145 ملین ایکڑ فٹ پر پہنچ گیا ہے۔ پاکستان ان 15 ممالک میں شامل ہے جن کو پانی کی کمی کا خطرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاحق ہے۔ ذرائع کے مطابق کل پانی کا 90 فیصد آبپاشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ اس میں 50 فیصد پانی فرسودہ کنوؤں کے نظام اور پانی چوری کی وجہ سے ضائع ہو رہا ہے جس سے پانی کی قلت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

6 ہزار 919 میگاواٹ بجلی پانی سے پیدا کی جارہی ہے۔ پانی کا ذخیرہ 18 ملین ایکڑ فٹ سے زائد کیا گیا ہے جس میں تربیلا ڈیم کی 6.17 ملین ایکڑ فٹ ہے۔ اب تک 25 ملین ایکڑ فٹ پانی ضائع ہو رہا ہے جس کو ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مرتبہ تربیلا ڈیم میں 36 فیصد پانی کم جمع ہوا ہے۔ دیامر اور بھاشا ڈیم بننے سے تربیلا ڈیم کی عمر 25 سال بڑھ جائے گی۔ پاکستان میں کل 155 ڈیم ہیں جن میں 30 دنوں کیلئے پانی ذخیرہ ہو سکتا ہے جو کہ 120 دن ہونا چاہئے۔

ذرائع کے مطابق رواں مالی سال 2017-18ء پانی کے مختلف منصوبہ جات کیلئے پی ایس ڈی پی میں 174651 ملین روپے مختص کئے گئے ہیں جن میں سے 36750 ملین روپے ادا کئے گئے۔ بلوچستان میں کچھی کنال سے 72 ہزار ایکڑ اراضی سیراب ہو گی جسے 13 ستمبر 2017 کو مکمل کیا گیا۔ چترال میں گولن گول منصوبے کو 4 فروری 2018 کو مکمل کیا گیا جس کی پیداواری 108 میگاواٹ استعداد کار ہے جس سے 3 ارب 70 کروڑ روپے کی بچت ہو گی۔ نیلم جہلم منصوبے سے بھی مرحلہ وار بجلی کی پیداوار شروع ہو گئی ہے جس کی مجموعی استعداد کار 969 میگاواٹ ہے اور اس منصوبے پر 500 ارب روپے کی لاگت آئی ہے۔

نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کے یونٹ نمبر 2 نے بھی میکینکل ٹیسٹ رن کامیابی کے ساتھ مکمل کر لیا ہے جس کے بعد اِس یونٹ کو آج قومی نظام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ یونٹ نے آزمائشی طور پر بجلی کی پیداوار شروع کر دی ہے۔ ٹیسٹ رن کے دوران اِس یونٹ نے 185 میگاواٹ تک بجلی پیدا کی۔ اِس یونٹ کو بتدریج پوری پیداواری صلاحیت یعنی 242.25 میگاواٹ تک لے جایا جائے گا۔ کنٹریکٹ کے قواعد وضوابط کی رو سے یونٹ نمبر 2 کو بھی کمرشل آپریشن سے پہلے ریلائی ایبلٹی ٹیسٹ اور ریلائی ایبلٹی پیریڈ کے مراحل سے گزارا جائے گا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ 18 مئی سے نیلم جہلم پراجیکٹ کا یونٹ نمبر 3 اپنے 30 روزہ ریلائی ایبلٹی پیریڈ سے گزر رہا ہے۔ اور قومی نظام کو اپنی پوری پیداواری صلاحیت کے مطابق 242.25 میگاواٹ بجلی فراہم کر رہا ہے۔ نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ سے اب تک قومی نظام کو تقریباً 9 کروڑ یونٹ بجلی مہیا کی جا چکی ہے۔ بجلی کی یہ مقدار تقریباً ایک ارب روپے کی آمدنی کے مساوی ہے۔

نیلم جہلم پروجیکٹ کی مجموعی پیداواری صلاحیت 969 میگاواٹ ہے۔ اِس کے 4 پیداواری یونٹ ہیں، جن میں سے ہر ایک کی پیداواری صلاحیت 242.25 میگاواٹ ہے۔ پروجیکٹ کے چاروں یونٹ اِس سال جولائی تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرحلہ وار مکمل ہوں گے۔ مختصر مدت کے منصوبہ جات کے تحت ایک ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کے لئے ڈیم بنائے جائیں گے۔ وسط مدتی منصوبہ جات کے تحت 9 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کیا جائے گا۔ طویل المدتی منصوبہ جات کے تحت 25 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش بنائی جائے گی۔ ان تمام منصوبہ جات پر کل لاگت 5 ہزار ارب روپے ہو گی۔

دیامیر بھاشاڈیم میں 81لاکھ ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہو گی۔ اس سے 45 سو میگاواٹ بجلی پیدا ہو گی۔ اس منصوبے سے مکمل ہونے سے ملک میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش 38 دنوں سے بڑھ کر 45دن ہو جائے گی۔ تربیلا ڈیم سمیت ڈاؤن اسٹریم آبی ذخائر کی زندگی میں بھی اضافہ ہو گا۔ دیا میر بھاشا ڈیم سے 43سو20 میگاواٹ سے زائد داسو ہائیڈرو پاور پروجیکٹ کی استعداد میں بھی 28 فیصد اضافہ ہو گا۔ 1960ء کی دہائی میں تربیلاڈیم اور منگلاڈیم تعمیر کے بعد پاکستان میں پانی کا کوئی بڑاذخیرہ مکمل نہیں کیا گیا۔

داسو ہائیڈروپاور پراجیکٹ خیبر پختونخوا کے ضلع کوہستان میں دریائے سندھ پر مکمل کیا جائے گا اور یہ منصوبہ 2 مراحل میں مکمل ہو گا۔ پہلے مرحلے میں 21سو60 میگاواٹ بجلی پیدا ہو گی۔ پن بجلی کے منصوبوں سے حاصل ہونے والی توانائی کی قیمت 2روپے 15 پیسے فی یونٹ ہے جبکہ ایٹمی بجلی کی قیمت 6روپے 86 پیسے، گیس سے پیدا ہونے والی بجلی کی قیمت 9روپے 7 پیسے، فرنس آئل سے پیدا ہونے والی بجلی کی قیمت 11 روپے 7 پیسے، آر ایل این جی سے پیدا ہونے والی بجلی کی قیمت 11 روپے 27 پیسے، بگاس سے پیدا ہونے والی بجلی کی قیمت 11 روپے 95 پیسے، کوئلہ سے پیدا ہونے والی بجلی کی قیمت 12 روپے 8 پیسے، ونڈ منصوبوں سے حاصل ہونے والی بجلی 16روپے 63 پیسے، شمسی توانائی سے حاصل ہونے والی بجلی کی قیمت 16 روپے 95 پیسے، ہائی سپیڈ ڈیزل سے پیدا ہونے والی بجلی کی قیمت 17روپے 96 پیسے ہے جبکہ ایران سے 10 روپے 55 پیسے فی یونٹ کے حساب سے بجلی درآمد کی جارہی ہے۔ واپڈا کے 19 ہائیڈرو اور الیکٹرک پاور اسٹیشن کی مجموعی پیداوار 6 ہزار 900 میگاواٹ سے زائد ہے جو کہ ملک کی بجلی کی مجموعی پیداواری استعداد کا ایک تہائی ہے۔ تربیلا فور توسیعی منصوبے سے 1410 میگاواٹ بجلی کا افتتاح ہو چکا ہے جس سے مجموعی پیداوار 4ہزار 888 میگاواٹ ہو گئی ہے۔ تربیلا فور منصوبے سے سالانہ 3 ارب 84 کروڑ یونٹ بجلی پیدا ہو گی۔

پانی کا ضیاع نہ رکا تو بحران دور نہیں ہو سکتا:

ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی اور اس کی آبی ضروریات کے تناظر میں ماہرین اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف پانی کے ضیاع کو روکنے بلکہ اسے ذخیرہ کرنے کے لیے چھوٹے، درمیانے اور بڑے ڈیم بنانا بھی ضروری ہے۔

پاکستان میں حکومتی ذمہ داران کا کہنا ہے کہ اگر ملک میں پانی کے استعمال کے موجودہ طریقے کو تبدیل اور اس کے ضیاع کو نہ روکا گیا تو آبی بحران دور نہیں ہے۔

ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی اور اس کی آبی ضروریات کے تناظر میں ماہرین اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ نہ صرف پانی کے ضیاع کو روکنے بلکہ اسے ذخیرہ کرنے کے لیے چھوٹے، درمیانے اور بڑے ڈیم بنانا بھی ضروری ہے۔

سرکاری تحقیقاتی ادارے 'پاکستان کونسل آف ریسرچ ان واٹر ریسورسز' کے چیئرمین ڈاکٹر محمد اشرف نے وائس آف امریکہ سے ایک انٹرویو میں کہا کہ "اگر ہمارے پانی کے ذرائع وہی رہتے ہیں، ہمارا اسٹائل پانی کے استعمال کرنے کا وہی رہتا ہے، مس منیجمینٹ بھی وہی رہتی ہے، آبادی جیسے بڑھتی جارہی ہے تو ایک وقت آئے گا کہ یہ بحران ہو سکتا ہے۔"

اُن کا کہنا تھا کہ زیرِ زمین پانی کے استعمال میں اضافے سے پانی کی سطح نیچے جارہی ہے اور پانی کا معیار بھی خراب ہو رہا ہے۔

> "ہمارے پاس جو پانی بارش کی صورت میں دریاؤں میں آتا ہے اس کو ہمیں زیادہ سے زیادہ محفوظ کرنا ہے۔ دوسرا پانی استعمال کرنے کی عادات جو ہیں، ان کو ہم نے تبدیل کرنا ہے۔۔۔ آپ کو تبدیل کرنا پڑے گا۔ جب آپ اپنے طریقے کو تبدیل کریں گے تو ہم اس قابل ہوں گے کہ جو کمی آئے گی اس کو ہم برداشت کرلیں۔"

ڈاکٹر محمد اشرف نے کہا کہ نہ صرف شہری آبادی میں اضافے کے سبب پانی کی ضروریات بڑھ رہی ہیں بلکہ اُن کے بقول 2025ء تک ملک کی زرعی ضروریات کے لیے بھی پانی کی طلب مزید بڑھ جائے گی۔

> "تمام شہروں میں پینے کا جو پانی ہے اس کے اوپر ایک بڑا دباؤ آرہا ہے۔ تو اس وقت جیسے جیسے ہماری ضروریات بڑھتی جارہی ہیں، زیرِ زمین پانی کی سطح نیچے جارہی ہے جیسے جیسے پانی نیچے جارہی ہے۔ اس کی مقدار اور کوالٹی دونوں خراب ہوتی جارہی ہیں۔"

اُن کا کہنا تھا کہ زراعت کے شعبے میں بھی جدید ٹیکنالوجی کو استعمال میں لاتے ہوئے پانی کو محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اشرف کا کہنا تھا کہ پانی کی اہمیت اور اس کے ضیاع کو روکنے کے لیے اس وقت جو مہم چلائی جارہی ہے، وہ ناکافی ہے۔

> "یہ پانی کے استعمال کرنے کی عادات اتنی آسانی سے تبدیل نہیں ہوتیں۔ اس کے لیے آپ کو بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ وسیع مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ آپ کو مناسب ٹیرف لگانے کی ضرورت ہے۔ پانی جو آپ دیتے ہیں اس کو میٹرڈ کر کے دینے کی ضرورت ہے۔"

اُن کا کہنا تھا کہ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم بنانے کی بھی ضرورت ہے۔

"پانی کا ایک قطرہ آپ کے سسٹم سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ جو ڈیم ہیں، آبی ذخیرے ہیں، وہ آپ کی ضرورت ہے اور رہے گی۔ چونکہ وقت کے ساتھ ساتھ آبادی بڑھتی جائے گی، آپ کی ضروریات بڑھتی جائیں گی۔"

پاکستان میں سرکاری اعدادوشمار کے مطابق اس وقت ملک میں فی کس پانی کی دستیابی لگ بھگ ایک ہزار مکعب فٹ ہے جبکہ 1951ء میں یہ مقدار پانچ ہزار مکعب فٹ سے زیادہ تھی۔

حکاّم کے مطابق اس کی وجہ آبادی میں تیزی سے اضافہ اور ملک میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت کی کمی ہے۔

یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کا امیر ترین شہر ہے۔ جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ اسی شہر میں قائم ہے۔ دنیا کے کئی ارب پتیوں نے یہاں املاک خریدی ہوئی ہیں۔ نیلا بحراوقیانوس مٹیالے بحرِ ہند سے کیپ ٹاؤن کے کناروں پر ہی گلے ملتا ہے۔ پینتالیس لاکھ آبادی ہر جدید اور خوشحال شہر کی طرح دو طبقات میں بٹی ہوئی ہے۔ خادم اور مخدوم۔ جو مخدوم ہیں وہ بہت ہی مخدوم ہیں۔ سب کے رنگ صاف اور تمتماتے ہوئے۔ زندگی کا محور بڑے بڑے سوئمنگ پولز والے ولاز، سایہ دار گلیاں، نئے ماڈل کی گاڑیاں، فارم ہاوسز، کارپوریٹ بزنس اور پارٹیاں۔ شہر کے اسی فیصد آبی وسائل بیس فیصد مخدوموں کے زیرِ استعمال ہیں اور باقی اسی فیصد خدام کو بیس فیصد پانی میسر ہے۔ دس برس پہلے کچھ ماہرین نے خبردار کیا تھا کہ بڑھتی آبادی، اوور ڈویلپمنٹ اور ماحولیاتی تبدیلی جلد ہی کیپ ٹاؤن کو ناقابلِ رہائش بنادے گی۔ ظاہر ہے یہ وارننگ سن کر سب ہنس پڑے ہوں گے۔ تب شہر کی آبی ضروریات پوری کرنے کے لیے گردونواح میں چھ ڈیموں کے ذخائر میں ہر وقت پچیس ارب گیلن پانی جمع رہتا تھا۔ امرا کو ہر ہفتے سوئمنگ پول میں پانی بدل دینے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ پھر کرنا خدا کا یوں ہوا کہ خشک سالی آگئی، آبی ذخائر بھرنے والے پہاڑی، نیم پہاڑی اور میدانی نالوں کی زبانیں نکل آئیں۔ دھیرے دھیرے پچھلے برس اگست سے آبی قلت کیپ ٹاؤن کے ہر طبقے کو چبھنے لگی۔ دسمبر تک یہ آبی ایمرجنسی میں بدل گئی اور آج حالت یوں ہے کہ کیپ ٹاؤن کا حلق تر رکھنے والے چھ بڑے آبی ذخائر میں پانی کی سطح چوبیس فیصد رہ گئی ہے۔ جب یہ دس فیصد پر پہنچ جائے گی تو پانی عملاً کیچڑ کی شکل میں ہی دستیاب ہوگا۔ چنانچہ آبی مارشل لا نافذ کرنا پڑ گیا ہے۔ جن آبی ذخائر اور نالوں میں فی الحال رمق بھر پانی موجود ہے وہاں آبی لوٹ مار، ڈکیتی، پانی کی چھینا جھپٹی اور چوری روکنے کے لیے مقامی پولیس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اینٹی واٹر کرائم پٹرول متحرک ہے۔ غربا کو پانی کی فراہمی کے لیے دو سو ہنگامی آبی مراکز قائم کیے گئے ہیں جہاں سے پچاس لیٹر روزانہ فی کنبہ راشن حاصل کیا جا سکتا ہے (یہ پانی آٹھ منٹ تک باتھ شاور سے گرنے والے پانی کے برابر ہے)۔ سوئمنگ پول، باغبانی اور گاڑیوں کی دھلائی قابلِ دست اندازی پولیس جرم ہے۔ فائیو اسٹار ریسٹورنٹس پیپر کراکری استعمال کر رہے ہیں۔ اچھے ہوٹلوں میں دو منٹ بعد شاور خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ یہ بحران مزید سنگین جولائی تک ہو گا جب پہلے ہفتے میں ڈے زیرو آ جائے گا۔ ڈے زیرو کا مطلب ہے استعمالی پانی کی نایابی۔ حکومت ابھی سے ڈے زیرو سے نمٹنے کی تیاری کر رہی ہے۔ کیپ ٹاؤن دنیا کا پہلا ڈے زیرو شہر بننے والا ہے۔

تاہم زیرو شہر بننے کی بات کیپ ٹاؤن پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک سو انیس اور شہر کھڑے ہیں۔ ان میں بھارت کا آئی ٹی کیپٹل بنگلور اور پاکستان کا کراچی، لاہور اور کوئٹہ بھی شامل ہے۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں۔ سنبھلنے کی مہلت تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ مگر جس ریاست میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل منچھر زہر کا پیالہ بن گئی، جہاں کراچی کو پانی فراہم کرنے والی کلری جھیل کو ہالیجی سے میٹھا پانی فراہم کرنے والی نال کو آلودہ پانی لے جانے والی نہر (ایل بی او ڈی) نے کاٹ ڈالا، جہاں کوئٹہ کی ہنا جھیل سوکھے پاپڑ میں بدل گئی، جہاں زہریلے پانی سے سبزیاں اگا کے انھیں فارم فریش سمجھ کے ہم اپنے بچوں کے پیٹ میں اتار رہے ہوں۔ اس کے بعد وہ وقت دور نہیں جب کسی عدالت کا ازخود نوٹس تیرانے کے لیے بھی صاف چھوڑ گدلا پانی میسر ہو۔ جی ہاں یہی تو عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ وطنِ عزیز میں اس وقت توانائی اور پانی کا بحران شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں سپریم کورٹ میں بھی چیف جسٹس نے پانی سے متعلق پاکستان کونسل آف ریسرچ اینڈ واٹر ریسورسز کی رپورٹس پر نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ پانی کا مسئلہ واٹر بم بنتا جا رہا ہے۔ ترجمان سپریم کورٹ کے اعلامیہ کے مطابق سی پی آر ڈبلیو آر کی رپورٹس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 2025ء تک ملک بھر میں پانی کی سطح ڈیڈ لیول تک پہنچ جانے کا خدشہ ہے۔ ملک بھر میں دستیاب 142 ملین ایکڑ فٹ پانی میں سے صرف 42 ملین ایکڑ فٹ پانی استعمال ہو رہا ہے۔ باقی 100 ملین ایکڑ فٹ پانی مختلف طریقوں سے ضائع ہو رہا ہے۔ یہ حقائق چشم کشا ہیں کہ دنیا کے بہت سے حصوں میں تازہ پانی خاص طور پر پینے کے قابل پانی کی قلت ہے، اگر پانی دستیاب ہے تو وہ آلودہ ہے، پاکستان کا 80 فیصد پانی آلودہ ہے جبکہ مستقبل قریب میں آبی قلت پاکستان کے لیے بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو گی۔ قلت اس قدر شدید ہو گی کہ دو ایٹمی قوتیں پانی کے وسائل پر جنگ لڑ سکتی ہیں، کیونکہ بھارت سندھ طاس معاہدہ کی مستقل خلاف ورزیاں کر رہا ہے۔ نئے آبی ذخائر کی تعمیر سندھ طاس معاہدہ کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ پاکستان پر آبی جنگ مسلط کرنے کے مترادف ہے۔ بھارت آبی انتہا پسندی کی روش پر گامزن ہے۔ ملک بھر میں پانی کی قلت میں مسلسل اضافہ مستقبل میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔ حکومتی بد انتظامی، آبپاشی کے ناقص نظام، چوری اور پانی کا وافر مقدار میں بے دریغ ضیاع ہے۔ پاکستان دنیا کے 136 ممالک میں 36 ویں نمبر پر ہے جہاں پانی کی کمی کی وجہ سے معیشت، عوام اور ریاست شدید دباؤ میں ہیں۔ آبی ماہرین ایک عرصے سے ارباب اختیار کی توجہ اس جانب مبذول کراتے چلے آرہے ہیں، اگر پانی کے مسئلے سے اسی طرح صرف نظر کیا جاتا رہا تو وہ وقت دور نہیں جب ملکی سطح پر اس کا بہت بڑا بحران پیدا ہو جائے گا۔ حکومت اور اپوزیشن اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مگر افسوس ذاتی مفادات، ایک دوسرے پر لعن طعن، دشنام طرازیاں، الزام بازیوں کے حصار میں دونوں قوتوں نے اس سنجیدہ مسئلہ کو اپنی بنیادی ترجیح نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے گزشتہ کئی عشروں سے سے پانی ذخیرہ کرنے کے لیے کوئی بڑا ڈیم نہیں بنایا گیا۔ ساٹھ اور ستر کے عشرے میں تعمیر کیے گئے منگلا اور تربیلا ڈیمز کے بعد ملک میں پانی کا ذخیرہ کرنے کا کوئی پروجیکٹ نہیں بنایا گیا، جس کے سبب صرف چار ماہ تک کا ہی پانی ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کوئی حکومت، کوئی ادارہ پانی کے حوالے سے دلیرانہ فیصلہ لینے سے قاصر ہے۔ یہاں یہ امر بھی باعث تشویش ہے کہ بارشیں نہ ہونے کے باعث حب ڈیم میں پانی کی سطح پھر ڈیڈ لیول کی طرف بڑھنے لگی ہے۔ جس کی وجہ سے کراچی میں 10 کروڑ گیلن پانی کی یومیہ قلت کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ جبکہ شہر کے زیادہ تر علاقے پہلے ہی پانی کی بوند بوند کو ترس رہے ہیں۔ پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بہترین منصوبہ بندی اور جدید انفراسٹرکچر نہایت ضروری ہے۔ مگر حکومت کی بے نیازی اور انتظامیہ کی مبینہ کرپشن اور نااہلی نے اسے ایک ایسا مسئلہ بنادیا ہے جو حل ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ علاوہ ازیں محکمہ موسمیات نے بھی ملک میں بارشیں معمول سے کم ہونے کے باعث خشک سالی کے خدشے کا اظہار کیا ہے۔ پانی کے بحران کے علاوہ ملک کو توانائی بحران کا بھی سامنا ہے۔ توانائی بحران سنگین ہونے سے چھوٹی صنعتیں تباہی کا شکار ہیں، اگر یہی صورتحال برقرار رہی تو مستقبل میں رہی سہی صنعتیں بھی بند ہو جائیں گی۔ صنعتوں کے یوں بند ہو جانے کی بناء پر برآمدات کے مقابلے میں درآمدات کا حجم پہلے ہی تشویش ناک حد تک زیادہ ہے۔ اگر یہی صورت حال برقرار رہی تو ہمارے پاس دعاؤں کے سہارے زندہ رہنے کے حل کے سوا کوئی حل باقی نہیں بچے گا۔

پانی کی قلت دور کرنے کے لیے ڈیم بنائے جائیں:

رب کائنات کی وہ عظیم تر نعمت ہے جو کہ تمام خلق خدا کے لئے آب حیات کا درجہ رکھتی ہے اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے مگر پاکستان میں حکمرانوں کی بے حسی کی بدولت یہ عظیم نعمت عوام سے چھینی جارہی ہے جس کے پیچھے ان حکمرانوں کی بدنیتی، بے حسی صاف نظر آتی ہے سروے کے مطابق پاکستان 2025ء تک اس نعمت سے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تقریباً محروم ہو جائے گا جس کی بنیادی وجہ پاکستان میں پانی کو محفوظ کرنے لے لئے ڈیمز کی کمی ہے اس کمی کی وجہ سے شائد پاکستان میں اندرون خانہ جنگ شروع ہو جائے جو سنگین صورتحال اختیار کر سکتی ہے۔

پاکستان کونسل آف ریسرچ برائے آبی وسائل کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں پانی کی دستیابی پانچ ہزار کیوبک میٹر تھی جو کہ رواں برس ایک ہزار کیوبک میٹر رہ گئی ہے جو کہ یقیناًباعث تشویش ہے پانی میں کمی کی وجہ سے زراعت جو کہ کسی بھی ملک کی ریڑھ کی ہڈی تصور کی جاتی ہے شدید خطرات سے دوچار ہو سکتی ہے پاکستان جو کہ ایک زرعی ملک ہے اور پاکستان کی معشیت کا 70 فیصد انحصار زراعت پر ہے مستقبل میں شدید بحران، خشک سالی اور قحط کا شکار ہو سکتا ہے جائزہ کے مطابق پاکستان میں پانی کی سطح 153 ملین فٹ فی ایکڑ جبکہ زیر زمین 24 ملین فٹ فی ایکڑ ہے 2030ء تک ملکی آبادی تقریباً 24 کروڑ تک پہنچ جائے گی جس کی وجہ سے ملک کو 31 ملین فٹ فی ایکڑ تک پانی کی کمی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے چنانچہ ملک میں آنے والی قحط سالی سے نمٹنے کے لئے پاکستان میں ڈیمز بنانے نہایت ضروری ہو گئے ہیں کیونکہ ملک میں جو ڈیمز بنے ہوئے ہیں وہ ملکی پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کم ہیں۔

اس وقت پاکستان میں 11 ڈیمز ہیں جن میں پانی کو محفوظ کیا جاتا ہے ان میں دیامیر بھاشا ڈیم، گومل ڈیم، حب، کرونجھر، منگلا، میرانی، نمل، راول، شادی کور، تربیلا اور وارسک ڈیم شامل ہیں جبکہ نیلم جہلم ڈیم حال ہی میں تعمیر کیا گیا ہے اتنے ڈیمز ہونے کے باوجود پاکستان شدید پانی کی قلت کا محتمل ہے پانی کی قلت کو پورا کرنے کے لئے مزید نئے ڈیمز بنانا نہایت ضروری ہیں نئے ڈیمز بنانے کے لئے تمام حکومتیں ناکام رہی ہیں جن میں سر فہرست کالا باغ ڈیم ہے ایکسپرٹ کی رائے کے مطابق کالا باغ ڈیم بننے سے ملک میں 3600 میگاواٹ بجلی پیدا ہو گی جبکہ 8 لاکھ ایکڑ بارانی زمین کاشت کی جا سکے گی اور 7 لاکھ ایکڑ بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا جا سکے گا مگر حکومت کی عدم دلچسپی اور خیبر پختون خواہ و سندھ حکومت کی جانب سے روڑے اٹکانے کی بدولت کالا باغ ڈیم شروع دن سے ہی متنازعہ رہا ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ ابھی تک کسی بھی سیاسی پارٹی نے نئے ڈیمز کی تعمیر کو اپنے منشور میں شامل نہیں کیا اگر کالا باغ ڈیم کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو سن 2004ء میں سابقہ صدر جنرل پرویز مشرف نے تمام رکاوٹوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان کیا اُس کے بعد 2008ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے منصوبے کو خیبر پختون خواہ اور سندھ حکومت کی شدید مخالفت کی بناء پر مکمل ہونے سے روک دیا مگر 2010ء میں آنے والے سیلاب کی وجہ سے پھیلنے والی تباہی کو دیکھتے ہوئے اُس وقت کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے یہ قبول کیا کہ اگر کالا باغ ڈیم بنا ہوتا تو ملک میں سیلاب کی وجہ سے تباہی نا ہوتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف تو پاکستان کی اندرونی حکومتیں آپس چپقلشوں اور مفاد پرستی کی بنیاد پر پاکستان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں جبکہ دوسری طرف بھارت پاکستان کی اس مفاد پرست سیاست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دھرلے سے انڈس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈیمز پہ ڈیمز بنارہا ہے جس میں جموں وکشمیر کے ضلع کشتوار کے گاؤں درابشالہ (ریٹل) کا ریٹل ڈیم اور حال میں تعمیر ہونے والا کشن گنگا ڈیم ہے جس کو ورلڈ بینک کی باقاعدہ منظوری سے تعمیر کیا گیا ہے جو کہ 1960ء کے سندھ وطاس معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی ہے جس سے پاکستان کے دریاؤں کا رخ موڑ دیا گیا ہے آنے والے دنوں میں پاکستان بھارت کی اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے خشک سالی کا شکار ہو سکتا ہے مگر ہمارے حکمرانوں، اپوزیشن، بیوروکریٹس کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی اس لئے چیف جسٹس آف پاکستان ثاقب نثار عوام آپ کی طرف دیکھتی ہے جس طرح آپ نے عوامی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے اُن کے مسائل حل کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے اُسی طرح کالا باغ اور مزید نئے ڈیم پاکستان کی ترقی کے لئے روشن باب ثابت ہو سکتے ہیں چنانچہ سو موٹو ایکشن لیتے ہوئے پاکستانی عوام کی خاطر پانی کے اس سنگین بحران کے متعلق کیس کو دیکھا جائے اور فوری طور پر کالا باغ ڈیم کے ساتھ ساتھ مزید نئے ڈیم کی تعمیر کا حکم صادر کیا جائے اس ضمن میں اگر پاک فوج کی ضرورت ہو تو اُن سے بھی مدد لی جائے تاکہ رکاوٹ بننے والے کرپٹ مافیا کے خلاف آہنی ہاتھوں سے نمٹا جاسکے عوام پاک فوج کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی ہے۔

تجاویز وسفارشات:

1. پاکستان میں پانی کی قلّت کے مسئلہ کے حل کے لیے بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس کے ضیاع سے بچا جائے۔
2. پانی کو محفوظ بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں اور زیادہ سے زیادہ ڈیم تعمیر کیے جائیں۔
3. زرعی ضروریات کے پیش نظر پانی کو زیادہ سے زیادہ محفوظ بنانا ہوگا۔
4. اس پر جدید تحقیق کے لیے (Center of Excellence) قائم کرنا ہوں گے۔
5. ہائیڈرولوجی کو باقاعدہ نصاب کا حصہ بنانا چاہیے۔
6. انٹرنیشنل تکنیکی اداروں سے اشتراک کے ساتھ تربیتی پروگرام رکھے جائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محنت واجرت کا تصوّر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلام کا معاشی نظام کا بنیادی مقصد غربت کا خاتمہ اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا ہے۔ چونکہ اسلام ایک دین فطرت ہے اسی لیے اس نے نہ صرف جدوجہد اور محنت ومشقت کو انسانی زندگی اور اس کی بقا اور سالمیت کے لیے بنیاد قرار دیا ہے بلکہ اس نے محنت و مشقت اور عمل پیہم کی بہت زیادہ فضیلت بھی بیان فرمائی۔

محنت سے مراد ہر وہ سعی و کشش ہے جو انسان کسی مقصد کے حصول کی خاطر سرانجام دیتا ہے۔ اس میں اسے مشقت کا احساس ہوتا ہے اور معاشی زندگی میں اس کا مقصد رزق حلال حاصل کرنا اور اپنی ضرورت پوری کرنا ہوتا ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"محنت سے مراد انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کا عمل پیدائش میں حصہ لینا ہے۔"[1]

ایک اور جگہ پر محنت کی تعریف یوں ہے:

"محنت سے مراد وہ تمام جسانی اور دماغی کام ہیں جو بغرض حصول معاوضہ کیے جائیں۔"[2]

"محنت وچیز ہے جس کے ذریعے سے بعض چیزوں سے دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہیں اوران چیزوں کو ان کی مناسب جگہ پر رکھا جاتا ہے۔"[3]

انسان کی بہترین زندگی گزارنے کے لیے معاشی جدوجہد کا درس دیا گیا ہے۔ گویا انسانی زندگی کی ہر اجزاو سزا کی اساس محنت ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں محنت کی فضیلت:

قرآن مجید میں بھی انسانی زندگی کی کامیابی کے لیے محنت کو لازمی طور پر بنیادی اکائی قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(1) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 4/425

(2) برنی الیاس، محمد، اصول معاشیات، دکن، جامعہ عثمانیہ، 1935ء، ص:76

(3) ہاریس بیل، لاز آف ویلتھ (قوانین دولت)، مترجم غلام الحسنین، رفاہ عامہ، پریس، لاہور، 1904ء، ص:4

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ﴾[1]

”درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔“

مزید ارشاد ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾[2]

”ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے۔“

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾[3]

”ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے۔“

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾[4]

”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾[5]

”اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں۔“

ان آیات قرآنی میں اصولی طور پر زندگی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس کی تمام تر بنیاد انسان کے اپنے عمل اور احادیث نبوی ﷺ میں بھی محنت کی فضیلت موجود ہیں۔

احادیث نبویہ ﷺ میں محنت کی عظمت کے بارے میں تعلیمات:

کتب احادیث نبویہ ﷺ میں بھی متعدد طریقوں سے انسانی محنت کی عظمت کو بیان کیا گیا۔ احادیث رسول ﷺ سے انبیاء علیہم السلام کے محنت اور پیشوں کا بھی واضح بیان ملتا ہے۔

(1) البلد:4

(2) البقرہ2: 286

(3) المدثر:38

(4) الجمعہ:10

(5) المزمل:20

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»[1]

"اس سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا جو اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔"

محنت کی قدر و منزلت اور اس کی بزرگی اور احترام کے اس نظریہ کی بنیاد پر اسلام مزدور کے حق اجرات کی ادائیگی کو فرض قرار دیتا ہے چنانچہ وہ سب سے پہلے اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے اور جو کوئی محنت کشوں کا یہ حق دبانے کی کوشش کرے اسے اسلام ڈراتا ہے کہ ایسا کرنے والا دراصل اللہ سے لڑائی مول لیتا ہے اور اللہ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللَّهُ: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ»[2]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا ایک وہ جو میرا نام لے کر عہد کرے پھر توڑ دے دوسرے وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی تیسرے وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا کام پورا کیا لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔"

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ خُذُوا مَا حَلَّ وَدَعُوا مَا حَرُمَ»[3]

"سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور (دنیا کی) تلاش میں اعتدال سے کام لو اس لئے کہ کوئی جی ہرگز نہ مرے گا۔ یہاں تک کہ اپنی

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، رقم الحدیث:2072

(2) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاجارہ، باب اثم من منع اجر الاجیر، رقم الحدیث:2270

(3) سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ، رقم الحدیث:2144

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزی لے لے اگرچہ وہ روزی اس کے کچھ وقت بعد ملے۔ اس لئے اللہ سے ڈرو اور طلب دنیا میں اعتدال سے کام لو حلال حاصل کرو اور حرام چھوڑ دو۔"

ایک اور حدیث مبارکہ ہے:

«قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْطِ الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

اجرت کی یہ قدر و منزلت تھی جو اسلام کش مزدور کو عطا کرتا ہے۔ آقا اور غلام، مالک و مزدور، زمیندار اور جاگیر دار و کسان وغیرہ ان سب انواع میں ایک بات مشترک یہ پائی جاتی ہے کہ آقا یا مالک اپنے آپ کو برتر اور فریق ثانی کو کمتر سمجھتا ہے اور یہی تصور اسے فریق ثانی سے طرح طرح کی زیادتیوں پر دلیر بنا دیتا ہے اور اسلام نے اسی برتری کے تصور پر کاری ضرب لگائی ہے اور ان کے حقوق متعین کیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«قَالَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ. فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»[2]

"تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، ان کو اللہ نے تمہارے قبضہ میں دیا ہے، جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے اور (دیکھو) اپنے غلاموں سے اس کام کا نہ کہو جو ان پر شاق ہو اور اگر ایسے کام کی ان کو تکلیف دو تو خود بھی ان کی مدد کرو۔"

انبیاء علیہم السلام اور مختلف پیشوں کا اختیار کرنا:

معاشی جدوجہد انبیاء کی سنت بھی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن مجید میں انبیاء کرام کی محنت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنانے کی صنعت سکھائی اور لوہے کو اس لیے نرم کر دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

(1) بیہقی، السنن الکبری، 9/42

(2) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق، باب قول النبی ﷺ العبید اخوانك، رقم الحدیث: 2545

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ﴾[1]

"اور ہم نے داؤد کو تمہارے (فائدہ کے) لئے زرہ بنانے کی صنعت سکھلا دی تھی تاکہ تمہیں لڑائی کی زد سے بچائے۔ پھر کیا تم شکر گزار بنتے ہو؟"

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾[2]

"اور ہم نے داؤد کو اپنے ہاں سے بزرگی عطا کی تھی (اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ (تسبیح میں) ہم آہنگ ہو جاؤ اور پرندوں کو بھی (یہ حکم دیا تھا) اور ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ (اور اسے کہا) کہ کھلی ڈھلی زرہیں بناؤ اور اندازہ کے مطابق اس کی کڑیاں جوڑو اور (اے آل داؤد) نیک عمل کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو بلاشبہ میں اسے خوب دیکھ رہا ہوں۔"

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝ قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾[3]

"ان میں سے ایک بولی، ابا جان! اسے اپنا نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔ شعیب نے کہا (موسیٰ)! میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے اس شرط پر نکاح کر دوں کہ تم میرے ہاں آٹھ برس ملازمت کرو۔ اور اگر دس سال پورے کر دو تو تمہاری مہربانی۔ میں اس معاملہ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ انشاء اللہ! تم مجھے ایک خوش معاملہ آدمی پاؤ گے۔"

اسی طرح حضرت خضر کی جسمانی محنت کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح سے ہے:

﴿فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾[4]

"وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ (خضر نے) اس دیوار کو پھر سے قائم کر دیا۔

[1] الانبیاء: 80

[2] السبا: 10۔11

[3] القصص: 26۔27

[4] الکہف: 77

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ نے (خضر سے) کہا: اگر آپ چاہتے تو ان سے اس کام کی اجرت لے سکتے تھے۔"

حضرت ادریس علیہ السلام جو کہ حضرت نوح کے جد امجد تھے درزی کا کام کیا کرتے تھے سب سے پہلے انہوں نے ہی کپڑا سیا ہے اور سلا ہوا کپڑے سب سے پہلے انہوں نے ہی پہنا ہے ان سے قبل لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے کتابت اور قلم حساب ترازو، پیمانہ اور ہتھیار کے موجد بھی وہی ہیں۔[1]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾[2]

"اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔"

گویا حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کو اللہ نے دستکاری تاکہ ہر کام اپنے ہاتھ سے کر سکیں۔

حضرت آدم علیہ السلام محنت مزدوری کھیتی باڑی کرتے تھے۔ صنعت و حرفت بھی انہی سے شروع ہوئی ابو بکر بن موسیٰ اشعری لکھتے ہیں:

«إِنَّ اللهَ لَمَّا أَخْرَجَ آدَمَ مِنَ الْجَنَّةِ زَوَّدَهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَعَلَّمَهُ صَنْعَةَ كُلِّ شَيْءٍ فَثِمَارُكُمْ هَذِهِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ غَيْرَ أَنَّ هَذِهِ تَغَيَّرُ وَتِلْكَ لَا تَغَيَّرُ»[3]

آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے گندم کے دانے کھائے جو جبریل علیہ السلام لاتے تھے پھر ان دانوں میں سے زمین میں بوئے ہر دانا لاکھوں کی تعداد میں پہنچا کھیتی کو کاٹا۔ صاف کیا، سب سے پہلے لباس بھیڑ کی کھال سے اون علیحدہ کر کے بنایا پھر اسے کاتا دھاگہ تیار کیا پھر اس سے جبہ، کمبل، چادر بناتے۔[4]

«كَانَ دَاوُدُ زَرَّادًا وَكَانَ آدَمُ حَرَّاثًا وَكَانَ نُوحٌ نَجَّارًا وَكَانَ إِدْرِيسُ خَيَّاطًا وَكَانَ مُوسَى رَاعِيًا»[5]

"حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے اور حضرت موسیٰؑ

(1) محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، 1982ء، 4/505

(2) ہود: 37

(3) المستدرک، 2/592

(4) ابن کثیر، قصص الانبیاء، دار المعرفۃ، 1998ء، ص: 48

(5) ابن حجر، فتح الباری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمل بیدہ، رقم الحدیث: 2074

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بکریاں چراتے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا» [1]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی بچپن میں بکریاں چرائیں اس کے متعلق صحیح بخاری میں روایت اس طرح درج ہے:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ» [2]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں ﷺ نے فرمایا اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اور آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہاں میں مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط میں چرایا کرتا تھا۔"

اس لیے انبیاء کی زندگی میں بھی کامیابی کا جو راز تھا وہ محنت سے ہی حاصل شدہ تھا۔ اور وہ اپنی زندگیوں میں اپنے مقاصد کے حصول اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے محنت کا سہارا لیا کرتے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا» [3]

تسخیر کائنات اور محنت:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں موجود ہر شے کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو محنت کرنے کے لیے مواد کائنات کی شکل میں عطا کر دیا ہے۔ کائنات کی اشیاء سے فائدہ اٹھانے کے لیے انسان کو عقل و دانش جیسی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(1) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب البیوع، باب الصناعات، رقم الحدیث: 2150

(2) صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط، رقم الحدیث: 2262

(3) المستدرک، 2/145

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾[1]

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ نے تمہارے لئے کام پر لگا دیا ہے اور اس نے اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں (اس کے باوجود) لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے جبکہ اس کے پاس نہ علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشنی دکھانے والی کتاب ہے۔"

مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾[2]

"وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے اس کی اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ اور اسی کے پاس تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اس کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس انسان کو گہری بصیرت اور فکر و عمل سے کام کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے حصول کے لیے سعی بھی کرنا پڑے گی جس کو محنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معاشی جدوجہد اور محنت:

خالق کائنات نے دن کو روشن بنانے کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ دن کی روشنی میں انسان اپنی معاش حاصل کرے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[3]

"اور دن کی نشانی کو روشن تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کر سکو۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ثابت کیا ہے کہ محنت کی کمائی میں کس قدر برکت ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کے مختلف ارشادات سے اس کی تصدیق اس طرح واضح ہوتی ہے:

(1) لقمان:20

(2) الملک:15

(3) الاسراء:12

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ، وَإِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ»[1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ بہترین کمائی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کمائے۔"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «التَّاجِرُ الْأَمِينُ الصَّدُوقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[2]

"سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان، سچا، امانت دار تاجر روز قیامت شہداء کے ساتھ ہو گا۔"

صرف یہی نہیں کہ آپ ﷺ گھر سے باہر صحابہ کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اندرون خانہ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ تعاون کرنے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے دیکھنے والوں کا بیان ہے۔

"کان یخدم نفسه"[3]

"آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے کام انجام دیتے تھے۔"

قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ میں بار بار تدبر و تفکر، حصول رزق اور محنت و کوشش کا تذکرہ ملتا ہے۔ گویا دن اور رات کے تبدل کو بھی ذریعہ معاش تصور کیا جاتا ہے اور یہ بات واضح طور پر کہی جا سکتی ہے کہ کسی بھی چیز کا حصول بغیر سعی اور محنت کے ممکن نہیں ہوتا اس لیے معاش کے جہاں جائز ذرائع کی تعلیم دی گئی وہیں اس کے حصول کے لیے کوشش کو لازم وملزوم تصور کیا جاتا ہے جو کہ زندگی کی اساس اور منشاء خداوندی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مختلف پیشوں کو اختیار کرنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کرنے، اپنے ہاتھ سے کمانے اور رزق حلال کے حصول کے لیے ہر قسم کی

(1) سنن نسائی، کتاب البیوع، باب الحث علی الکسب، رقم الحدیث:4456

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب البیوع، باب الصناعات، رقم الحدیث:2139

(3) عیاض قاضی، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، دار الفکر، بیروت، 2002ء، ص:58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محنت و مشقت کرتے تھے اور مختلف پیشوں اور ذرائع سے روزی حاصل کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان قائم کیا ہے:

"بَابُ مَنْ آجَرَ نَفْسَهُ لِيَحْمِلَ عَلَى ظَهْرِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ، وَأُجْرَةِ الحَمَّالِ"

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ، انْطَلَقَ أَحَدُنَا إِلَى السُّوقِ، فَيُحَامِلُ، فَيُصِيبُ المُدَّ، وَإِنَّ لِبَعْضِهِمْ لَمِائَةَ أَلْفٍ»[1]

بار برداری کر کے مزدوری کرنے میں انسان کی توہین نہیں بلکہ بوجھ اٹھالینا سوال کرنے کی ذلت سے بہتر ہے۔

1۔ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ	لوہار تھے
2۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	بکریاں چراتے تھے
3۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	تیر ساز تھے
4۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	درزی تھے
5۔ سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	گھریلو ملازم تھے
6۔ سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ	حجام تھے
7۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	قصاب تھے
8۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔[2]

صحابیات رضی اللہ عنہن:

صحابیات بھی محنت مزدوری کرتی تھیں۔ گھروں میں اون کاتتی تھیں محنت مزدوری کرتی تھیں، کھالوں کی دباغت اور رنگ کرتی تھیں۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں کھالوں کی دباغت اور چمڑے کی مصنوعات تیار کرتی تھیں اور اپنی کمائی اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ جنگ موتہ میں جب جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہادت پا گئے تو رسول اللہ ﷺ تعزیت کے لیے جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے سیدنا جعفر کی بیوی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے میں چالیس کھالیں

(1) صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب....، رقم الحدیث 2273؛ فتح الباری، 4/263

(2) سید محمد سلیم، اسلام کا نظام تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، 1993ء، ص:54

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رنگ چکی تھی، آٹا بھی گوندھ لیا تھا اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر اور تیل مل کر صاف ستھرا کر چکی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ میں نے آپ کی خدمت میں بچوں کو پیش کیا آپ نے بچوں کو پیار کیا اس دوران آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔[1]

امام بخاری ؒ کتاب البیوع، باب النساج کپڑا بننے والے کا بیان میں ایسی عورت کا ذکر کیا ہے جو کپڑا بننے میں ماہر تھی بلکہ اس پر کڑھائی کا کام بھی کرتی تھی اس نے بہترین حاشیہ دار چار رسول اللہ کی خدمت میں پیش کی اس سے عورتوں کے کام کاج کرنے خصوصاً گھریلو صنعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عورتیں اس میں مہارت رکھتی تھیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[2]

الغرض قرآنی تعلیم، اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان پہلی صدی کی ابتداء میں معاش کی طلب اور دین کی تبلیغ کے لیے دور دور تک نکلے تھے۔ ان کی نوآبادیاں مشرق میں چین، جاوا، سماٹرا، لنکا وہندوستان تک تھیں۔ تو دوسری طرف براعظم افریقہ میں مصر، طرابلس، تونس، مراکش، الجزائر اور حبش وغیرہ تک پھیل گئیں تجارت اور ملازمت کے ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ خود ہندوستان میں مسلمان فاتحانہ حیثیت میں داخل ہونے کے بعد جنوبی ہند میں تاجرانہ حیثیت سے آچکے تھے۔[3]

اجرت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

لغوی طور پر اجارہ مصدر ہے جو مزدوری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ایجار اور استیجار کسی کو مزدور بنانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے استیجار کے معنی گھر اجرت پر لینا کے بھی ہیں مزدوری کو اجیر کہتے ہیں فقہاء کی اصطلاح میں طے شدہ معاوضے کے بدلے کسی چیز کی منفعت دوسرے کے حوالے کرنا اجارہ کہلاتا ہے۔

معاشی اصطلاح میں اجرت سے مراد وہ صلہ جو ایک انسان اپنی دماغی کاوش یا جسمانی محنت کے عوض حاصل کرتا ہے۔ یہ صلہ روپیہ پیسہ کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور اشیاء کی صورت میں بھی۔ تاہم عموماً اجرت روپیہ پیسہ کی صورت میں ہوتی ہے۔

اجرت کی دو اقسام ہیں:

(1) مسند احمد، 6/370؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یبعث ال اھل المیت، رقم الحدیث: 1611

(2) کتاب البیوع، باب النساج، رقم الحدیث: 2093

(3) یوسف الدین، ڈاکٹر، اسلام کے معاشی نظریے، جامعہ ابراہیمہ، دکن، 1950ء، ص: 220-221

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1۔ زری اجرت

2۔ حقیقی اجرت

زری اجرت سے مراد وہ معاوضہ ہے جو کسی محنت کار کو زر یعنی روپے پیسے کی شکل میں ملتا ہے۔

حقیقی اجرت سے مراد وہ تمام اشیاء و خدمات ہیں جو ایک مزدور اپنی محنت کے صلہ میں حاصل کرتا ہے اس میں تنخواہ کے علاوہ حاصل ہونے والی دیگر سہولتیں اور رعایتیں شامل ہیں۔

عربی لغات میں اجرت اجر او اجارہ کے الفاظ میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی اس طرح سے ہیں۔

"اعطاہ الشئ بأجرۃ"[1]

"کوئی ایسی شے جو مزدور کو اس کی محنت کے بدلے میں دی جائے۔"

المعجم الوسیط میں ہے:

"الإجارۃ الاجرۃ علی العمل و مقابل علی المنافع بعوض"[2]

"اجارہ سے مراد وہ معاملہ جو کسی منفعت کے عوض کیا جائے اور اجارۃ اس عمل کے بدلہ کا نام ہے۔"

لسان العرب میں مذکور ہے:

"....ما أعطیت من اجر "[3]

"جو کسی کو بدلہ میں دیا جائے۔"

ابن فارس کے مطابق:

"والاجارۃ ما أعطیت من اجر فی عمل"[4]

"اجارۃ جو محنت کے بدلہ میں دیا جائے۔"

فرہنگ آصفیہ میں درج ہے:

"اجرت: اسم مؤنث، کام کا عوض، مزدوری، اجورہ۔"[5]

(1) اصفہانی، مفردات القرآن، ص:10

(2) المعجم الوسیط، ص:2

(3) ابن منظور، افریقی، لسان العرب، بیروت، دار صادر، 1956ء، 4/11

(4) مقاییس اللغۃ، 1/62

(5) دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ، 2003ء، 1/193

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اردو لغت تاریخی اصول کے مطابق:

"اجرت کا معنی، حق محنت، مزدوری، مسئلہ خدمت، کرایہ اور معاوضہ استعمال مراد ہے۔"[1]

اردو میں تو لفظ اجارہ ٹھیکے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن فقہاء کی اصطلاح میں نوکری، مزدوری، ہنر مندی اور کرایہ داری سب کے لیے اجارہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔[2]

ان تمام تعریفات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجرت سے مراد وہ معقول معاوضہ جو اجیر کو محنت، خدمت یا مزدوری کے عوض دیا جاتا ہے۔

اجرت کی اصطلاحی تعریف:

ڈاکٹر یوسف الدین نے اجرت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ وہ زر کی ایک ایسی مقدار ہے جو معاہدہ کے تحت آجر، مزدور کو اس کی خدمات کے معاوضہ میں ادا کرتا ہے۔[3]

مزدوروں کے حقوق کے سلسلے میں معیار اجرت کی ممکنہ صورتیں یہ ہیں جن میں سے کسی ایک کو بنیاد بنا کر اجرتوں کا تعین کیا جانا ضروری ہے۔

1۔ کام کے لحاظ سے اجرت

2۔ مہارت و مشقت کے اعتبار سے اجرت

3۔ کارکردگی کی بنیاد پر اجرت[4]

الغرض کہ انسان اپنی محنت کا جو صلہ پاتا ہے اس کو اجرت کہا گیا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے معاہدہ اجرت کو اجیر (مزدور) اور آجر (مالک) کے درمیان باہمی معاہدہ کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور ازروئے قرآن وسنت اور اجماع صحابہ وفقہاء کرام نے اجارہ کو لازم ٹھہرایا ہے۔

قرآن مجید سے اجرت کا ثبوت:

قرآن مجید میں اجارہ و اجرت کا ثبوت وہ آیات ہیں جن میں شیخ مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان

(1) اردو لغات تاریخی پر، کراچی اردو لغت بورڈ، 2002ء، 193/1

(2) مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، دار الاشاعت، کراچی، ص:17

(3) اسلام کے معاشی نظریات، 366/2

(4) مجیب اللہ ندوی، اسلامی قانون واجرت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ، لاہور، ص:115

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجارہ وگلہ بانی کو بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾[1]

”شعیب نے کہا(موسیٰ)!میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے اس شرط پر نکاح کر دوں کہ تم میرے ہاں آٹھ برس ملازمت کرو۔“

یعنی اس شرط پر کہ تو میرا اجیر ہو یا اس شرط پر کہ تو میرے نکاح کر دینے کے عوض آٹھ سال تک میری بکریاں چرائے۔ نیز قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی کا یہ قول نقل ہے:

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ﴾[2]

”ان میں سے ایک بولی، ابا جان!اسے اپنا نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔“

اسی طرح قرآنی تعلیمات میں بھی اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کا فضل یعنی روزی تلاش اور روزی تلاش کرنے کے بدلے میں انسان محنت کی طرف راغب ہوتا ہے اور محنت کے بدلے میں انسان کو اجرت کے طور پر محنت کا پھل ملتا ہے۔ اور یہاں محنت مزدوری کی اہلیت کی اساسی شروط کو دو لفظوں میں بیان کیا گیا ہے قوی اور امین آجر کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے قصے میں آگے قرآن کا ارشاد ہے،

﴿وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾[3]

”میں اس معاملہ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ انشاء اللہ!تم مجھے ایک خوش معاملہ آدمی پاؤ گے۔“

اجیر(مزدور) کے لیے آسانی پیدا کرنی چاہیے۔

ایک مقام پر قرآن مجید میں دودھ پلانے والی(دایہ) کے کرایہ لینے کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾[4]

(1) القصص:27

(2) ایضا:26

(3) ایضا:27

(4) البقرہ2: 233

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو (کسی اور سے) دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔"

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾[1]

"پھر وہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت ادا کرو۔"

اس طرح ہمیں ان قرآنی آیات سے بھی اجرت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

اجرت اور احادیث مبارکہ:

اجرت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال متعدد احادیث اور کتب احادیث میں موجود ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«وَاسْتَأْجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ رَجُلًا مِنْ بَنِي الدِّيلِ ثُمَّ مِنْ بَنِي عَبْدِ بْنِ عَدِيٍّ هَادِيًا خِرِّيتًا الْخِرِّيتُ الْمَاهِرُ بِالْهِدَايَةِ قَدْ غَمَسَ يَمِينَ حِلْفٍ فِي آلِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ وَهُوَ عَلَى دِينِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ فَأَمِنَاهُ فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ فَأَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صَبِيحَةَ لَيَالٍ ثَلَاثٍ فَارْتَحَلَا وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيلُ الدِّيلِيُّ فَأَخَذَ بِهِمْ أَسْفَلَ مَكَّةَ وَهُوَ طَرِيقُ السَّاحِلِ»[2]

"ہجرت کے واقعہ میں کہ نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بنی دیل کے ایک شخص کو پھر بنی عبد بن عدی سے ایک رہبر جو راہ بتانے میں بہت ہوشیار تھا مزدوری پر رکھا اس نے عاص بن وائل کے خاندان سے قسم کا معاہدہ کیا تھا اور وہ کفار قریش کے دین پر تھا ان دونوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کو دونوں نے اپنی اپنی سواریاں دیدیں اور اس کو ہدایت کی کہ تین راتوں کے بعد غار ثور کے پاس لے کر آئے چنانچہ وہ تین راتوں کے بعد صبح کو دونوں کی سواریاں لے کر آئے اور آپ دونوں روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ تھا اور راہ بتانے والا قبیلہ دیل کا ایک شخص تھا جو ان سب کو ساحل کے راستہ سے لے گیا۔"

چنانچہ اس حدیث کو بھی اجارہ کے جواز پر دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ بوقت ضرورت مشرک کو مزدور رکھا جاسکتا ہے۔

(1) الطلاق:6

(2) صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب استیجار المشرکین عند ضرورۃ، رقم الحدیث : 2263

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام مزدور کو اس کا پورا حق دیتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دباؤ اور جبر کے بغیر کام کی اجرت طے کرے اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر آجر اس پر اجرت کے سلسلے میں ناروا دباؤ ڈالے یا کم اجرت پر مجبور کرے تو وہ کام چھوڑ دے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے آجر کو حکم دیا کہ مزدور سے کام لینے سے قبل اس کی اجرت اسے بتادی جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَمَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُعْلِمْهُ أَجْرَهُ»[1]

"جو شخص کسی مزدور کو اجرت پر رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اسے اس کی اجرت سے مطلع کردے۔"

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَهَى عَنِ اسْتِئْجَارِ الْأَجِيرِ، حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُ أَجْرَهُ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے کہ اجیر کو اس کی اجرت طے کیے بغیر کام پر لگایا جائے۔"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعْطَى الحَجَّامَ أَجْرَهُ»[3]

"نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجرت دلوائی۔"

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ وَلَمْ يَكُنْ يَظْلِمُ أَحَدًا أَجْرَهُ»[4]

"میں نے انس سے سنا وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ پچھنے لگواتے تھے اور کسی کی اجرت میں کمی نہ کرتے تھے۔"

اس لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی مزدور سے کام کرایا جائے کام بتانے سے پہلے اس کی مزدوری اس کو بتا دی جائے۔ یا پھر یہ وضاحت بھی کردینی چاہیے کہ آپ جس درجے کی محنت کروگے آپ کو معاوضہ، اجرت بھی اسی کے حساب سے کی جائے گی اور اس کی نوعیت کی وضاحت بھی اور اجرت کا تعین بھی کردینا چاہیے۔

(1) بیہقی، السنن الکبری، کتاب الاجارۃ، باب لایجوز الاجارۃ فی تکون معلومۃ وتکون الاجرۃ معلومۃ، 120/2
(2) بیہقی، السنن الکبری، 42/9
(3) صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب خراج الطعام، رقم الحدیث: 2279
(4) ایضاً، رقم الحدیث: 2280

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجیر کی تعظیم اور اسوۂ رسول ﷺ:

احادیث نبویہ کی رو سے کسب حلال کا حکم اور محنت و مزدوری کی تعلیم دی ہے اور اہل اسلام نے ہمیشہ مزدور کو وہ احترام دیا جو دنیا میں کسی بھی قوم میں انہیں حاصل نہ تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ مزدور افراد کی عزت و تکریم کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے منقول وہ روایات بھی ہیں جن کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے چنانچہ چند واقعات کا تذکرہ اس طرح سے ہے:

ایک بار ایک قصاب نے آپ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے قبول فرمائی۔[1]

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ایک خیاط (درزی) نے آپ ﷺ کو کھانے پر مدعو فرمایا آپ ﷺ نے بھی اس کی دعوت کو شرف قبول عطا کیا اس واقعہ کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

«سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَنَّ خَيَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيْ الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمِئِذٍ»[2]

”سیدنا انس بن مالک ﷺ کہتے ہیں کہ ایک درزی نے نبی ﷺ کی کھانے کی دعوت کی، جو اس نے آپ کے لئے پکایا تھا، میں بھی نبی ﷺ کے ساتھ گیا، اس نے جو کی روٹی اور شوربہ پیش کیا، جس میں کدو اور سوکھا ہوا گوشت تھا، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ پیالہ کے چاروں طرف سے کدو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال رہے تھے، اس دن کے بعد سے میں بھی کدو کو پسند کرنے لگا۔“

ایک اور مقام پر یہ روایت بیان ہوئی ہے:

«حَجَمَ أَبُو طَيْبَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ -أَوْ صَاعَيْنِ- مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ فَخَفَّفَ عَنْ غَلَّتِهِ أَوْ ضَرِيبَتِهِ»[3]

”ابوطیبہ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے تو آپ ﷺ نے ایک صاع یا دو صاع غلہ دینے کا حکم دیا اور ان کے مالکوں سے گفتگو کی تو ان کی مقررہ رقم محصول میں کمی کر دی گئی۔“

(1) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی اللحام و الجواز، رقم الحدیث:2081

(2) صحیح بخاری، کتاب اطعمۃ، باب المرق، رقم الحدیث:5436

(3) صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب فریبہ العبدتھا فرائب الامار، رقم الحدیث:2157

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سیرت طیبہ کے ان روشن واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں محنت کش افراد کا مقام کس قدر بلند ہے۔ اور محنت کو ہی انسان کی زندگی کا معیار مقرر کیا گیا ہے اور یہ کہ انسان جس کام کی جدوجہد کرے گا وہ اس کو پالے گا اور محنت انسان کی دینی اور دنیاوی کامیابی کا سبب بن جائے گی۔

مفت خوری اور کام چوری کی حرمت:

جس طرح طے شدہ معاوضہ کے مقابلے میں کام چوری گناہ اور زیادتی کا کام ہے بالکل اسی طرح محنت کے مقابلہ میں مالک سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرنا اور اسے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور کرنا بھی زیادتی ہے دور فاروقی کا ایک واقعہ ہے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ابولؤلؤفیروز نامی تھا جو ایک ماہر صناع (کاریگر) تھا اس نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا کہ میرے مالک (سیدنا مغیرہ) نے مجھ پر یومیہ ادائیگی زیادہ عائد کر رکھی ہے آپ کم کرا دیجیے سیدنا عمر نے پوچھا کہ تمہاری یومیہ ادائیگی کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا دو درہم روزانہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کیا کچھ کام جانتے ہو؟ اس نے کہا نجاری، نقاشی اور آہن گری جانتا ہوں آپ نے فرمایا تمہاری مہارت کے مقابلہ میں یہ ادائیگی کچھ زیادہ نہیں ہے اور اس کا مقدمہ خارج کر دیا۔[1]

اجرتوں کے تعین کے نظریات:

اجرتوں کے تعین کا مسئلہ اہم بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے مختلف ماہرین معاشیات نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔

اجرت کا نظریہ طلب ورسد:

اجرت کا تعین طلب و رسد کے قانون کے مطابق نہیں ہو سکتا کیونکہ مزدور انسان ہے اور انسان بکاؤ مال نہیں۔

نظریہ محنت پیداوار:

یعنی کسی کام میں لگنے والا آخری مزدور جتنی مالیت کی چیز پیدا کرتا ہے اس کی قیمت کے برابر مزدور کی اجرت ہو گی۔

(1) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:177

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظریہ کم از کم اجرت:

یعنی حکومت خود کم از کم اجرت کا تعین کر دیتی ہے خواہ اس اجرت پر اس کا گزر بسر ہو یا نہ ہو۔

یہ بات واضح ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے ILO(International Labour Organization)کے تیار کردہ قوانین محنت نافذ ہیں۔

اسلام نے کام کی نوعیت، مشقت اور مزدور کی محنت اور مہارت کو بنیاد بنا کر اجرت متعین کرنے کا اصول دیا ہے جبکہ Traditional Economic کے ماہرین اجرت کا دارومدار مزدوروں کی طلب ورسد پر رکھا ہے یعنی اگر مزدوروں کی تعداد اور ضرورت کم ہو تو اجرت کم ہو گی اگر مزدوروں کی تعداد کم اور ان کی ضرورت زیادہ ہو تو اجرت زیادہ ہو گی۔

اجرت کے اصول:

جب کوئی ماہر معاشیات اجرتوں کا کوئی مرتب کرتا ہے تو وہ ایک ایسی خیالی تصویر یا نقشہ بنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اجرتوں یعنی قوت محنت کی قیمت کا دوسری قیمتوں سے اور معاشی قیمتوں سے کیا رشتہ ہے۔ وہ ایک ایسی تصویر بنا رہا ہوتا ہے جس سے رشتے اس طرح ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں۔ اجرتوں کے اصول کے بارے میں بعض مفکرین کا خیال ہے کہ مزدوری کی طلب ورسد اس قدر پیچیدہ ہے اور وہاں ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے والی قوتوں کا اتنا الجھاؤ کہ کوئی سادہ اصول ایسے تخمینے بر آمد نہیں کر سکتا جس سے مسائل حل ہو سکیں۔[1]

اجرتوں کے روایتی اصول:

اجرتوں کے روایتی اصول بیشتر بے لوث قسم کے ہیں۔ یعنی ان میں اجرت متعین کرنے والے عوامل کا ایک سادہ اور قطعی بیان ملتا ہے مثلاً غیر معمولی حالات سے قطع نظر اجرتوں کو بازار محنت میں دخل اندازی کر کے مستقل طور پر نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ ان قوانین کو دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے۔:

1۔ قوانین کی وہ قسم جن میں اجرتوں کا تجزیہ ان عوامل کے لحاظ سے کیا گیا ہے جو قوت محنت کی رسد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ واقعتاً یہ وہ اصول ہیں جن کو مصنفین مصارف پیداوار کے اصول اجرت کہا جاتا ہے۔

[1] ڈاب، موریس، اجرتیں، مترجم: عبدالرشید، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، 1977ء، ص: 115

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2۔ قوانین کی دوسری قسم وہ ہے جن کے مطابق اجرتیں بنیادی طور سے ان عوامل سے متعین ہوتی ہیں۔ جن سے اجروں کی طلب محنت متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً سرمائے کی اسید اور محنت کی پیداوار۔[1]

بنیادی طور پر یہی دو اصول ہیں جن پر اجرت کا نظام کا انحصار ہے۔

تعین اجرت اور ادائیگی اجرت کا طریقہ اسوۂ نبوی کی روشنی میں:

وقت حالات زمانہ کی ترقی تمدن کا ارتقاء اور عرف عام میں ہر دور میں تبدیلی ہوتی ہے اس لیے متغیر احوال میں کسی ایک دور کے حالات کے پیش نظر اجرات کا قطعی تعین غیر ضروری بھی تھا اور ناممکن بھی اس لیے اسلام نے تسعیر (نرخ) کی طرح اجرت کے حتمی تعین کا فیصلہ خود کرنے کی بجائے حالات و واقعات کی روشنی میں معاشرے کے مجموعی مزاج پر چھوڑا مگر اجرت کی مقدار منصوص نہیں بلکہ استنباطی اور اجتہادی حکم ہے تاہم متعین اجرت کے بنیادی قواعد وضوابط کر دیے۔

1۔ اجرت کا تعین عدل وانصاف کی رو سے جائز ہو۔

2۔ اخوت ورواداری کو ملحوظ رکھا جائے۔

3۔ محنت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

4۔ سرمایہ کی نسبت محنت کو زیادہ تحفظ دیا جائے۔

5۔ تبدیلی حالات اور تمدنی ارتقاء کی روشنی میں اجرتوں پر نظر ثانی ہوتی رہنی چاہیے۔

6۔ اجرت کے تعین میں مزدور کی مہارت، دیانت اور ضرورت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

7۔ مزدور سے کام کی نوعیت وقت اور اجرت طے کرنے کے بعد اسے کام پر لگایا جائے۔ احسن احسب یہ ہے کہ معاہدی تحریری ہو اور اس پر گواہ بھی ہوں۔

اجرت کی ادائیگی کے طریقے:

مزدوروں کے لیے سب سے اہم مسئلہ ان کے معاوضے کی بروقت ادائیگی ہے اسلام اس کی بھرپور ضمانت دیتا ہے اور آجر کو اسلام کا حکم ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی اجرت ادا کر دی جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَعْطِ الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ

[1] مورلینڈ، ڈبلیو ایچ، ہند کی معاشی حالت (اکبر کی موت کے وقت)، مترجم: حبیب الرحمٰن، دار الطبع حیدر آباد، جامعہ عثمانیہ دکن، 1929ء، 1/143

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَجِفَّ عَرَقُهُ» [1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسنہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

«مطل الغني ظلم» [2]

"مالدار کا حق کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

"بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الأَجِيرِ"

"اس شخص کا گناہ جو مزدور کی اجرت نہ دے۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ" [3]

ہندوستان اور پاکستان میں اجرت کی ادائیگی کی مختلف نوعتیں ہیں جو اس طرح سے ہیں:

کارخانوں کی سطح پر:

کارخانوں میں جہاں مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں مل کر کام کرتی اور اجرت وقت کے حساب سے ملتی ہے۔

گھریلو صنعتوں کی سطح پر:

گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں میں اجرت بالعموم کام کی مقدار کے مطابق دی جاتی تھی بعض صورتوں میں اجرت کے متعلق خاص معاہدہ ہو جاتا تھا۔

بعض اوقات کم از کم اجرت مقرر کر دی جاتی تھی اور کام اچھے ہونے کی صورت میں اجرت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا اگر مزدور کا تمام کنبہ مل کر کام کرتا تو سب کو مجموعی طور پر اجرت دی جاتی تھی۔ [4]

(1) بیہقی، السنن الکبریٰ، 9/42

(2) ایضاً، 9/39

(3) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاجارہ، باب اثم من منع اجر الاجیر، رقم الحدیث 2270

(4) برنی الیاس، معاشیات ہند، ص: 107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1۔اجرت کے ریٹس:

اگر یہ مزدور، کم از کم اجرت یا اتنی اجرت جو اس طرح کے دوسرے مزدوروں کو عام طور پر ملتی ہے، لے رہا ہے تو وہ جبری مشقت انجام نہیں دے رہا۔ مزید یہ کہ اگر کسی مزدور کا آجر اس کی اجرت میں سے زیادہ کٹوتیاں کر رہا ہے تو وہ بھی جبری مشقت کے زمرے میں آئے گا۔

2۔ کیا اس کی اجرت براہ راست اسے ہی دی جاتی ہے یا کوئی اور شخص اس کی اجرت وصول کر کے اپنے پاس رکھ لیتا ہے؟

3۔اوقات کار:

کیا اس کے روزانہ کے اوقات کار قانون کے مطابق (یعنی آٹھ گھنٹے روزانہ اور اڑتالیس گھنٹے ایک ہفتہ میں)۔ اگر اس کا آجر اسے قانون میں دیئے گئے اور ٹائم کے گھنٹوں سے اوپر کام کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے تو یہ بھی جبری مشقت ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان قائم کیا ہے:

"بَابُ الإِجَارَةِ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ، بَابُ الإِجَارَةِ إِلَى صَلاَةِ العَصْرِ"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا ہے کہ جزوقتی اجارہ بھی درست ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں مثلاً ایک گھنٹہ، دو گھنٹے کے لیے مزدور رکھنا جسے Part |Time کہتے ہیں۔

4۔ نقل وحرکت اور پیشے کی آزادی:

کیا وہ مزدور اپنی مرضی سے (نوٹس دینے کے بعد) یہ کام چھوڑ سکتا ہے اور کسی اور جگہ جا کر اپنی مرضی سے کوئی نیا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟

5۔کاروبار اور تجارت کی آزادی:

کیا وہ مزدور اپنی اور اپنے خاندان کی محنت سے پیدا کردہ مصنوعات کو مارکیٹ میں اور مارکیٹ کے بھاؤ پر بیچ سکتا ہے؟

6۔غلامی کے تحت کام:

کیا وہ مزدور کسی پیشگی یا قرضہ جاتی غلامی کے تحت کام کر رہا ہے کیونکہ پیشگی لینے یا دینے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے اگر اس سے قرضہ جاتی غلامی اور جبری مشقت پیدا نہ ہو۔ اور مزدور عام طور پر اپنی ضروریات پوری کرنے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے اپنے آجروں سے پیشگی کے طور پر رقم لیتے ہیں لیکن ہر پیشگی سے جبری مشقت پیدا نہیں ہوتی۔

تجاویز و سفارشات:

1. آبادی کے تناسب سے اربابِ حل و عقود کی ذمہ داری بنتی ہے کہ روزگار کے مواقع فراہم کریں۔
2. گھریلو صنعت کو فروغ دیا جائے تاکہ عوام الناس مرد وخواتین کو اپنے ہی مقام پر روزگار کمانے کے مواقع میسر آئیں۔
3. یونین کونسل کی سطح پر مختلف فنون و علوم کو سکھانے کے مراکز قائم کیے جائیں جس میں سلائی کڑائی، برتن سازی، ملبوسات کی تیاری وغیرہ شامل ہوں۔
4. گاؤں، قصبہ کی سطح پر ڈیری فارمنگ کو رواج دینا چاہیے اور اس کے لیے موثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔
5. جبری مشقت کی حوصلہ شکنی کرنا چاہیے چھوٹے بچوں کی مزدوری پر سختی سے پابندی لگائی جائے اور اس کے لیے قانون سازی کے عمل کو موثر بناتے ہوئے عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔
6. آسان اقساط میں مزدوروں کے لیے قرضہ پالیسی بنائی جاتی جس میں وہ تکنیکی اوزار خرید سکیں۔
7. مہنگائی کے تناسب کے اعتبار سے مزدور کی اجرت مقرر کی جائے اور سالانہ بنیادوں پر اس کو Review کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالی بدعنوانی(Corruption)کرپشن کی روک تھام؛سیرت طیبہؐ سے رہنمائی

رشوت اور بدعنوانی جو اس وقت ایک لا علاج مرض کی طرح ہے اور دن بہ دن بڑھتی ہی جارہی ہے، جس کا فوری طور پر کوئی حل بھی ممکن نظر نہیں آرہا اس وجہ سے معاشرہ تباہی کی لپیٹ میں ہے۔ ایک عام آدمی سے لے کر بڑے پڑھے لکھے لوگ ملازمت پیشہ اور کاروباری لوگوں کی اکثریت اس برائی میں مبتلا ہے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حکومتوں کے اعلیٰ عہدیدار، سیاستدان، سفارتکار، غرض یہ کہ سب کے سب شامل ہیں۔ روزمرہ کے معاملات میں لوگوں سے گفتگو کے دوران اس طرح کی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ "وقت ہے کچھ کرلو"، "بچوں کیلئے بھی تو کچھ کرنا چاہیئے"، "خیر ہے سب چلتا ہے"، "مہنگائی ہے گزارہ نہیں ہوتا" وغیرہ۔ حالانکہ سب لوگ جانتے بھی ہیں کہ یہ ایک گھناؤنا جرم اور گناہ عظیم ہے پھر بھی معاشرے میں اس حد تک بے حسی دیکھنے میں آئی ہے کہ سرکاری اداروں میں تو کرپشن عام ہے لین دین کے بغیر کوئی چھوٹا بڑا کام ہو نہیں سکتا، لیکن جیلوں میں قید لوگوں اور ان سے ملنے والوں عزیزوں کو بھی رشوت کے بغیر قیدیوں سے ملنے نہیں دیا جاتا اور افسوس در افسوس کہ قبرستانوں کو بھی نہیں چھوڑا، وہاں قبر حاصل کرنے کیلئے بھی رشوت کا لین دین ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا ملازمتوں کا حصول تو رشوت کے بغیر ممکن ہی نہیں، البتہ ہزاروں میں کوئی ایک اللہ کا بندہ جو دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہو تو یہ ممکن ہے' اسی طرح کاروبار میں کرپشن بہت زیادہ ہے کہتے ہیں کہ کیا کریں، اوپر تک جو پیسہ دینا ہوتا ہے۔ اس لیئے کرپشن شترے بے مہار کی طرح بڑھتی ہی جارہی ہے، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔

معاشرے میں بڑھتی ہوئی رشوت کے کیا اسباب ہیں؟

اس سلسلے میں ایک خاص وجہ یہ کہ ہمارا طرز زندگی بدل گیا ہے، ہر کوئی یہی چاہتا ہے کہ اس کے پاس ایک بڑا گھر ہو گاڑی ہو، گھر میں ایئرکنڈیشن ہوں، نوکر چاکر ہوں۔ تو یہ سب کچھ محدود آمدنی سے نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ناجائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرنے کی دوڑ میں کرپشن کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ غربت، بیروزگاری اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے بھی لوگ ناجائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

سرکاری اخراجات جس کی خاص وجہ سیاستدانوں اور افسران اعلیٰ کی طرف سے کی جانے والی شاہ خرچیاں اور کرپشن ہے۔ جو ادارے اور محکمے کرپشن کو روکنے کیلئے قائم کئے گئے ہیں وہ کرپشن کو بڑھانے کا سبب بن رہے ہیں، جن کی بے شمار مثالیں ہم آئے دن دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ غرض یہ سیلاب اب جلد اور آسانی سے رکنے والا نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راقم کو سرکاری ملازمت میں گزارنے کے تجربے اور مشاہدے میں بے شمار واقعات اور مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں جن کو لکھنے کیلئے ایک مضمون نہیں بلکہ کتابیں چاہییں لیکن مقصد صرف ایک اہم مسئلے کو اہل علم اور اقتدار لوگوں تک اس ارادے سے پہنچانا ہے کہ وہ اس سلسلے میں ہنگامی بنیادوں پر قلیل مدتی اور دائمی اقدامات تجاویز کریں اور کرپشن کو کم از کم کچھ کم ہی کیا جا سکے اور آئندہ کیلئے اس کا راستہ بند ہو جائے۔

مالی بدعنوانی(Corruption)کی چند مزید اقسام:

بدعنوانی کو فوری پیسے، اطلاع کی قیمت اور رشوت جیسے متعدد ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں بدعنوانی ہر جگہ ہوتی ہے اور اسے سماج کا بہت بڑا مسئلہ نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ یہ لوگ اسے گریس یا عمل انگیز قرار دیتے ہیں جس کی بدولت نظام رواں رہتا ہے۔ ایسا کہتے ہوئے لوگ بعض اہم باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ ایسے مسائل ہیں جو اعتماد کے فقدان سے جنم لیتے ہیں۔ 1947 میں تقسیم برصغیر کے موقع پر پاکستانی علاقوں میں ہندو اور سکھ بہت سی جائیدادیں اور زمینیں چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے تھے۔ اس سے برعکس ہندوستانی علاقوں میں رہنے والے مسلمان امیر نہیں تھے۔ لہٰذا جب وہ ہجرت کر کے پاکستان وارد ہوئے تو ممکنہ طور پر ان کے لیے پیچھے چھوڑے گئے اثاثوں سے کہیں زیادہ متاع یہاں موجود تھا۔ اس دور میں اثاثوں کی غیر منصفانہ تقسیم کے حوالے سے کئی کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ بعض غیر مستحق لوگ زیادہ اثاثوں کے مالک بن گئے تو وہیں مستحقین کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کلیم کا فیصلہ میرٹ پر نہیں ہوا تھا۔ جن لوگوں کو اثاثوں کی منصفانہ تقسیم کا اختیار دیا گیا تھا وہ اعتماد پر پورا نہ اتر سکے۔ پاکستان کے ابتدائی دور میں اس بدعنوانی اور اعتماد شکنی کے قومی نفسیات پر اثرات کا سوال حل طلب ہے۔ لیکن اس نے مستقبل میں کئی معاملات میں بنیادی کردار ادا کیا۔ پاکستان میں آج بھی زمین کی طلب بہت زیادہ ہے۔ زمینوں میں سرمایہ کاری آج کا سب سے پرکشش کاروبار ہے اور ملک کے امیر اور طاقتور لوگ اب بھی پلاٹوں کے لیے کھیل کھیلتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے بعض نئے ہیرو لینڈ ڈویلپر ہیں۔ بدعنوانی کی جامع تعریف اور اسے سمجھنا ضروری ہے۔ وہ لوگ جو خود پر عائد ذمہ داریوں کے باجود اپنے وقت، توانائی اور وسائل کا درست استعمال نہیں کرتے وہ دراصل خود پر کیے گئے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ جب ہمارا مقصد انسانی بھلائی ہو تو اچھی نیت اور درست طریقہ کار ہمارے رویے اور حرکات و سکنات میں بھی واضح دکھائی دینا چاہئے۔ استاد کا رشوت و تحائف لے کر طلبا کو پاس کرنا ہی بدعنوانی نہیں بلکہ اس کا اپنی قابلیت کے مطابق نہ پڑھانا اور طلبہ پر محنت نہ کرنا بھی بدعنوانی کہلا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے معیار ذاتی ہونا ضروری ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ سماج کو بھی افراد کی بہتر کارکردگی یقینی بنانے کے لیے کئی بیرونی معیار تعمیر کرنا ہوں گے۔ جب لوگ ایک خاص سطح کی بدعنوانی کی توقع رکھنے لگ جائیں تو یہ مسئلہ بدترین روپ اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے میں ہر عمل، ہر نیت، اور ہر اقدام مشکوک بن جاتا ہے۔ یوں کاموں کے نتائج حاصل کرنے کے بجائے زیادہ توانائی اس بات پر صرف ہو جاتی ہے کہ ارادوں اور اقدامات کی سچائی کو کس طرح ثابت کیا جائے۔ حکومت نے راولپنڈی میٹرو بس پراجیکٹ عوامی فائدے کے لیے شروع کیا یا اس کا مقصد پیسہ بنانا ہے؟ اپوزیشن جماعتوں کا الزام ہے کہ اس منصوبے پر اٹھنے والے اخراجات اصل قیمت سے کہیں زیادہ بتائے گئے ہیں اور اس کی حتمی قیمت بجٹ میں بتائے گئے تخمینے سے بھی کہیں زیادہ نکلے گی۔ اس میں کس قدر حقیقت ہے؟ حقیقت کو ایک جانب رکھیں اور یہ دیکھیں کہ اس معاملے پر کتنا وقت اور توانائی ضائع ہوئی ہے۔ کیا ایسا ممکن تھا کہ ہم اس پراجیکٹ کی ضرورت، لاگت اور اس پر اٹھنے والے حکومتی اخراجات کا شفاف تجزیہ کرا لیتے؟ بدعنوانی، وی آئی پی کلچر اور مراعات وغیرہ پر آج کل جاری بحث دراصل اعتماد اور معیار سے متعلق ہے۔ اگر کوئی وزیر پی آئی اے کی فلائٹ کو لیٹ کرا دیتا ہے تو کیا یہ اسے حاصل رعایت کا حصہ نہیں؟ اگر وزیر اعظم نیویارک میں نہایت مہنگے کمرے میں رہتے ہیں تو اس میں مسئلہ کیا ہے جبکہ وہ دوسرے سربراہان مملکت کی طرح سستے ہوٹل میں بھی رہ سکتے تھے۔ سماج اعلیٰ عہدوں پر براجمان شخصیات کو یہ بتا رہا ہے کہ وہ جن عہدوں پر بیٹھے ہیں وہ صرف مراعات کا نام نہیں بلکہ ذمہ داری بھی ہے۔ ہم وزیر اعظم کے لیے سیکیورٹی کی ضرورت کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ہمیں سڑکیں بند کر دینے کی منطق سمجھ نہیں آتی۔ اگر دوسرے سربراہان مملکت کے لیے ایک رات 1000 ڈالر کرائے والا کمرہ مناسب ہے تو پھر اس زیادہ خرچ ناقابل قبول ہو گا اور اعتماد شکنی کہلائے گا۔ جو لوگ اختیار اور طاقت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں یا اٹھا چکے ہیں وہ غیر ضروری خواہشات سے پرہیز کی بات کبھی سننا نہیں چاہیں گے۔ وہ خود کو اسراف پسند کہنے والوں پر بھی بگڑیں گے۔ یہیں معاشرتی اقدار اپنا کام دکھاتی ہیں۔ ایسا معاشرہ جہاں رعایت کا استحصال جائز سمجھا جاتا ہو وہاں تبدیلی لانے کے لیے غیر قانونی اقدام کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو مزید کوشش کرنا ہو گی۔ ان دنوں سیاسی جماعتوں کا دعویٰ ہے کہ وہ یہی کر رہی ہیں اور اس میں کسی حد تک سچائی بھی ہے۔ لیکن اختیارات کے ناجائز استعمال کے خلاف اس سے کہیں زیادہ مضبوط اقدامات درکار ہیں۔ بدعنوانی اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے خلاف قوانین کو مضبوط کر کے ان پر سختی سے عمل کرانا ہو گا۔ وکلاء کو چاہیے کہ خود کو قانون کا محافظ سمجھیں کیونکہ اعتماد توڑنے جیسے مسائل سے نمٹنے کے لیے قانون بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتا ہے۔ درست سماجی رویوں اور روایات کے نفاذ کا کام قوانین کی درستگی اور مضبوطی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یہی رویے اور روایات قانون کے نفاذ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی مددگار ثابت ہوں گی۔ اب پاکستان میں حالات تبدیل ہو رہے ہیں۔ شاید ہم موجودہ سماجی رویوں کو تبدیل کر کے اس سے بہتر روایات قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن یہ سوچنا مشکل ہے کہ بدعنوانی، اختیارات کے ناجائز استعمال اور اعتماد کو ٹھیس پہنچانے پر خاموش رہنے والی سماجی روایات کے ہوتے ہوئے حکمرانی کیونکر بہتر ہو سکتی ہے۔

کرپشن یا بدعنوانی صرف رشوت اور غبن کا نام نہیں۔ اپنے عہد اور اعتماد کو توڑنا یا مالی اور مادی معاملات کے ضابطوں کی خلاف ورزی بھی بدعنوانی کی شکلیں ہیں۔ ذاتی یا دنیاوی مطلب نکالنے کے لئے کسی مقدس نام کو استعمال کرنا بھی بدعنوانی ہے۔

کرپشن ایک ایسا مرض ہے جو چھوت کی طرح پھیلتا ہے اور معاشرے کو کھا جاتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اس موذی مرض نے ہماری سماجی، سیاسی اور روحانی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

کرپشن آکاس بیل کی طرح سے ہے یعنی وہ زرد بیل جو درختوں کو جکڑ کر ان کی زندگی چوس لیتی ہے۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے کہ اگر ایک بار یہ کسی معاشرہ پر آگرے تو ایک شاخ سے اگلی اور اگلی شاخ کو جکڑتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ زردو ویرانی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ معاشرہ کی اخلاقی صحت کے محافظ مذہبی اور تعلیمی ادارے بھی اس کا شکار ہو جاتے ہے۔

کسی برائی کے خلاف جدوجہد کا انحصار معاشرہ کے اخلاقی معیاروں پر ہوتا ہے۔ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کے ہم کس بات کو رد اور کس کو قبول کرتے ہیں۔ بدعنوانی کے رویوں کے ساتھ بدعنوانی کا مقابلہ ممکن نہیں۔ کوئی نگران اگر خود بددیانت ہو تو لوٹ میں اپنا حصہ مانگ کر کرپشن میں معاونت کرتا ہے جس سے بربادی کا عمل اور گہرا ہو جاتا ہے۔ مسلح افواج اور عدلیہ جنہیں معاشرہ اپنا خون پلا کر پالتا ہے تاکہ یہ مدافعتی نظام بن کر اس کی حفاظت کریں، وہ خود حملہ آور لٹیرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ یوں جسم کے یہ دفاعی خلیے باہر سے آنے والے حملہ آور کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے جسم پر حملہ کر دیتے ہیں، جس کی حفاظت کے لئے ان کو مامور کیا گیا تھا۔

ہمارا معاملہ یوں ہے کہ کرپشن کسی جڑواں بچے کی طرح پاکستان کے بنتے ہی ساتھ آگئی تھی۔ وہ لوگ جو آج معاشرہ میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں، پاکستان کے ابتدائی دنوں کی تاریخ کو بڑی احتیاط سے چھپاتے ہیں۔ یہ لوگ کرپشن کے خلاف تقریریں تو کرتے ہیں لیکن کرپشن کی وجوہات اور پیدائش پر بات نہیں کرتے۔ یہ پاکستان کی ابتدائی تاریخ کا وہ افسوس ناک باب ہے جس میں ہماری کرپشن، موقع پرستی، مذہبی بلیک میلنگ اور بے حسی کی جڑیں چھپی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہماری قیادت کو ان مسائل کا شاید کوئی تصور ہی نہ تھا جو ہمارے عوام کو تقسیمِ ہند کے وقت پیش آنے والے تھے۔ چنانچہ مہاجروں کی آبادکاری کا کوئی ٹھوس منصوبہ موجود نہ تھا۔

عین اس وقت جب ہمارے لہو میں نہائے ہوئے مہاجر کیمپوں میں پڑے سڑ رہے تھے تو ملک کے طول و عرض میں ہندوؤں اور سکھوں کی متروکہ املاک کی لوٹ ماریوں جاری تھی جیسے عید کا تہوار ہو۔ چالاک موقع پرستوں کی چاندی ہو رہی تھی۔ لیڈر لوگ بحالیات کے دفتروں میں بیٹھے اپنے حصّوں کی سودے بازی کر رہے تھے۔ کیمپوں میں ہونے والے جنسی جرائم کی گندی کہانیاں بھی گردش میں تھیں۔ یہ سب کچھ پراپرٹی کلیم شروع ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

پھر پراپرٹی کلیم کی کہانی شروع ہوئی۔ لیکن پراپرٹی کلیم کیا تھا؟

بے شمار مسلم عوام تھے جنہوں نے اپنے اس نئے وطن پاکستان کے لئے ہندوستان سے ہجرت کی۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو بھارت میں اپنے گھر اور جائداد چھوڑ آئے تھے۔ لیکن ان گنت ایسے بھی تھے جن کا وہاں کچھ بھی نہ تھا یا بہت معمولی تھا۔ اگرچہ حقائق معلوم کرنے کا کوئی قابل اعتماد طریقہ موجود نہ تھا پھر بھی ہر شخص کو یہ دعویٰ کرنے کا حق تھا کہ اس نے ہندوستان میں یہ چھوڑا اور وہ چھوڑا اور اسے پاکستان میں اس کے برابر ملنا چاہیے۔ اس کا نام کلیم تھا۔ لیکن لوگ اپنا کلیم کیسے ثابت کرتے تھے؟ ظاہر ہے کسی کے پاس ملکیت کا کوئی کاغذ نہ تھا۔

ایسی صورت حال میں جھوٹی کہانیوں کی گنجائش موجود تھی جس کی تصدیق کے لئے ذاتی گواہی کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔ اور اس کی بھی کچھ ایسی مجبوری نہ تھی، کیونکہ کوئی "ہمدرد" افسر، تحریک پاکستان کا کوئی کارکن یا کوئی سیاسی رہنما آپ کا کلیم منظور کر کے آپ کی تقدیر بدل سکتا تھا۔

چنانچہ ہندوؤں اور سکھوں کی چھوڑی ہوئی شہری اور دیہی ملکیتیں، رہائشی اور کاروباری جائیدادیں، فضل ربی بن کر ایسے ایسے لوگوں کے ہاتھ لگیں جن کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ سب سے زیادہ ننگے انداز میں یہ عمل صنعتی، تجارتی اور کاروباری شعبوں میں سرزد ہوا جہاں مسلمانوں کو کوئی تجربہ نہ تھا یا بہت کم تجربہ تھا۔ چنانچہ جو نیا کاروباری طبقہ پیدا ہوا اسے کاروبار کے اصولوں، اسکی اخلاقیات اور اسکے مزاج کے بارے میں تربیت دینے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

برطانوی حکومت سے پہلے برصغیر میں مسلمانوں کا مزاج بالعموم جاگیردارانہ اور زراعتی تھا، بعد کی صدیوں میں زیادہ تر وقت مسلمان مزاحمت اور علیحدگی کی تحریکوں میں رہے، صرف ایک محدود سا طبقہ سول سروس اور فوج میں شامل ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سارے دور میں مسلم خطیبوں اور ڈاکٹر علامہ اقبال جیسے شاعروں کے ولولہ انگیز پیغام نے ہمارے مجاہدانہ مزاج کو اور گہرا کر دیا۔ لہٰذا ہمارے کاروباری طبقوں میں جاگیر داری اور جنگی مزاج قائم رہا اور ایک حقیقی کاروباری طبقہ کے جمہوری مزاج کی کمی رہی۔

برصغیر میں مسلمان صدیوں سے ہندو کاروباری طبقہ کو حقارت سے "بنیا" کہتے آئے تھے، اور انھیں رئیس اور سپاہی ہونے پر فخر رہا تھا۔ لہٰذا ہمارے کاروباری طبقوں اور سول سروس کے لئے بالکل فطری تھا کہ وہ جاگیر داروں، جرنیلوں اور دینی علماء کو اپنے رہنما مانتے۔

زرعی رؤسا جن میں سے اکثر کرپشن کے موجد تھے، جنہوں نے خالص ذاتی مفادات کے لئے انگریز کی خدمات کی تھیں، اس نئی سرزمین میں خوش اور محفوظ تھے کہ جہاں نہ تو زرعی اصلاحات کا خوف تھا نہ احتساب کا۔

یہ تھی صورت حالات جس میں پرمٹ، لائسنس اور الاٹمنٹوں کا ہنگامہ شروع ہوا۔ جلد ہی امریکی امداد کا دھارا بھی بہنے لگا۔ اب اوپر کے طبقوں یعنی حکمرانوں کے لئے کھلا میدان تھا۔ آسان کمائی کی غلیظ دوڑ کا آغاز ہوا، جس نے "راتوں رات امیر" ہو جانے کے خواب ہماری نفسیات میں گوندھ ڈالے۔

بعد کی ساری تاریخ کرپشن اور اقربا پروری کے افسانوں اور کہانیوں سے اٹی پڑی ہے۔ آج ہمیں حیرت ہوتی ہے کے آخر کرپشن کی شکایتیں کرنے اور ایک دوسرے پر فرد جرم عائد کرنے کا جواز کیا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس کا جواز موجود ہے۔ نرگسیت سے بھرے معاشرہ میں ایسا عمل فطری ہے۔ کیونکہ نرگسیت کے مریض کی مجبوری ہوتی ہے کہ وہ اپنا جرم دوسروں پر ڈال دے۔

پاکستان میں کرپشن صحت مندی کی علامت بن گئی ہے، ایک ایسا عمل جو ذہانت کا معیار ہے، سماج میں موزوں ہونے کا ثبوت ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ کرپشن کو گالی دینا بھی اتنا ہی معیاری اور موزوں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس دوسرے کی کرپشن کے "ٹھوس" ثبوتوں کے ساتھ ایک فہرست موجود ہوتی ہے جس کے ساتھ ہی ویسی ہی "کامیابیوں" کی آرزو ہمارے دل میں مچلتی ہے۔

عمل اور فکر کا یہ تضاد یعنی ہاتھ سے کرنے اور زبان سے کوسنے کا یہ عمل اس ریاکاری کو جنم دیتا ہے جو بدعملی کو دوام بخشتی ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو ایک شاندار دین پر ایمان رکھتا ہے لیکن جن اصولوں کی تعظیم کرتا ہے عمل میں ان کے مخالف چلتا ہے، اسے ضمیر کی آسودگی کے لئے کسی بڑی تسلی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا ہمارے حکمرانوں نے معاشرہ کے لئے نمازوں اور حج کی رسوم پر مبنی نمائشی اسلام کو بڑھاوا دیا ہے۔ اس سے ہم اپنے ہر روز کے احساس ندامت کو دھو لیتے ہیں تاکہ ہر نئی صبح ہلکے پھلکے ہو کر پھر سے وہی کرنے نکلیں جو کل دھویا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا اس حالت سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے ؟ہاں، ہر نئی نسل بھلائی پر ایمان اور معصوم جذبے لیکر پاکیزہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ معاشرہ جس میں وزیر اعظم سے قاصد تک اور مل مالک سے دہاڑی دار معاون تک تقریباً ہر کوئی تربہ تر ہے اور نچڑ رہا ہے، یہاں نئی نسل کی رہنمائی کے لئے شاید کوئی موجود نہیں۔ انہیں مستقبل کی تعمیر کے لئے بڑی توجہ سے اپنے رستے بنانا ہونگے۔

اچھے معاشروں کا مطالعہ اور ذہانت سے پوچھے جانے والے سوال وہ اوزار ہیں جو راستہ بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ جمہوریت نئی نسل کو اپنا رول ادا کرنے کے لئے میدان مہیا کر سکتی ہے۔ ہمیں امید ہے نئی نسلیں سائنس اور تخلیق کی دنیا کے ساتھ جینے کا فیصلہ کریں گی جو ایسا واحد راستہ ہے جو کرپشن سے آزاد ہے۔

سرکاری محکمے کرپشن میں آگے:

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کے تازہ عالمی سروے کے مطابق پاکستان میں سب سے زیادہ کرپشن سرکاری محکموں اور اسکے بعد عدلیہ میں ہے۔

'گلوبل کرپشن بیرومیٹر' نامی عالمی سروے رپورٹ بدھ کو جاری کی گئی ہے جس میں دنیا کے 69 ملکوں میں کرپشن کی سطح کی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ سروے رپورٹ ان ملکوں کے 73 ہزار ایک سو 32 لوگوں کی آراء جمع کرنے کے بعد مرتب کی گئی ہے۔ سروے کے مطابق پاکستان میں کرپشن سے سب سے زیادہ متاثر سرکاری محکمے ہیں اور اسکے بعد بالترتیب عدلیہ، قانون ساز اداروں، سیاسی جماعتوں، پرائیویٹ سیکٹر اور میڈیا کا نمبر آتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق سروے کے دوران پاکستان میں جن لوگوں سے بات ہوئی ان میں سے چالیس فیصد کا کہنا تھا کہ ان چھ اداروں میں سرکاری محکمے کرپشن سے سب سے زیادہ متاثر ہیں جبکہ چودہ فیصد کا کہنا تھا کہ سب سے زیادہ کرپشن عدلیہ اور قانون ساز اداروں میں، بارہ فیصد کے بقول پرائیویٹ سیکٹرز اور سیاسی جماعتیں اور آٹھ فیصد کے بقول میڈیا سب سے زیادہ کرپٹ ہے۔

سروے میں شامل اٹھارہ فیصد پاکستانیوں کا کہنا تھا کہ پچھلے بارہ مہینوں کے دوران انہیں یا ان کے گھر کے افراد میں سے کسی کو رشوت دینا پڑی۔

ان کے علاوہ اکاون فیصد کا کہنا تھا کہ رشوت ستانی کے خلاف حکومتی اقدامات غیر مؤثر ہیں اور صرف پچیس فیصد یہ کہتے پائے گئے کہ یہ اقدامات مؤثر ہیں۔

کرپشن کے عالمی رجحانات کے بارے میں رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سروے کے دوران دنیا بھر میں جن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں سے بات ہوئی ان میں سے نصف سے زیادہ کا کہنا تھا کہ پرائیویٹ سیکٹر سرکاری پالیسیوں، قوانین اور قواعد پر اثر انداز ہونے کے لئے رشوت کو بطور ہتھیار استعمال کر رہا ہے۔

رپورٹ کے مطابق رشوت طلبی کا سب سے زیادہ بوجھ غریب آدمی پر پڑتا ہے جنہیں زیادہ آمدن والے لوگوں کے مقابلے رشوت کے مطالبے کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سروے کے مطابق دنیا بھر میں لوگوں کی اکثریت کا یہی خیال ہے کہ کرپشن کے خاتمے کے لئے حکومتی کوششیں بے اثر ہیں جبکہ سیاسی جماعتوں، پارلیمینٹس اور سول سوسائٹی میں کرپشن بلند سطح پر ہے۔

کسی بھی ملک کے مالیاتی نظام میں دیانت وامانت کو بہت بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دیانتداری و امانت داری مسلمہ اَخلاقی اَقدار ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور معاشی شعبوں میں ان اَقدار کو بہت ہی زیادہ حیثیت حاصل ہے۔

اگر کسی ملک کے مالیاتی نظام میں بددیانتی، خیانت اور بے ایمانی سرایت کر جائے تو وہاں دولت کی عادلانہ تقسیم ممکن نہیں رہتی۔ اگر سرکاری ملازمین اور افسران بدعنوانی میں ملوث ہو جائیں تو ملکی خزانہ غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ غیر حقدار لوگ تو ناجائز ذرائع سے سب کچھ لے جاتے ہیں لیکن حقدار محروم رہ جاتے ہیں۔ ملکی آمدنی عوام تک نہیں پہنچ پاتی۔ عوام سرکاری خزانے اور قومی آمدنی سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ سرکاری افسران تو بہت امیر ہوتے جاتے ہیں لیکن عوام کے حصے میں غربت ہی آتی ہے۔ ملکی خزانہ تو خالی ہو جاتا ہے لیکن ملک غریب اور سرکاری افسران امیر ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملکی اخراجات چلانے کے لئے ملک سرمایہ دار ملکوں کا مقروض ہو جاتا ہے اور یہ سرمایہ دار ممالک اکثر اَوقات ایسی شرمناک شرائط کے ساتھ قرض دیتے ہیں کہ ملک سود در سود ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ شرائط ملکی سلامتی کے سراسر مخالف ہوتی ہیں جس سے ملکی و قومی سلامتی بھی داؤ پر لگ جاتی ہے۔

کرپشن ایک طرف ملک کے اندر دولت کی تقسیم کو غیر عادلانہ بناتی ہے اور دوسری طرف سرکاری خزانہ عوام کے بجائے بااثر لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں پوری قوم اخلاقی طور پر بدعنوانی کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ رشوت کے ذریعے ہر کام ممکن ہو سکتا ہے۔ پوری قوم کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔ ہر طرف بدعنوانی کی فضا چھا جاتی ہے۔ لوگ رشوت دے کر ہر جائز وناجائز کام کروا لیتے ہیں اور سرکاری ملازمین رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔

اگر ہم اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بڑا واضح اور قابل عمل مؤثر ضابطہ ملتا ہے۔ آپ کی حکمتِ عملی کی بنیاد قرآن کریم کی تعلیمات تھیں جن میں ہمیں حلال و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرام کی تمیز سکھائی گئی ہے اور حرام خوری کے وبال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے امانت و دیانت اور بددیانتی کا واضح تصور پیش کیا۔ امانت داری کی فضیلت اور بددیانتی کی نحوست کا ذکر فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے لوگوں کے نفوس کا تزکیہ[1] فرمایا۔ ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور یوم آخرت کی مسئولیت کا احساس پیدا فرمایا کہ انسان کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہوگا۔ آپ نے لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ قیامت کے دن کسی بھی شخص کو ایک قدم آگے اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ پانچ باتوں کے بارے میں جواب نہیں دے لے گا۔ ان میں ایک سوال یہ ہوگا کہ تم نے جو دولت کمائی، وہ کہاں سے اور کن ذرائع سے حاصل کی اور پھر اسے کن جگہوں پر خرچ کیا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ»[2]

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق نہیں پوچھ لیا جائے گا (1) اس نے عمر کس چیز میں صرف کی (2) جوانی کہاں خرچ کی (3) مال کہاں سے کمایا (4) مال کہاں خرچ کیا (5) جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا"

اُصول و ضوابط خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اگر لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف نہ ہو تو کوئی چیز انہیں برائی اور خیانت سے روک نہیں سکتی۔ یہ بات کہی جاتی ہے کہ ڈنڈے کے زور سے آپ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اِعلانیہ جرائم سے روک سکتے ہیں لیکن وہ جرائم جو چھپ کر ہوتے ہیں، قانون اور اختیار انہیں روک نہیں سکتا۔

اس موضوع کے متعلق میں قرآن مجید کی وہ آیات، جن میں مالی امور زیر بحث آئے ہیں ان سب کے آخر

(1) اس سلسلے میں قرآن مجید میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 164 میں فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ آل عمران 3: 164 "بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ان میں ایک رسول ﷺ مبعوث فرمائے ہیں جو ان کے سامنے آیات کی تلاوت فرماتے ہیں، ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے ہیں، انہیں کتاب کی تعلیم دیتے اور انہیں حکمت سکھاتے ہیں۔"

(2) جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب فی القیامۃ، رقم الحدیث: 2416، اس حدیث کے بارے میں صاحب ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ غریب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اللہ تعالیٰ کے خوف، آخرت کی مسئولیت اور حرام خوری کی صورت میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔ مثلاً یتامیٰ کے مال میں احتیاط کا حکم دیا تو آخر میں فرمایا کہ جو لوگ ان کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ مالی امداد کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں جو انہیں پھلانگتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(النساء:۱۳) سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 282 میں ادھار لین دین کا ذکر ہوا تو آیت کے آخر میں فرمادیا کہ اللہ تمہارے دل کی کھوٹ کو جانتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی آیات (النساء:4۔ ۱۳) (البقرۃ:188، 168) (المؤمنون:51) میں حلال و حرام کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو آخر میں آخرت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے واضح فرمادیا کہ حرام کھانا دنیا اور آخرت میں شدید سزا کا سبب بنے گا۔ صدقہ و خیرات اور عبادات صرف حلال کی کمائی سے ہی مقبول ہوتے ہیں۔

اسی طرح اچھائی اور دیانت داری پر کبھی قانون مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر دل خوفِ الٰہی سے بھرا ہوا ہو تو لوگ خود بخود اعلانیہ اور خفیہ معاملات میں جرم سے اجتناب کریں گے۔ خصوصاً مالی معاملات میں تو انسان کی نیت کو بڑا دخل حاصل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اصلاحی حکمتِ عملی میں تقویٰ اور خوفِ خدا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے گویا آپ نے لوگوں کے قلوب واَذہان کو بدلا۔

قرآن مجید کے ذریعے حلال و حرام کا تصور واضح کرنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے لوگوں پر امانت و دیانت کی عملی زندگی میں اہمیت بیان فرمائی۔

جناب حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں:

«حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ»[1]

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو باتیں سنی ہیں: ایک کو تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: امانت داری لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اُتری ہے۔ یعنی یہ ان کی فطرت میں داخل ہے پھر انہوں نے اس فطری استعداد میں قرآن اور حدیث کے علم کے ذریعے اضافہ کیا۔“

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب اذا بقی فی حثالۃمن الناس، رقم الحدیث:7086؛جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاءفی رفع الامانۃ، رقم الحدیث:2179

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جناب حذیفہ فرماتے ہیں:

«وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى فِيهَا أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ»[1]

''پھر نبی کریم ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کا حال بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر یہ حال ہو گا کہ آدمی سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی اور اس کا ہلکا سا نشان اس کے دل میں باقی رہ جائے گا۔ پھر سوئے گا تو امانت چلی جائے گی اور ایک آبلہ کی طرح کا داغ اس کے اوپر رہ جائے۔ جو اُٹھا ہوا تو ہوتا ہے مگر اندر سے خالی ہوتا ہے۔ لوگ ایسے ہو جائیں گے کہ لین دین کریں گے لیکن کوئی ایمانداری سے کام نہیں لے گا۔ اس وقت امانتداری کی مثال ایسے ہو جائے گی کہ لوگ مثال کے طور پر کہیں گے کہ فلاں قوم میں ایک امانتدار شخص ہے۔ آدمی کی تعریف کی جائے گی کہ کیسا عقل مند، خوش مزاج اور بہادر شخص ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمانداری نہیں ہو گی۔''

نبی کریم ﷺ نے امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ»[2]

''اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْتَقِيمُ دِينُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ، وَلَا يَسْتَقِيمُ لِسَانُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْبَوَائِقُ؟ قَالَ: «غَشْمُهُ وَظُلْمُهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ أَصَابَ مَالًا مِنْ

(1) صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب اذا بقی فی حثالۃ من الناس، رقم الحدیث:7086؛ جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی رفع الامانۃ، رقم الحدیث:2179

(2) ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، صحیح ابن خزیمہ، کتاب الزکاۃ، باب فی التغلیظ فی الاعتداء، المکتب الاسلامی، طبع ثالث، 2003ء، رقم الحدیث:2335

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

غَيْرِ حِلِّهِ، وَأَنْفَقَ مِنْهُ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، وَإِنْ تَصَدَّقَ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ، وَمَا بَقِيَ فَزَادُهُ إِلَى النَّارِ، إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يُكَفِّرُ الْخَبِيثَ، وَلَكِنَّ الطَّيِّبَ يُكَفِّرُ الْخَبِيثَ»[1]

"جس میں امانتداری نہیں، اس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد (کی پاسداری) نہیں اس کا کوئی دین نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، کسی بندے کا دین اس وقت تک درست نہ ہو گا یہاں تک کہ اس کی زبان درست ہو جائے، اور زبان اس وقت تک درست نہیں ہوتی یہاں تک کہ دل درست ہو جائے، وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کے پڑوسی اس کی اذیتوں سے محفوظ نہ ہوں، کسی نے کہا: یارسول اللہ! بوائق سے کیا مراد ہے فرمایا: اس کی ظلم وزیادتی، اور جس شخص کو ناجائز طریقہ سے کوئی مال ملا ہو پھر اس نے اس میں سے خرچ کر دیا تو اسے اس میں برکت نہیں دی جائے گی، اور اگر اس میں سے صدقہ کیا تو قبول نہیں کیا جائے گا، اور جو باقی بچا وہ اس کا جہنم (کیلئے) توشہ ہے بیشک خبیث، خبیث کا کفارہ نہیں ہو سکتا، البتہ اچھا مال اچھے کا کفارہ ہو سکتا ہے۔"

مزید فرمایا:

«إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»[2]

"قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا۔"

نبی کریم ﷺ نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»[3]

"جناب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین پہچانیں ہیں جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔"

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک روایت موقوفاً بیان کی ہے کہ

(1) معجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: 10553، 227/10

(2) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ، رقم الحدیث: 6496

(3) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، رقم الحدیث: 33

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللہ کی راہ میں شہید کیا جانا تمام گناہوں کا کفارہ ہے لیکن امانت کا کفارہ نہیں۔ ایک بندے کو قیامت کے روز لایا جائے گا جو شہید ہوا ہو گا اور کہا جائے گا کہ تم امانت (جس میں اس نے خیانت کی ہو گی) ادا کرو۔ وہ کہے گا کہ اے اللہ! اب میں اسے کس طرح لاؤں، اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے۔ کہا جائے گا کہ اسے جہنم کے طبقہ 'ہاویہ' میں لے جاؤ۔ وہاں امانت والی چیز مثال بن کر اصل حالت میں اس کے سامنے آئے گی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے گرے گا یہاں تک کہ اسے پکڑ لے گا۔ وہ اسے اپنے کندھوں پر لاد کر چلے گا۔ لیکن جب وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا۔ پھر وہ اس کے پیچھے ہمیشہ گرتا چلا جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے وضو، نماز، ناپ تول اور دیگر بہت سی چیزیں گنا کر فرمایا اور ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے۔"[1]

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امانت کی اہمیت کو بیان فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيتًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلَعَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ»[2]

"اللہ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیا کو نکال لیتا ہے۔ جب حیا اس سے نکل جاتی ہے تو ہمیشہ تو اس پر اللہ کا غصہ پاتا ہے۔ جب اس پر اللہ کا غصہ رہتا ہے تو اس کے دل سے امانت نکل جاتی ہے، تو اسے تو ہمیشہ چور اور خائن پاتا ہے۔ جب اسے تو چور اور خائن پاتا ہے تو اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے۔ جب اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے تو تو اسے ہمیشہ مردود و ملعون پائے گا۔ جب وہ ہر وقت مردود و ملعون ہو جاتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کی رسی نکل گئی۔"

نبی کریم ﷺ نے امانت کی پاسداری اور محافظت کا سبق لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ لوگوں کو خیانت اور بددیانتی کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

[1] البیہقی، شعب الایمان، باب فی الامانات وما یجب من اداءھا الی اھلھا، جلد رابع، ص: 323، حدیث 5266

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب ذھاب الامانۃ، رقم الحدیث: 4054

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ جانتے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔"

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾[2]

"اور آپ بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہوں۔"

اور ایک مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾[3]

"بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوۂ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا، آپ جن باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک خیانت ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ، فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ»[4]

"اے اللہ مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت برا اندرونی ساتھی ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، قَالَ عِمْرَانُ فَلاَ أَدْرِي: أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذُرُونَ وَلاَ يَفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ»[5]

"سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ جو اس کے بعد آئے گا، پھر اس کے بعد آنے والا زمانہ۔

(1) الانفال8: 27

(2) النساء4: 105

(3) الانفال8: 58

(4) ابوداؤد، السنن، کتاب الصلوۃ، باب فی الاستعاذۃ، رقم الحدیث: 1547

(5) صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب فضائل اصحاب النبیﷺ...، رقم الحدیث: 3650

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمران بن حصین کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد دو زمانوں کا ذکر یا تین کا؟ اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا جب لوگ بن بلائے گواہی دیں گے۔ خیانت کریں گے۔ امانتداری نہیں کریں گے۔ نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بددیانتی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة»[1]

"جب امانت ضائع کر دی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔"

جناب علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب میری امت کے لوگ پندرہ کام کرنے لگیں تو ان کاموں کی وجہ سے ان پر بلائیں اور مصائب نازل ہوں گے۔ ان میں سے ایک بددیانتی ہے کہ لوگ مالِ غنیمت کی طرح امانت کو حلال کر لیں گے۔"[2]

نبی کریم ﷺ نے حکمران کو بیت المال کا محافظ اور امین قرار دیا۔ اس پر یہ بات واضح فرمادی کہ اگر وہ کسی بھی طریقے سے بیت المال کی صحیح طور پر نگہداشت نہیں کرتا، اس کے استحکام و تحفظ کے لئے موزوں پالیسیاں وضع کر کے ان پر عمل درآمد کا اہتمام نہیں کرتا اور بیت المال کے سرمائے کو صحیح طور پر خرچ کرنے کا اہتمام نہیں کرتا تو وہ اسی طرح خائن اور بددیانت ہو گا جس طرح عام معاشرتی زندگی میں امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے حکمرانوں کو یہ بات باور کروائی ہے کہ وہ محض عوام کی طرف سے ایک امانت کے اٹھانے والے امین ہیں۔ یہ حکمران لوگوں پر حکومت کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ امانت کا حق ادا کرنے پر مامور ہیں۔ احادیثِ نبویہ کی روشنی میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابو مسلم خولانی کا جناب معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ مکالمہ نقل فرماتے ہیں کہ "ابو مسلم خولانی نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ تم حقیقت میں مزدور ہو۔ ان بھیڑ بکریوں کو چرانے کے لئے تمہیں مزدوری پر رکھا ہوا ہے۔ اگر تم نے ان کی خبر گیری اچھی طرح سے کی اور جو بیمار ہوں ان کا علاج کیا تو تمہارا آقا تمہیں اُجرت دے گا اور اگر تم نے ان کی حفاظت اچھی طرح سے نہ کی تو ان کا مالک تمہارے ساتھ غضب ناک ہو گا، اسی طرح انسان اللہ کے بندے ہیں اور والیانِ ریاست اللہ کے بندوں پر اللہ

[1] الترغیب والترھیب، باب الترغیب فی انجاز الوعد والامانۃ... الجزء الرابع، ص:411

[2] ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، 1/131

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نگہبان ہیں۔[1]

احادیث کی روشنی میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد دلت سنة رسول صلى الله عليه وسلم على أن الولاية أمانة يجب اداؤها فى مواضع"[2]

"نبی کریم ﷺ کی سنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت وحکمت ایک امانتِ الٰہی ہے جسے اس کے اصل مقام پر ادا کرنا واجب ہے۔"

جناب علیؓ کا ایک قول ہے:

"حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ حق امانت اَدا کرے۔ اگر وہ یہ حق ادا کرتا ہے تو عوام پر بھی اس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔"[3]

امانت کے اس تصور کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کا محافظ ہوتا ہے، اسی طرح تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ذمہ دار اور محافظ ہے۔ ایک حکمران اپنی رعایا کا محافظ ہے اور اس سے اس سلسلے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی رعایا کے مفادات کا تحفظ کیا یا نہیں؟[4] آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت وهو غاش لرعيته إلا حرم الله عليه الجنة»[5]

"کوئی شخص ایسا نہیں جسے اللہ نے رعیت کی ذمہ داری سونپی ہو اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ رعیت کے بارے میں خیانت کرنے والا ہو تو اللہ نے اس پر جنت حرام قرار دے دی ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ کی تشریح میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "والی حکومت رعایا کا ایسا راعی (محافظ و ذمہ دار) ہے جیسے گڈریا بھیڑوں کی رکھوالی کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(1) ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، ص:5-6

(2) حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، لاہور، ص:145

(3) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، مزید باب المراۃ فی بیت زوجھا

(4) صحیح مسلم، باب فضیلۃ الامام العادل، ابوداوٗد، سنن، کتاب الخراج والامارۃ، باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ، رقم الحدیث:2928

(5) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، رقم الحدیث:4729

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"والیانِ مملکت اور افسرانِ خزانہ کے لئے جائز نہیں کہ ملکی خزانہ اپنی خواہشات کے مطابق اس طرح خرچ کریں جس طرح مالک اپنی ملکیت کی چیز خرچ کرتا ہے۔ افسرانِ خزانہ بلاشبہ امین اور نائب ہیں، وہ ہرگز مملکت کے اموال کے مالک نہیں ہیں۔" (1)

اسی مضمون کی ایک اور حدیثِ مبارکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

«ما من وال يلي رعية من المسلمين فيموت وهو غاش لهم إلا حرم الله عليه الجنة» (2)

"کوئی حکمران، جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا ہو تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا۔"

ظاہر ہے دھوکہ اور خیانت کی ایک بڑی صورت یہ ہے کہ ان کے مالی معاملات کی حفاظت نہ کی جائے اور انہیں دھوکہ دے کر غلط مقامات پر خرچ کردیا جائے۔ (3)

نبی کریم ﷺ نے مالیاتی بلکہ پورے انتظامی نظام کی اصلاح کے لئے جو حکمتِ عملی اختیار فرمائی، اس کا ایک ستون ان عہدوں پر متمکن ہونے والے لوگوں کا معیارِ صلاحیت اور اخلاق تھا۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید کی مختلف آیات میں مختلف عہدوں پر تعینات ہونے والے لوگوں کے معیار کے بارے میں اشارات دیے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 248 میں علم اور جسمانی مضبوطی، اسی سورت کی 124 نمبر آیت میں فرمایا گیا کہ ظالم کو اللہ خلافت و منصب سے نہیں نوازتے۔ گویا ظالم آدمی اس عہدے کے لئے اہل نہیں ہے۔ اس کے برعکس عدل ہے۔ گویا کسی منصب پر فائز ہونے والا عدل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 128 میں یہ عمومی اُصول دیا گیا کہ اللہ جسے چاہتا ہے منصب عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے مختلف مقامات پر مناصب کی اہلیت کے لئے مختلف اشارات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً الکہف: 28، النور: 55، الانبیاء: 105، بنی اسرائیل: 70، ص: 26، اور یوسف: 55 میں یہ صفات دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے بھی اُصول و ضوابط

(1) ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، 236

(2) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، رقم الحدیث: 7151

(3) ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ؛ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ص: 193

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرتب فرمائے۔ مسلم مفکرین سیاست نے ان آیات کی روشنی میں اُصول مرتب کئے۔[1]

کتاب و سنت کی روشنی میں کوئی عہدہ اور منصب طلب کرنے والا اس عہدے کے لئے نااہل ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو بہت بڑا خائن قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: «إن أخونكم عندنا من طلبه» "ہمارے نزدیک عہدہ طلب کرنے والا سب سے بڑا خائن ہے" آپ سے اس سلسلے میں متعدد روایات ہیں کہ مختلف لوگوں نے آپ سے کوئی عہدہ طلب کیا لیکن آپ نے ان سب کو یہ کہہ کر کوئی عہدہ نہیں دیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب کوئی کسی منصب کا خود مطالبہ کرتا ہے تو اس میں گمانِ غالب یہی ہو گا کہ وہ اس منصب کو دنیا کمانے کے لئے استعمال کرے گا۔ اپنے منصب کو ناجائز استعمال کر کے اسے دولت کمانے کا ذریعہ بنائے گا۔[2]

مالیاتی عملے کو ہدایات:

نبی کریم ﷺ کی مالیاتی حکمتِ عملی کی ایک نمایاں بات یہ ہے کہ آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو ان کے منصب کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلایا۔ رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

«العامل على الصدقة لوجه الله تعالىٰ كالغازي في سبيل الله عزوجل حتىٰ يرجع إلى أهله»

(ابو داود میں اَلفاظ ہیں: العامل على الصدقة بالحق)[3]

"اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقات وصول کرنے والا شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ کر آجائے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"عامل زکوٰۃ کو اس منصب پر فائز کیا گیا اور اس نے حق کے مطابق زکوٰۃ وصول کی۔ کوئی بد دیانتی نہیں کی اور زکوٰۃ دہندہ پر ظلم نہیں کیا تو ایسا شخص اس وقت تک اللہ کی راہ میں لڑنے والے مجاہد کی مانند ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر گھر آجائے۔"[4]

(1) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی طلب الامارۃ، رقم الحدیث:2930
(2) منذری، الترغیب والترھیب، کتاب فی العمل علی الصدقۃ بالتقویٰ، جلد دوم، ص:79
(3) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ والفئ، باب فی السعایۃ علی الصدقۃ، رقم الحدیث:2936
(4) الترغیب، کتاب فی العمل علی الصدقۃ بالتقویٰ، ص:79

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جناب ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول ﷺ نے فرمایا:

«خیر الکسب کسب العامل إذا نصح»[1]

"بہترین کام عامل کا کام ہے جب تک وہ خیر خواہی کے ساتھ کام کرے۔"

مسند احمدؒ میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "عنقریب اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کے خزانے کھول دے گا۔ بے شک تمہارے عمال (جو زکوٰۃ وصول کرنے میں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کے حقوق مارتے ہیں، غنیمت کے مال میں بددیانتی کرتے ہیں اور حاصل کی ہوئی چیزوں کو حاکم سے چھپاتے ہیں) جہنم میں جائیں گے۔ سوائے ان عمال کے جو محاصل وصول کرتے وقت اللہ سے ڈرتے رہے اور جنہوں نے امانت ادا کر دی یعنی جو کچھ وصول کیا تھا، اسے امانت داری کے ساتھ بیت المال میں جمع کروا دیا۔[2]

جناب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ایسا مسلمان خازن جو محاصل وصول کرنے کے لئے متعین کیا جائے اور وہ وصول شدہ تمام محاصل مکمل طور پر امیر کے سامنے جمع کرا دے تو ایسا شخص بھی ایک طرح سے صدقہ کرنیوالا ہے۔"[3]

اس سلسلے میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا طریق کار یہ تھا کہ مختلف علاقوں میں متعین کئے جانے والے عہدیداروں کو خصوصی ہدایات دیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں عہدِ نبوی سے ملتی ہیں کہ آپ کسی عامل یا عہدہ دار کو کسی جگہ متعین فرماتے تو پیدل چل کر شہر کے باہر تک اس کے ساتھ جاتے، اس دوران اسے ہدایات دیتے تھے۔ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کی جانب متعین فرمایا۔ میں جب روانہ ہوا تو آپ نے مجھے واپس بلایا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کچھ بھی لوگے وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا۔ بس میں نے تمہیں یہی بتلانا تھا، اب اپنے کام پر جا کر لگ جاؤ۔"[4]

(1) منذری، الترغیب والترھیب، ص:80

(2) ایضاً،

(3) صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب اجر الخازن الامین والمرأۃ، رقم الحدیث:2363

(4) جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی ھدایا الامراء، رقم الحدیث:1335

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو داود میں ہے کہ ایک صحابی ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے عامل بناکر بھیجنا چاہا اور فرمایا:"ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت کے طور پر لیا ہو گا۔" ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ "میں ایسا عہدہ نہیں لینا چاہتا" آپ ﷺ نے فرمایا:"پھر میں بھی جبراً تمہیں نہیں بھیجتا"[1]

اسی طرح کی ایک روایت جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایسا نہ ہو کہ تو بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے جسے تو نے خیانت میں لیا تھا۔ میں نے کہا: پھر تو میں اس طرح کا عہدہ لینے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ پھر آپ نے مجھے اس عہدہ پر متعین فرمانے پر اصرار نہیں فرمایا۔"[2]

اسی طرح کی ایک روایت طبرانی میں جناب عبادۃ رضی اللہ تعالی عنہ بن صامت کے بارے میں بھی ہے۔[3]

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اللہ فرماتے ہیں کہ تین بندے ایسے ہیں جن کے میں مدمقابل ہو کر ان سے لڑوں گا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی چیز (منصب وغیرہ) عطا کیا گیا اور اس نے اس میں بددیانتی کی۔"[4]

اسلامی ریاست میں مالیاتی امور کے بارے میں خصوصی طور پر احتیاط سے کام لیا جاتا ہے کیونکہ اگر اس شعبے میں ذرّہ برابر بھی بے احتیاطی سے کام لیا جائے تو ایک طرف ملکی خزانہ غلط طور پر خرچ ہو جاتا ہے دوسری جانب بدعنوانیاں جنم لیتی ہیں۔ تقسیم دولت کا سلسلہ غیر متوازن ہو جاتا ہے اور لوگ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مالیات کے معاملے میں اسلام کس قدر احتیاط سے کام لیتا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے کے مذاہب میں سرکاری آمدنی کے ذرائع یعنی کن کن چیزوں پر محصول لیا جائے، اس کی تفصیل تو ہمیں ملتی ہے۔ لیکن انہیں کن کن مدات میں خرچ کیا جائے، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان مذاہب میں اس شعبے کو حکمران کی

(1) ابو داؤد، السنن، کتاب الامارۃ، باب فی غلول الصدقہ، رقم الحدیث:2947

(2) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1/422، زیر آیت آلعمران:161، (ماکان لنبی ان یغل...)

(3) الترغیب والترھیب، باب الترغیب فی العمل علی الصدقۃ، 2/82

(4) ایضا، 4/415

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ ٹیکسوں کی اس آمدنی کو وہ جس طرح چاہے خرچ کرے اور عام طور پر حکمران اپنی ذات پر اور فضول خرچیوں اور عیاشیوں پر خرچ کیا کرتے تھے۔[1]

ڈاکٹر حمید اللہ مزید لکھتے ہیں:

"میرے علم میں قرآن کریم وہ پہلی دینی کتاب ہے جس میں آمدنی کے وسائل کے متعلق بہت کم تفصیل ملتی ہے لیکن اسے خرچ کرنے سے متعلق انتہائی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔"[2]

اسلام سے پہلے مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کے مصارف کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ موجود نہ تھا۔ رئیس قبیلہ غنیمت وغیرہ کے محاصل کے خرچ کرنے میں تمام اختیارات کے مالک ہوتے۔ عموماً کل محاصل کے چوتھائی حصے کا مالک رئیس ہوتا تھا۔ اس میں وہ تمام قیمتی اشیاء خود رکھ لیتا۔ تقسیم کے بعد جو کچھ بچ رہتا یا بچا لیا جاتا، وہ اس کے قبضے میں آجاتا۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں یہ طریق کار بھی موجود تھا کہ جو شخص کوئی مال لوٹتا، وہ اسی کا ہو جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے اس نظام میں مثبت اور دیرپا تبدیلیاں کیں۔ آپ نے مالِ غنیمت کو فوج میں باقاعدہ ضابطے کے مطابق تقسیم کرنے کا اصول رائج فرمایا۔ یہ اصول نہایت عادلانہ تھے۔ کسی فرد کی بجائے حاصل ہونے والے مال کو اجتماعی ملکیت قرار دیا۔ غنیمت، فئے، زکوٰۃ، خراج، جزیہ اور دیگر محاصل اسی انداز سے تقسیم کئے جاتے کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا اور یہی اُصول آپ کے بعد بھی مستقل طور پر تقسیم دولت کے اصول بن گئے۔

نبی کریم ﷺ نے محاصل کے نظام کو بڑی احتیاط کے ساتھ منظم فرمایا۔ آپ کے مبارک عہد میں آپ کے پاس وفود آتے تھے۔ جانے والے وفود کو خرچہ دیا جاتا تھا۔ مختلف علاقوں سے سالانہ محاصل وصول ہو رہے تھے۔ جزیہ و خراج بھی مل رہا تھا۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھی باقاعدہ نظام نافذ ہو چکا تھا۔ مملکت کا نظام چلانے کے لئے دیگر اخراجات بھی تھے۔ ان حالات میں یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ نے باقاعدہ بیت المال کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ آپ نے مسجد نبوی سے متصل ایک کمرے کو بیت المال کے طور پر مختص فرما رکھا تھا۔ اس کمرے کی خصوصی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس کمرے میں رقم اور اجناس رکھی جاتی تھیں۔ جناب بلال رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی پر مامور تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس کمرے کو پہلا بیت المال اور جناب بلال رضی اللہ عنہ کو پہلے وزیر مال قرار دیتے ہیں۔[3]

[1] حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1981ء ص: 336

[2] ایضاً، ص: 183

[3] ایضا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالیات و محاصل کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ قواعد و ضوابط رائج فرمائے۔ ان قواعد سے افسرانِ مالیات کو باقاعدہ آگاہ کیا جاتا تھا اور ان پر بڑی سختی سے عمل کروایا جاتا۔ باقاعدہ طور پر ان ہدایات پر عمل درآمد کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس طرح کی ہدایات میں یہ باتیں شامل ہوتی تھیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے خود چل کر زکوٰۃ دینے والے کے پاس جائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سرکاری ملازم خود زکوٰۃ کا مال دیکھ سکے گا اور کسی بھی طرح کی بدعنوانی مثلاً زکوٰۃ کا مال چھپانے کی بنیاد ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ ہدایت بھی تھی کہ زکوٰۃ میں چھانٹی کا مال نہ لیا جائے، نہ ہی گھٹیا مال وصول کیا جائے۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے والوں کو بھی ہدایات جاری کی جاتی تھیں۔ زکوٰۃ لینے اور دینے والے سبھی شرعی اُصولوں سے آگاہ کر دیئے گئے تھے اور یوں زکوٰۃ دینے والوں کی لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے استحصال کی راہیں بند کر دی گئیں۔ [1]

زکوٰۃ عائد کرنے کا نصاب اور دیگر مسائل بالکل واضح اور شریعت کے اَحکام تھے، اس لئے زکوٰۃ کی رقم کے تعین (Fixation) کے بارے میں بھی کسی طرح بھی کسی ایک فریق کو دھوکہ دینے یا دھوکہ کھانے کی گنجائش اور اِمکان موجود نہ تھا۔ اس طرح مالیات کے بارے میں کسی بدعنوانی کے آغاز کا امکان خود بخود ہی ختم ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تربیت نے ہر شخص کو اتنی جرأت عطا کر دی تھی کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتا تو وہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اہلکار کی ہر کارروائی پر اس سے سوال کر سکتا تھا اور عدالتِ نبوی تک رسائی کر سکتا تھا۔ اس ماحول میں کسی طرح کی بدعنوانی ممکن نہ تھی۔

نبی کریم ﷺ کی معاشی پالیسی کا ایک سنہرا اصول یہ تھا کہ حاصل ہونے والی آمدنی اور اجناس آپ بیت المال میں جمع کر کے رکھا نہیں کرتے تھے بلکہ فوری طور پر اعلان فرما دیتے کہ مستحق لوگ آ کر اپنا اپنا حق وصول کر لیں۔ [2]

بہت سے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو اس وقت تک سکون نہیں آتا تھا جب تک کہ بیت المال میں آنے

(1) یہ اصول و ضوابط حدیث کی ہر کتاب میں کتاب الزکوٰۃ کے تحت بیان ہوئے ہیں مثلاً مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ارضاء الساعی مالم یطلب حراما، اور باب ارضاء السعادۃ۔

مزید دیکھیں: نور محمد غفاری، ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص: 235 تا 241

(2) اس سلسلے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں: وإن سیاسة الرسول ﷺ کانت تقضي بتوزیغ المال لبنورة إن جاء غدوة لم ینقف النهار أو عشیة لم یبت حتیٰ یقسمه ذهبي، دول الاسلام في تاریخ، 1/8

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والا مال مستحق لوگوں تک پہنچا نہیں دیتے تھے۔[1]

آپ کے اس طریق کار کی ایک حکمت تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپ ارتکازِ دولت کی بجائے دولت کے پھیلانے کو پسند فرماتے تھے۔ دوسری حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ جلد از جلد اس مال کو تقسیم کر کے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے فارغ ہونا چاہتے ہوں اور آپ چاہتے تھے کہ حق، جلد از جلد حقدار تک پہنچ جائے۔

بیت المال کی نگرانی نبی کریم ﷺ کو بہت مقدم تھی۔ ایک دفعہ رئیس فدک نے غلے سے لدے ہوئے چار اونٹ آپ کی خدمت میں بھیجے۔ اسے فوری طور پر تقسیم کیا گیا لیکن کچھ بچ رہا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو پھر آج گھر نہیں جاؤں گا۔ آپ نے رات مسجد میں ہی بسر فرمائی۔ جب اگلے روز جناب بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے خبر دی کہ سارا مال تقسیم ہو گیا ہے تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔[2]

نبی کریم ﷺ نے محاصل کی تقسیم کے سلسلے میں ہمیشہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھ قریبی تعلق رکھنے والے کسی بھی فرد کو کبھی محاصل وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی۔ طبقات ابن سعد، کتاب الخراج، زاد المعاد، فتوح البلدان وغیرہ میں ان لوگوں کے اسمائے گرامی یکجا کئے گئے ہیں جو عہد نبوی میں وصولی کے کام پر متعین کئے جاتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا تعلق خاندانِ نبوت سے ہو۔[3]

بلکہ آپ کے خاندان میں سے اگر کسی نہ کسی موقع پر اس خواہش کا اظہار کیا بھی کہ اسے مالیات کے شعبے میں کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو آپ نے دوٹوک انداز میں انکار فرما دیا کہ صدقات کے مال آلِ محمد ﷺ کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں کے اَموال کی میل کچیل ہوتی ہے۔

ربیعہ بن حارث سے روایت ہے انہوں نے عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہمیں صدقات جمع کرنے پر عامل مقرر کر دیں۔ اتنے میں جناب علی رضی اللہ تعالی عنہ آ گئے اور ہم اس حال میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تم دونوں میں سے کسی کو عامل مقرر نہیں فرمائیں گے۔ پھر عبد المطلب بن ربیعہ کہتے ہیں کہ پھر میں اور فضل دونوں مل کر چلے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: "صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے وہ محمد ﷺ اور ان کی آل کے لئے جائز نہیں ہے۔"[4]

(1) مزید تفصیل اور مطالعہ کے لیے: ڈاکٹر نور محمد غفاری کی کتاب نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص:277،278

(2) ابو داؤد، باب قبول ھدایا المشرکین، رقم الحدیث:3055

(3) ڈاکٹر نور محمد غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص:236

(4) سنن نسائی، کتاب الزکوۃ، باب استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقۃ، رقم الحدیث:2614

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دراصل اگر انہیں اس شعبے میں کوئی ذمہ داری سونپی جاتی تو ان کا معاوضہ انہیں حاصل شدہ محاصل سے ادا کیا جاتا۔ آپ نے یہ بات گوارا نہیں فرمائی کہ زکوٰۃ وغیرہ سے آپ کے خاندان کے کسی فرد کو کسی بھی انداز سے بلا واسطہ یا بالواسطہ کچھ حاصل ہو۔

نبی کریم ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ مالِ غنیمت آنے کے بعد جناب بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم فرماتے کہ وہ اعلان کر دیں کہ جس جس کے پاس جو کچھ بھی ہو، وہ لے کر مسجد نبوی میں جمع کروادے۔[1]

گویا یہ اعلان ہوتا تھا کہ غنیمت کا مال اجتماعی مال ہے، اس پر کسی کا ذاتی حق نہیں ہے۔ جنگِ بدر کے موقع پر لوگوں نے مال غنیمت انفرادی طور پر اکٹھا کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ مال سرکاری خزانے میں جمع کروایا اور اسے سب لوگوں میں برابر تقسیم کر دیا۔[2]

ملکی خزانے کو امانت سمجھنے کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ذات سے نہایت عمدہ مثال پیش فرمائی۔ آپ نے ایک موقع پر زمین سے بکری یا اونٹ کا ایک بال پکڑا اور فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو مال اللہ نے تمہیں دیا، اس میں میرا حصہ پانچویں حصے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور یہ پانچواں حصہ بھی تمہارے ہی واسطے ہے۔[3]

یعنی اسے محتاجوں اور غرباء میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ مالِ فئے اور مالِ غنیمت کے بارے میں قرآن مجید کی آیات کے تحت تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ ان میں سے جو حصہ آپ کو شرعی اور قانونی طور پر حاصل ہوتا، آپ اسے بھی اپنی ذات سے زیادہ محتاجوں پر خرچ کرتے تھے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلاَ أَنْ أَتْرُكَ آخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ، مَا فُتِحَتْ عَلَيَّ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ وَلَكِنِّي أَتْرُكُهَا خِزَانَةً لَهُمْ يَقْتَسِمُونَهَا»[4]

(1) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی تعظیم الغلول، رقم الحدیث: 2712

(2) صفی الرحمن، مبارکپوری، مولانا، الرحیق المختوم، ص: 310

(3) ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام لیتاثر بشیء من الفيء لنفسه، جلد سوم، ص: 82، رقم الحدیث: 2755،

(4) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر، رقم الحدیث: 4235؛ نور محمد غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص: 278، 282؛ خالد علوی ڈاکٹر، انسان کامل، ص: 465، 472

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرزمین عراق کو مصالح عامہ کے لیے وقف کر دیا۔

مخیریق جو بنو قینقاع کے ایک یہودی تھے، نے یہ وصیت کر رکھی تھی کہ ان کی وفات کے بعد سات باغات جو ان کی ملکیت تھے، نبی کریم ﷺ کے لئے وقف ہوں گے۔ ان کی وفات کے بعد یہ باغات نبی کریم ﷺ کے قبضے میں آئے۔ لیکن آپ نے یہ باغات وقف فرما دیئے اور ان کی آمدنی غربا و محتاجوں کو ملنے لگی۔[1]

آپ کی ذاتی اور گھریلو زندگی بھی سادگی کا نمونہ تھی۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ اور آپ کے اہل بیت تین دن تک متواتر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھا سکتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

"اہل بیت حضرت محمد ﷺ پر ایک چاند سے گزر کر دوسرا چاند آجاتا اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا۔ اس دوران ہمارا گزر اوقات کھجور اور پانی پر ہوتا۔"[2]

جو چیز استعمال کرنی جائز نہیں ہے، اس کے بارے میں بھی نبی کریم ﷺ نے نہایت محتاط اسوۂ حسنہ پیش فرمایا۔ جناب انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور پر سے گزرے۔ فرمایا:

"اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقے میں سے ہوگی تو میں اسے کھا لیتا۔"[3]

ایک موقع پر جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس وقت ابھی بچے تھے) نے خشک کرنے کے لئے پڑی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی۔ مگر آپ نے یہ چبائی ہوئی کھجور منہ سے نکلوائی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس بچے کو یہ کھجور کھا لینے دیتے تو اس میں کیا حرج تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "محمد ﷺ کے خاندان کے لئے صدقہ کھانا حلال نہیں ہے۔"[4]

آپ کو اگر کوئی چیز پیش کی جاتی تو آپ پوچھتے کہ یہ صدقہ یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتی تو استعمال فرماتے ورنہ ہاتھ آگے نہ بڑھاتے۔[5]

(1) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، 2/140
(2) جامع ترمذی، کتاب الزہد، باب معیشۃ انبیاء، 4/580...؛ بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی، 6/311
(3) صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب تحریم الزکوۃ علی رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(4) الھیثمی، مجمع الزوائد، منبع الفوائد، 3/90، باب الصدقۃ
(5) جامع ترمذی، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی کراھیۃ الصدقۃ، رقم الحدیث: 656

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض روایات میں یوں آتا ہے کہ آپ کو ایک موقع پر کھجوروں کا ایک ٹوکرا پیش کیا گیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ صدقہ کی کھجوریں ہیں۔ جناب حسن رضی اللہ تعالی عنہ نے اس میں ایک کھجور کھالی۔ آپ نے منہ میں انگلی ڈال کر یہ کھجور اُگلوادی۔[1]

نبی کریم ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے یہ مثال پیش فرمادی تاکہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ آپ کا یہ محتاط رویہ آپ کا ذاتی جذبہ ایثار ہی نہ تھا بلکہ یہ رہتی دنیا تک کے حکمرانوں کے لئے ایک مثال تھی کہ مالی بے قاعدگیوں کو روکنے کے لئے سب سے پہلے حکمران کو اپنی مثال پیش کرنا ہوگی۔ آپ کی اس پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

"اگر سرکاری آمدنی حکمران کی آمدنی سمجھ لی جائے تو حکمران کے قریبی لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اگر یہ معلوم ہو کہ یہ دولت حکمران کے لئے حرام ہے تو ماتحت افسروں کو ذرا احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کہ حکمران ان کا محاسبہ کرے گا۔ اس لحاظ سے یہ نہایت اہم بات ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کی کسی اور قوم نے سرکاری آمدنی حکمران کی ذات کے لئے ممنوع قرار نہیں دی۔ یہ خصوصیت بھی صرف اسلام ہی کو حاصل ہے۔"[2]

نبی کریم ﷺ نے بیت المال کے بارے میں اس اعتبار سے بھی احتیاط کی پالیسی اختیار کی کہ صرف حقداروں کو ہی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما أعطيكم ولا أمنعكم إنما أنا قاسم أضع حيث أُمِرت»[3]

"میں خود نہ تمہیں کچھ دیتا ہوں نہ کسی چیز کو تم سے روکتا ہوں۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم دیا جاتا ہے، وہاں خرچ کرتا ہوں۔"

آپ نے لوگوں پر واضح فرمادیا تھا کہ ریاست کے خزانے میں جو کچھ ہے وہ لوگوں کی امانت ہے۔ آپ اس امانت کو حقداروں تک پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مانگا تو آپ نے فرمایا:

(1) جامع ترمذی، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی کراھیۃ الصدقۃ، رقم الحدیث:، ص:89
(2) حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص:336
(3) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قول اللہ تعالیٰ فان للہ خمسہ، رقم الحدیث:3117

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللہ نے زکوٰۃ کے مال کی تقسیم میں کسی کو حتیٰ کہ نبی کے دخل کو بھی پسند نہیں کیا بلکہ اس نے خود اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اب اگر تم ان آٹھ میں سے ہو تو میں تجھے تیرا حق دے دوں گا۔"(1)

آپ نے یہ سنہرا اصول دیا کہ مالیاتی عہدوں پر فائز لوگوں کے طرزِ عمل پر خصوصی نگاہ رکھی جائے اور انہیں اس بات کی ہر گز اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنی تنخواہ کے علاوہ رعایا سے کسی قسم کا ہدیہ قبول کریں۔ کیونکہ یہ بدعنوانی کا دروازہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے متعدد فرامین موجود ہیں کہ آپ نے عمال حکومت کے لئے حرام قرار دے دیا کہ وہ کوئی ہدیہ قبول نہ کریں۔ اس باب کا نام ہی "باب ھدایا العمال" ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن اللُّتْبِیة کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے۔ یہ بات سن کر آپ جلال میں آ گئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر اللہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اس تحصیلدار کا کیا حال ہے جسے میں (صدقات کی وصولی کے لئے) متعین کرتا ہوں پھر وہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتے کہ اسے کوئی ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ (یعنی اگر اس وقت بھی جب سرکاری کام نہ ہو کوئی ہدیہ دیا کرتا ہو تو اس کا ہدیہ کام کے بعد بھی درست ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس نے یہ ہدیہ دباؤ سے دیا ہو گا یا کسی اور ناجائز غرض کی خاطر دیا ہو گا) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ا کی جان ہے کوئی تم میں سے ایسا مال نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اسے لائے گا۔ اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہو گا تو وہ بڑبڑا رہا ہو گا۔ گائے ہو گی تو چلا رہی ہو گی۔ بکری ہو گی تو ممیا رہی ہو گی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور فرمایا: "یا اللہ! میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا دیا۔"(2)

(1) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب تحریم ھدایا العمال، رقم الحدیث:1832؛ ابوداؤد، سنن، کتاب الخراج الامارۃ، باب فی ارزاق العمال، رقم الحدیث:1173

(2) مسلم، کتاب الامارۃ، باب تحریم ھدایا العمال (اس باب میں سات ہم مضمون احادیث موجود ہیں) رقم الحدیث:1832..؛ ابوداؤد، سنن، کتاب الخراج الامارۃ، باب فی ارزاق العمال، رقم الحدیث:1173

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کے اندر اس بات کی تفصیل موجود ہے کہ انہوں نے خود آکر اس مال کی نشاندہی کر دی تھی اور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش فرمادیا تھا کہ یہ مال مجھے ملاہے اور یہ مال سرکار کا ہے۔اس سے ان کی بدنیتی کی بجائے نیک نیتی ظاہر ہورہی ہے۔کیونکہ اگر ان کی نیت میں کوئی خرابی ہوتی اور وہ یہ ہدایا چھپانا چاہتے ہوتے تو اس مال کا ذکر قطعاً نہ کرتے جو انہیں ذاتی حیثیت میں ملا تھا۔اصل بات یہ تھی کہ لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت تھی اور وہ اسی بناپر انہیں ہدایا اور تحائف دینا باعثِ ثواب سمجھتے تھے۔یہ تحائف دینے والوں نے بھی اسی نیت سے دیئے تھے او رلینے والے کی نیت بھی صاف تھی۔لیکن نبی کریم ﷺ نے نیت کے مسئلے سے قطع نظر آئندہ کے لئے کسی طرح کی بدعنوانی کے انسداد کے لئے ہر سوراخ کو بند فرمادیا۔[1]

ابوداود میں مالیات کی وصولی پر مامور عہدہ داروں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:

«من استعملناه على عمل فرزقناه رزقا فما أخذ بعد ذلك فهو غلول»[2]

"ہم نے جسے کسی جگہ کا عامل مقرر کیا اور اس کے کام کا معاوضہ بھی مقرر کر دیا اگر وہ اس معاوضے سے زائد جو حاصل کرتا ہے تو یہ ناجائز آمدنی ہے۔"

مسند احمد میں بھی ایسی روایت موجود ہے کہ عاملین محاصل کو جو تحائف ملیں، وہ خیانت میں شامل ہیں۔[3]

مسند احمد میں ہی روایت ہے کہ

"ایک روز نبی کریم ﷺ جنت البقیع کے قبرستان میں سے گزر رہے تھے کہ ایک قبر والے کے بارے میں فرمایا کہ "تم پر افسوس ہے" پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ اس قبر والے کو ایک مرتبہ عامل مقرر کیا گیا تھا، اس نے اس میں سے ایک چادر خیانت کے طور پر لے لی۔اب وہ چادر اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔" یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[4]

مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے:

«من كان لنا عاملاً فليكتسب زوجة فإن لم يكن خادم فليكتسب خادما فإن لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا. قال: قال أبوبكر أخبرت أن النبى قال من اتخذ

[1] نور محمد غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص137

[2] ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج الامارۃ، باب فی ارزاق العمال، جلد سوم، ص:134، رقم الحدیث:2943

[3] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1/422، زیر آیت (ماکان لنبی ان یغل)(آل عمران:161)

[4] ایضاً، 1/422

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر ذلك فهو غال أو سارق»[1]

”جنہیں ہم عامل مقرر کریں، اسے چاہئے کہ ایک بیوی رکھ لے۔ اگر اس کے پاس کوئی خدمتگار نہ ہو تو ایک خدمتگار رکھ لے۔ اگر اس کے پاس رہائش گاہ نہ ہو تو ایک رہائش گاہ رکھ لے۔ مستورد کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم اسے سنا ہے کہ اگر کسی عامل نے اس سے زائد حاصل کیا تو وہ خائن ہے یا چور ہے۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں سواری کا بھی ذکر ہے کہ اگر سواری نہ ہو تو سواری بھی لے لے۔[2] اسی طرح عدی بن عمیرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«من استعملناه منكم على عمل فكتمنا مخيطا فما فوقه كان غلولاً يأتي يوم القيامة قال فقام إليه رجل أسود من الأنصار كأني أنظر إليه فقال يارسول الله أقبل عني عملك قال وما لك قال سمعتك تقول كذا و كذا قال وأنا أقوله الآن: من استعملناه منكم علىٰ عمل فيجيء بقليل و كثيره فما أوتي منه أَخَذَ وما نُهي عنه انتهى»[3]

”اگر ہم کسی کو کسی کام کے لئے متعین کریں پھر وہ اس میں سے ایک سوائی یا اس سے زیادہ چھپا رکھے تو وہ غلول (خیانت) ہے۔ اسے وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا۔ یہ سن کر سانولے رنگ کا ایک انصاری شخص کھڑا ہوا کہ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ آپ نے جو کام مجھے سونپا ہے، آپ مجھ سے واپس لے لیجئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ (کہ یہ کام واپس کر رہے ہو) اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے آپ ایسے ایسے فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اب بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ جسے ہم کسی کام کے لئے متعین کریں، اسے جو کچھ ملے، وہ تھوڑا ہو یا زیادہ سب کچھ لے کر (بیت المال میں) آئے۔ پھر اسے اس کام کے معاوضے کے طور پر جو کچھ ملے، وہ لے لے اور جو نہ ملے اس سے باز رہے۔“

مسند احمد میں جناب عبد اللہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مالِ غنیمت کے اونٹ کی

(1) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی ارزاق العمال، رقم الحدیث:2945

(2) ابن کثیر، 1/ 421

(3) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب تحریم الھدایا العمال، رقم الحدیث:1833؛ابو داود، کتاب الاقضیہ، باب فی ھدایا العمال، رقم الحدیث:3581

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پیٹھ کے چند بال پکڑتے پھر فرماتے کہ میرا بھی اس میں وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا۔[1] ابن مردویہ کے حوالے سے ابن کثیر نے روایت نقل کی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلتا جائے لیکن تہہ تک نہیں پہنچتا۔ خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینکا جائے گا۔ پھر خیانت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ جا اسے جا کر لے آ۔[2]

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز کھڑے ہوئے تاکہ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے غنیمت کے مال میں چوری کرنے کو بڑا گناہ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ آئے اور اس کی گردن پر ایک اونٹ بلبلا رہا ہو اور کہتا ہو کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیں اور میں اسے کہوں کہ مجھے کچھ اختیار نہیں ہے... (پھر فرمایا) کہ میں تم میں سے نہ پاؤں قیامت کے دن کہ وہ میرے پاس آئے، اپنی گردن پر ایک گھوڑا لادے ہوئے ہو جو ہنہنا رہا ہو اور کہے یا رسول اللہ ﷺ میری مدد کیجئے! میں کہوں کہ مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو تجھے بتا چکا تھا کہ چوری کی بہت بڑی سزا ہے۔ پھر تو نے کیوں چوری کی۔ (پھر آپ نے فرمایا کہ) میں نہ پاؤں تم میں سے کسی کو کہ قیامت کے روز میرے پاس آئے اور اپنی گردن پر ایک بکری اٹھائے ہوئے ہو جو ممیا رہی ہو اور کہے کہ یا رسول اللہ ﷺ میری مدد کیجئے اور میں کہوں کہ مجھے کوئی اختیار نہیں (کہ تجھے اس جرم کی سزا سے بچا سکوں) میں نے تو تجھے چوری کی سزا کے بارے میں اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن کسی کو نہ پاؤں کہ وہ کسی جان کو اُٹھائے ہوئے ہو جو چلا رہی ہو (کہ اس نے اس جان کو تلف کیا تھا) پھر کہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے۔ میں کہوں کہ مجھے تجھے چھڑانے کا اختیار نہیں ہے میں تو تجھے اللہ کا حکم پہنچا چکا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کے روز کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اپنی گردن پر کپڑوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو جو اس نے اوڑھے ہوں (اور جنہیں اس نے چرایا تھا) یا کاغذ کے چند ٹکڑے اٹھائے ہوئے آئے جن پر وہ حقوق لکھے ہوں جو اس کے ذمہ تھے یا اور چیزیں جو ہل رہی ہوں جنہیں اس نے دنیا میں چرایا تھا۔ پھر مجھے کہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے اور

(1) تفسیر القرآن العظیم، 1/422

(2) ایضاً، ص: 423

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اسے کہہ دوں کہ میں تو اس سلسلے میں تمہیں اللہ کا حکم پہنچا چکا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اس حالت میں میرے پاس آئے کہ اپنی گردن پر سونا چاندی وغیرہ کا بوجھ اٹھائے ہو اور کہے کہ یارسول اللہ ﷺ میری مدد کیجئے اور میں کہہ دوں کہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں تو تمہیں اللہ کا حکم پہنچا چکا تھا۔"[1]

سنن ابو داود میں جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:

" ہم خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ غنیمت میں سونا اور چاندی حاصل نہیں ہوا بلکہ کپڑے اور مال واسباب ملا۔ آپ جب وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کو ایک حبشی غلام 'مدعم' نامی ہدیہ میں دیا گیا۔ مدینہ واپس پہنچ کر یہ شخص آپ کے اونٹ کا پالان اتار رہا تھا کہ اچانک اسے ایک تیر لگا اور وہ مر گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے لئے جنت مبارک ہو۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ کمبل جس کو اس نے خیبر کی لڑائی کے مالِ غنیمت میں چرایا تھا، آگ بن کر اس پر لپٹ کر جل رہا ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص ایک یا دو تسمے آپ کے پاس لے کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک یا دو تسمے آگ کے تھے۔"[2]

غنیمت کا مال چرانا تو دور کی بات ہے، آپ نے تو اس بات سے بھی منع فرمادیا کہ غنیمت کے کسی جانور کو وقتی طور پر سواری کے لئے استعمال نہ کیا جائے، نہ ہی کوئی کپڑا پہنا جائے، سنن ابو داود میں فرمانِ نبوی ہے، فرمایا:

«من كان يؤمن بالله وباليوم الاخر فلا يركب دابة من فئ المسلمين حتىٰ إذا اعجفها ردّها فيه ومن كان يؤمن بالله وباليوم الاخر فلا يلبس ثوبا من فئ المسلمين حتىٰ إذا خلفه ردّه فيه»[3]

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے مال میں سے کسی

(1) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب غلظ تحریم الغلول (اس جگہ اس موضوع کی چار احادیث موجود ہیں)، رقم الحدیث:1831

(2) ابوداوٗد، السنن، کتاب الجھاد، باب فی تعظیم الغلول، رقم الحدیث:2711، (المکتبۃ العصریہ، مصر

(3) ایضاً، کتاب الجھاد، باب فی الرجل ینتفع من الغنیمۃ شیئ، رقم الحدیث:2708؛ جامع ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغلول، رقم الحدیث:1572

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانور پر سوار نہ ہو کہ اسے دبلا پتلا کر کے غنیمت میں واپس لوٹا دے اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہو تو مسلمانوں کے مال میں سے کوئی کپڑا نہ پہنے حتیٰ کہ کپڑے کو پرانا کر دے اور غنیمت کے مال میں واپس کر دے۔"

اس حدیثِ مبارکہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ اگر سواری کے جانور کے دبلے پتلے ہو جانے اور پہننے کے کپڑے کے پرانا ہو جانے کا خدشہ نہ ہو تو اس جانور اور کپڑے کو استعمال کرنا جائز ہے۔ بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ سواری کرنے کا مطلب یہی ہے کہ جانور کمزور ہو جاتا ہے اور کپڑے پہننے سے پرانے ہو جاتے ہیں لہٰذا نہ جانور استعمال کرو، نہ کپڑا پہنو۔

نبی کریم ﷺ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں بھی منقول ہیں کہ آپ نے ایسے شخص کے لئے جنت کی بشارت سنائی ہے جو کسی منصب پر فائز کیا گیا اور اس نے کسی مالی بد دیانتی کا ارتکاب نہیں کیا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "جو شخص فوت ہوا اور وہ تین باتوں سے پاک ہے تو وہ شخص جنت میں داخل ہوا۔ یہ تین باتیں تکبر، مالی بد دیانتی (غلول) اور قرض ہیں۔ ان تین باتوں میں آخری دو کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے اور حقوق العباد میں مداخلت کرنے والے کے لئے ویسے بھی حکم یہ ہے کہ صرف متاثرہ شخص کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوتے ہیں اور جب تک وہ معاف نہ کرے، کوئی شخص خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ گویا مال غنیمت میں بد دیانتی کرنے والے کے لئے دونوں طرح سے وعید سنائی گئی ہے کہ وہ جہنم کا مستحق بھی ٹھہرایا گیا اور جنت سے بھی محروم قرار دیا گیا۔ عبد اللہ بن مغیرہ سے روایت ہے:

«أن رسول الله ﷺ أتى الناس في قبائلهم يدعو لهم وأنه ترك قبيلة من القبائل قال وإن القبيلة وجدوا في بردعة رجل منهم عقد جزع غلولا فأتاهم رسول الله ﷺ فكبر عليهم كما يكبر على الميت»[1]

"نبی کریم ﷺ لوگوں کی جماعتوں کے سامنے تشریف لائے تو سب جماعتوں کے لئے آپ نے دعا فرمائی مگر ایک جماعت کے لئے دعا نہیں فرمائی۔ کیونکہ اس جماعت میں ایک شخص ایسا تھا جس کے پاس سے ایک کنٹھا نکلا تھا۔ جب آپ اس جماعت کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس طرح تکبیر کہی جیسے جنازے پر کہتے ہیں۔"

[1] مؤطا امام مالک، باب ما جاء في الغلول، 1 / 345

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ نے لوگوں پر واضح فرما دیا کہ غنیمت کے مال میں بددیانتی بہت بڑا جرم ہے۔ یہ مالی بدعنوانی بھی ہے، چوری بھی۔ یہ اخلاقی جرم بھی ہے اور قومی جرم بھی۔ یہ دھوکہ دہی بھی ہے اور حقوق العباد اور حقوق اللہ میں مداخلت بھی۔ اخلاقی اعتبار سے بھی اس جرم کے بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: "جو قوم غنیمت کے مال میں بددیانتی کرتی ہے، ان کے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔" طبرانی میں اس روایت کا رفع رسول اللہ تک موجود ہے۔[1]

جناب سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

"جو شخص غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپائے۔ یعنی امام کے سامنے ظاہر نہ کرے کہ فلاں شخص نے خیانت کی ہے تو وہ بھی خیانت کرنے والے جیسا ہے۔" یعنی گناہ میں برابر کا شریک ہے۔[2]

نبی کریم ﷺ نے مالی بدعنوانیوں کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ آپ نے حکمران کو منع فرما دیا ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ تجارت نہ کرے۔ فرمایا:

«إِنَّ أَخْوَنِ الْخِيَانَةِ تجارة الوالى فى رعيته»[3]

"بدترین خیانت یہ ہے کہ والی اپنی رعایت کے ساتھ تجارت کرے۔"

اس کا سبب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے والی اپنے منصب کے بل بوتے پر لوگوں کو متاثر کرے اور ناجائز مراعات حاصل کرے۔

مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا:

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم دیکھو کہ کسی نے مالِ غنیمت کے مال میں سے چوری کی ہے تو اس کا سامان جلا ڈالو اور اسے مارو" راوی نے بتایا کہ اس شخص کے سامان میں ایک مصحف (قرآن مجید کا نسخہ) بھی تھا......... یہ مصحف بیچ ڈالا گیا اور اس کا

(1) مؤطا امام مالک، باب ماجاء فی الغلول، 1 / 346

(2) ابوداؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب النبی عن الستر علی من غل، 3/70، حدیث 2716

(3) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (الخيانة)، 3/468، رقم الحدیث: 7466، علامہ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہدیہ اللہ کی راہ میں کسی کو دے دیا گیا۔[1]

ابو داود میں اس سلسلے میں مزید روایات بھی ہیں۔ایک روایت میں راوی کا بیان ہے کہ ہم نے ولید بن ہشام بن عبد الملک بن مروان کے ساتھ جہاد کیا اور ہمارے ساتھ سالم بن عبد اللہ بن عمر اور عمر بن عبد العزیز بھی تھے۔ ایک شخص نے مالِ غنیمت میں سے چوری کی۔ولید نے حکم دیا کہ اس کا سامان جلاڈالا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔پھر اس شخص کو لوگوں میں پھرایا گیا اور مالِ غنیمت میں سے اس کا اپنا حصہ بھی نہ دیا گیا۔ابو داود لکھتے ہیں کہ یہ روایت بہت صحیح ہے اور اسے بہت سے اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔اسی جگہ ابو داود میں یہ روایت بھی ہے کہ ولید نے زیاد بن سعد کا سامان بھی جلاڈالا۔کیونکہ اس نے بھی مالِ غنیمت میں سے چوری کی تھی۔اسی جگہ ایک اور سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور جناب عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان جلاڈالا۔اسے مارا گیا اور اسے غنیمت میں سے اس کا حصہ بھی نہ دیا گیا۔[2]

اس روایت کے بارے میں امام علیؒ بن مدینی اور امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ جناب سالم کا اپنا فتویٰ ہے۔جناب امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے ساتھیوں، اسی طرح جناب حسن رضی اللہ تعالی عنہ اور جناب علی رضی اللہ تعالی عنہ کا یہی نقطہ نگاہ ہے۔جناب علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اسے کچھ سزا بھی دی جائے اور مالِ غنیمت میں سے اس کا حصہ بھی اسے نہ دیا جائے۔[3]

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور ائمہ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اس کا سامان جلایا نہ جائے، صرف اس کے جرم کے مطابق اسے تعزیر کے طور پر سزا دی جائے۔امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے میں شرکت نہیں فرمائی لیکن اس کا سامان جلایا نہیں۔[4] خود ابو داود نے بھی باب قائم کیا ہے کہ جب کوئی غنیمت میں سے حقیر سی چیز چرائے تو مال جلایا نہ جائے۔[5]

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ غلول یعنی غنیمت کے مال میں سے چوری کرنا حرام

(1) ابو داود، السنن، کتاب الجہاد، باب عقوبۃ الغال، 3/69، رقم الحدیث:2713-2715
(2) ایضاً، رقم الحدیث:2714
(3) ایضاً، رقم الحدیث:2715
(4) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء الحوائج بنفسہ، مزید باب مرض النبیا، رقم الحدیث:1728
(5) ابو داود، السنن، باب فی الغلول اذا کان یسیرا یترکہ الامام ولا یحرق رحلہ، رقم الحدیث:2712

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کبیرہ گناہ ہے۔ اگر چرایا ہے تو اسے واپس کر دے۔ اگر لشکر بکھر جائے اور یہ مال حقداروں میں تقسیم کرنا ممکن نہ ہو تو اس میں علما کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مال امام کے سپرد کر دیا جائے، اس میں علما کا ایک گروہ ان کا ہم نوا ہے۔ البتہ جناب ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ، ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ، معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اور حسنؒ، زہریؒ، اوزاعیؒ، مالکؒ، ثوریؒ، لیث بن سعدؒ اور امام احمدؒ اور جمہور علما کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ (خمس) امام کو ادا کر دیا جائے اور باقی کا صدقہ کر دیا جائے۔ چرانے والے کو امام جس طرح کی سزا چاہے دے لے، لیکن اس کا مال واسباب اور گھر جلایا نہ جائے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی نقطہ نگاہ ہے۔ مکحولؒ، حسنؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک اس کا گھر اور اسباب سب جلا دیا جائے گا۔ صرف ہتھیار اور جو کپڑے اس نے پہنے ہوں، وہ نہیں جلائے جائیں گے۔[1]

مالِ غنیمت میں سے جو شخص کوئی چیز چراتا ہے اسے 'غال' (خائن) اور اس فعل کو 'غلول' (خیانت) کہا جاتا ہے۔ غالّ کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اس کا جنازہ نبی کریم ﷺ نے نہیں پڑھا۔ زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک جہنی شخص فوت ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے اس شخص کی وفات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: «صلوا علی صاحبکم» (یعنی اپنے ساتھی کا جنازہ 'تم خود ہی' پڑھو) آپ کی بات سن کر لوگوں کے چہرے متغیر ہوگئے۔ یہ دیکھتے ہوئے آپ نے فرمایا: «إن صاحبكم غلّ من الغنيمة» (تمہارے ساتھی نے غنیمت کے مال میں سے کوئی چیز چرائی تھی)[2] امام احمدؒ نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور خود نہیں پڑھا، کہ امام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ 'غال' کی نمازِ جنازہ پڑھے۔ اس کے علاوہ باقی تمام لوگ جنازہ پڑھیں گے۔[3] یہ درحقیقت بددیانتی کے جرم کی شدت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

(1) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، (حاشیہ مترجم)، ص:123

(2) ابوداود، ابن ماجہ، نسائی اور موطا امام مالک میں اس روایت کا ذکر ہے، آپ نے فرمایا: "إن صاحبكم قد غل في سبيل الله" "تمہارے ساتھی نے اللہ کے مال میں سے بددیانتی کی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ بددیانتی صرف حقوق العباد میں غصب نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے حقوق میں بھی مداخلت ہے۔ روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب اس کا سامان کھولا گیا تو اس میں یہودیوں کے چند موتی (منکے) اس میں پائے گئے، ابوداود، السنن، کتاب الجهاد، باب في تعظيم الغلول، رقم الحدیث:2710-2711

(3) ابن قدامہ، المغنی، تحقیق الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی اور الدکتور عبدالفتاح محمد الحلو، 3/504

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ جمع کرنے والے کا ظالمانہ رویہ:

مالیاتی شعبے میں ایک اور شعبہ جس میں عام طور پر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہیں وہ مال جمع کرنے والوں کا عوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ ہے۔ یہ لوگوں سے محصول اور زکوٰۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو صاحبِ مکس کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو متعینہ شرح سے زیادہ ازراہِ زیادتی وصول کرتا ہے۔ ان لوگوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس وصول کرتے وقت اپنی ذاتی جیب کے لئے لوگوں سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ٹیکس دہندہ ان کا مطالبہ پورا کر دیتا ہے، اسے کسی نہ کسی طرح چھوٹ اور رعایت مل جاتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتے، ان کے لئے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ آج کے دور میں ان لوگوں کے طرزِ عمل کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو گی۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو سخت ترین الفاظ میں متنبہ فرمایا کیونکہ یہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ملکی خزانے کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا يدخل الجنة صاحب مكس»[1] (صاحبِ مکس جنت میں داخل نہیں ہو گا)

آپ ﷺ نے فرمایا: «إن صاحب المكس في النار»[2] (صاحبِ مکس آگ میں ڈالا جائے گا)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جناب داود علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ رات کے ایک حصے میں جاگتے اور عبادت کیا کرتے تھے... کیونکہ رات میں ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں جو دعا بھی کی جائے،[3] قبول ہوتی ہے۔ سوائے جادو کرنے والے اور ٹیکس وصول کرنے والے کے۔"

اس موضوع کی دیگر بھی کئی روایات موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ اس کی دعا کے مطابق اسے عطا کیا جائے۔ ہے کوئی تکلیف میں مبتلا کہ اس کو تکلیف سے نجات دی جائے۔ اس طرح کوئی ایسا مسلمان نہیں بچتا کہ اس کی دعا کو قبولیت حاصل نہ ہو۔ سوائے زانیہ عورت یا زیادتی سے محاصل وصول کرنے والے شخص کے کہ

(1) ابوداوٗد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی السعایہ علی الصدقۃ، رقم الحدیث:2937

(2) البانی، ناصر الدین البانی، سلسلہ احادیث صحیحہ، البیوع والکسب والزھد، رقم الحدیث:1147

(3) منذری، الترغیب والترہیب، باب لیستجاب الدعا من کل أحد الا الزانی والعشار: 87/2

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔

اس موضوع کی ایک روایت یوں ہے کہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے (مزید) قریب ہو جاتا ہے، ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، سوائے زانیہ اور زیادتی سے ٹیکس وصول کرنے والے کے۔[1]

جناب ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے اوپر ایسے حکمران اور عمال مقرر ہوں گے کہ ان کے ارد گرد شریر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ یہ لوگ نمازوں کو موٴخر کر دیں گے۔ تم میں سے جو کوئی ان کے زمانے میں موجود ہو تو نہ ان کا عریف (لوگوں کے حالات حکومت تک پہنچانے والا) بنے، نہ ان کا صاحب الشرطہ (پولیس مین) بنے اور نہ ان کے محاصل وصول کرنے والے محصلین بنیں، نہ ان کے خازن۔"[2]

ان احادیث میں جن لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو زکوٰۃ، عشر یا کوئی اور ٹیکس وصول کرتے وقت لوگوں کو ناجائز طور پر چھوٹ دینے کے لئے ان سے رشوت وصول کرتے ہیں اور جو لوگ رشوت نہیں دیتے، ان سے اصل سے زائد ٹیکس وصول کرتے ہیں یا کسی اور طریقے سے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ وہ لوگوں سے ان کے بہترین مال وصول نہ کریں۔ لیکن یہ لوگ آپ کی اس تلقین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ازراہِ ظلم ان کے بہترین مال وصول کرنے لگیں۔

نبی کریم ﷺ کی عریف کو تنبیہ:

اسی طرح کا ایک منصب جس سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور جو لوگوں پر ظلم و زیادتی کا باعث بن جاتا ہے "عریف" کہلاتا ہے۔ عریف ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو حاکم کی طرف سے رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت اپنی قوم کے مختلف افراد کا رویہ اور کردار رپورٹ کی صورت میں حاکم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ زیادہ گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے رشوت وصول کریں گے اور رشوت لے کر لوگوں کی غلط سلط رپورٹیں حکمران تک پہنچائیں۔ اس لئے اس طبقے کے بارے

(1) منذری، الترغیب والترہیب، 87/2

(2) ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں بھی آپ نے بڑا تنبیہی انداز اختیار فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

«أفلحت یا قُدَیْمُ إن مُتّ ولم تکن أمیرًا ولا کاتبًا ولا عریفًا»[1]

”اے مقدام! تو نے نجات پائی، اگر تو اس حال میں فوت ہوا کہ تو نہ لوگوں کا امیر ہوا، نہ منشی اور نہ عریف۔“

ایک اور روایت جو ابو داؤد میں ہے کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ”اسے اس کے باپ کے بعد جو کہ اب بوڑھا ہو چکا ہے، ایک چشمے کا عریف بنا دیا جائے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن العرافة حق ولا بد للناس من العرفاء ولکن العرفاء فی النار»[2]

”عرافت بے شک ایک ضروری منصب ہے، اس کے بغیر گزارا نہیں مگر اکثر عریف جہنم میں جائیں گے۔“

مسند بزاز میں اس سلسلے میں جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن فی النار حجرا یقال له ویل لیصعد علیه العرفاء وینزلون»[3]

”جہنم میں ایک پتھر ہے جسے 'ویل' کہا جاتا ہے۔ عرفاء کو اس پر چڑھایا جائے گا اور پھر نیچے پھینکا جائے گا۔“

مسند ابو یعلی میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک جنازے کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس جنازے والے کے لئے خوشخبری ہے بشرطیکہ یہ 'عریف' نہ ہو۔“[4]

رشوت اور اس کے بارے میں وعید:

مالی بدعنوانیوں کی ایک شکل رشوت بھی ہے۔ رشوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس کام کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو، اس کا معاوضہ وصول کیا جائے۔ مثلاً ایک کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہو اور اسے اس کام کی

(1) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ والفیئ، باب فی العرافۃ، رقم الحدیث:2933

(2) ایضاً، رقم الحدیث:2934

(3) الترغیب والترہیب، 1/569

(4) ایضا

www.KitaboSunnat.com

انجام دہی پر سرکاری طور پر معاوضہ اور تنخواہ ملتی ہو، ایسا کام کرنے پر وہ صاحبِ ضرورت شخص سے کوئی معاوضہ وصول کرے۔[1] قرآن مجید نے رشوت کے لئے سُحت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظ سُحت کا معنی ہلاکت وبربادی ہے۔ رشوت نہ صرف لینے دینے والوں کو اخلاقی اور معاشی طور پر تباہ وبرباد کرتی ہے بلکہ ملک وملت کی جڑ اور امن عامہ کی بنیادیں ہلا دیتی ہے۔ جس ملک میں رشوت کی لعنت چل پڑتی ہے وہاں قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے، لوگ رشوت دے کر ہر کام کروا لیتے ہیں۔ حقدار کا حق مارا جاتا ہے اور غیر حقدار مالک بن بیٹھتے ہیں۔ قانون، جو کہ لوگوں کے حقوق کا ضامن ہوتا ہے بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ قانون کی حاکمیت جس معاشرے میں کمزور پڑ جائے وہ معاشرہ زیادہ دیر چل نہیں سکتا، نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ مال وعزت، قرآن مجید نے اسے سُحت کہہ کر 'اشد حرام' قرار دے دیا ہے۔ رشوت کے دروازے بند کرنے کے لئے اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ اُمراء وحکام کو تحفے دینا حرام ہے۔[2] اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[3]

"آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ کہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے طریقے سے جانتے بوجھتے کھا جاؤ۔"

قرآن مجید نے یہود کے مذہبی اجارہ دار طبقے کی یہ خرابی بیان کی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی پسند کے فتوے جاری کر کے ان سے رشوت کھاتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کا ذکر یوں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾[4]

"حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔

[1] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، فرید بک ڈپو، پرائیوٹ لمیٹڈ، 1998ء، 1/151-152
[2] جصاص، احمد بن علی الرازی، ابو بکر، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1983ء، 4/323
[3] البقرۃ 2: 188
[4] ایضا 2: 174

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیامت کے روز اللہ ہر گز ان سے بات نہ کرے گا، نہ انھیں پاکیزہ ٹھیرائے گا، اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی پالیسی بظاہر بڑی سخت نظر آتی ہے لیکن مالیاتی معاملات میں نظم اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب بد عنوانی کا سبب بننے والے ہر چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بھی مکمل طور پر بند کیا جائے۔ چھوٹے سے چھوٹے سوراخوں سے جب پانی کو رسنے دیا جائے تو یہی سوراخ بڑے ہو کر بند کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بد عنوانیوں سے اگر در گزر کیا جائے تو یہی غلطیاں پورے معاشی ڈھانچے کو زمین بوس کر دیتی ہیں۔ آج کا دور اس کی واضح مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے، یہ لوگ (یہود) اسے چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعے معمولی معاوضہ حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔یہودیوں کی اس خرابی کو قرآن مجید یوں بھی بیان کرتا ہے

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾(1)

"یہ لوگ جھوٹ (افواہیں) بڑے شوق سے سنتے ہیں اور حرام خوری میں بڑے تیز ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لعن رسول اللہ ا الراشی والمرتشی»(2)

(آپ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی)

آپ ﷺ نے فرمایا: «كل لحم نبت بالسحت فالنار أولى به» (جس گوشت نے سُحت (حرام) سے پرورش پائی، آگ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے) پوچھا گیا: سُحت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «الرشوة فی الحکم» (فیصلے صادر کرنے میں رشوت وصول کرنا)(3)

اسی طرح کی ایک حدیث مبارکہ جناب عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی مروی ہے۔

ابن خویز منداد نے سُحت کی ایک شکل یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص کا کسی صاحبِ اختیار شخص کے ساتھ کوئی کام اور حاجت ہو لیکن اس کی صاحبِ منصب شخص تک رسائی نہ ہو، جبکہ کسی دوسرے شخص کا اس صاحبِ منصب

(1) النساء4: 42

(2) جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، رقم الحدیث:1336

(3) قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب المصریہ، قاہرہ، 1384ھ، 3/134

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ تعلق موجود ہو اور وہ سائل کی رسائی متعلقہ افسر تک کروانے کے لئے کوئی فیس اور معاوضہ طلب کرے۔[1]

سُحت اور رشوت کی ایک شکل یہ بھی روایات میں بیان کی گئی ہے کہ کسی صاحبِ منصب شخص کو کوئی چیز دی جائے تاکہ کسی کا حق مار کر خود حاصل کر لیا جائے۔ اگر کوئی شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے تو وہ شخص رشوت لینے کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور یہ مال اس کے لئے سُحت ہو گا۔ لیکن اگر رشوت لے کر حق کے خلاف فیصلہ کیا اور غیر حقدار کو حق دے دیا تو یہ جرم کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اس میں رشوت، ظلم، حق تلفی اور اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔[2]

امام ابو حنیفہؒ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رشوت وصول کرتا ہے تو وہ اسی وقت معزول کر دیا جائے۔ اگر اسے معزول نہ کیا گیا تو اس فعل کے ارتکاب کے فوراً بعد سے اس کے تمام احکام غیر قانونی سمجھے جائیں گے۔[3]

صاحبِ تفسیر امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ رشوت وصول کرنا فسق ہے اور کسی فاسق کے لئے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔[4]

حدیث شریف میں رشوت کے لینے دینے میں واسطہ بننے والے کو بھی اتنا ہی مجرم قرار دیا گیا ہے جتنا رشوت لینے اور دینے والے کو۔[5]

نبی کریم ﷺ نے ان قرآنی تعلیمات کو عملی شکل دی۔ آج کے دور میں مالی بدعنوانیوں کے انسداد کے لئے یہ واقعہ بڑا بنیادی راہنما ثابت ہو سکتا ہے کہ خیبر کے یہودیوں سے نبی کریم ﷺ نے اس شرط پر مصالحت فرمائی تھی کہ وہ اپنی آدھی زرعی آمدنی مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔ آپ کی طرف سے جناب عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محاصل وصول کرنے کے لئے متعین فرمایا گیا۔ ان لوگوں نے اپنی عورتوں کے زیورات بیچ کر رقم جمع کی اور صحابی رسول کو پیش کرنا چاہی کہ یہود کا حصہ بڑھا دیا جائے۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب نہ

(1) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 134/3
(2) ایضاً
(3) ایضاً
(4) ایضاً
(5) کنز العمال، 825/5، رقم الحدیث: 14495

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف یہود کے لئے بلکہ آج کے دور کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: "اے یہودیو! اللہ کی قسم تم اللہ کی مخلوق میں سے مبغوض ترین مخلوق ہو لیکن تمہاری یہ رشوت مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کر سکتی، تمہاری یہ رشوت حرام ہے ہم مسلمان اسے نہیں کھاتے"۔ یہودیوں نے ان کی تقریر سن کر کہا کہ یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان وزمین قائم ہے۔ [1]

کرپشن کی ایک شکل یہ ہے کہ حکمران لوگوں کو سرکاری خزانے سے رشوت کے طور پر مال دیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہو کہ سیاسی یا معاشی مقاصد حاصل کریں۔ اس طرح کی بدعنوانی کے انسداد کے لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اگر تمہیں کوئی چیز عطا کریں تو لے لیا کرو جب تک کہ وہ عطا ہی رہے یعنی (یہ عطیہ کسی خدمت اور استحقاق کے طور پر ہو اور اس کی شرعی بنیاد موجود ہو) پھر جب قریش اقتدار کی خاطر ایک دوسرے سے لڑیں اور عطائیں قرض کے بدلے میں ملیں تو ان عطیات کو چھوڑ دیں اور قبول نہ کرو۔" [2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب قریش آپس میں حکومت کے لئے لڑنے لگیں اور رشوت کے طور پر لوگوں کو عطیات دیئے جائیں (اور یہ مستحق لوگوں کو نہ دیئے جاتے ہوں) تو یہ عطیات قبول نہ کرو۔ [3]

آج کے دور میں یہ دونوں طرح کی رشوت موجود ہے۔ سرکاری ملازمین قومی خزانے کو اپنی ذاتی دولت سمجھ کر ناجائز طور پر لوگوں کو بھاری رقوم دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ عوام کی بہت بڑی تعداد اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوتی جارہی ہے۔ رشوت نے لوگوں کی اخلاقی حس کو زنگ آلود کرکے ان کے ضمیر کو سلا دیا ہے۔ دوسری طرف عوام میں یہ خیال اب جڑ پکڑ چکا ہے کہ رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا اور رشوت کے ذریعے ہر ناممکن کام ممکن ہو جاتا ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(1) موطأ امام مالک، کتاب المساقات، 1/516

(2) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی کراھیۃ الافتراض فی آخر الزمان، رقم الحدیث: 2959

(3) ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" جو شخص کسی حاکم یا امیر سے کسی کی سفارش کرے اور پھر اس حاکم کو ہدیہ بھیجے اور وہ اس ہدیہ کو قبول کرے تو اس کا یہ فعل ایسا ہے گویا کہ وہ سود کے بڑے دروازے میں داخل ہو گیا۔ "[1]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

" اسلام کے معاشی نظام میں انتقالِ دولت کا جواز تین طریقوں سے جائز ہے۔ ان میں وراثت، ہبہ اور محنت و کسب شامل ہیں۔ اس کے علاوہ عطیات بھی انتقالِ دولت کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن عطیات صرف وہی معتبر ہوتے ہیں جو کسی چیز یا مال کے حقیقی مالک نے شرعی حدود کے اندر کسی کو ہبہ اور عطیہ دیا ہو۔ اگر عطیہ کسی حکومت کی جانب سے ہو تو وہ اسی صورت میں جائز ہو گا جب وہ کسی صحیح خدمت کے صلے میں یا معاشرے کے مفاد کے لئے حکومتی املاک میں سے جائز اور معروف طریقے پر دیا گیا ہو۔ عطیہ دینے کا حق بھی اسی حکومت کو حاصل ہو گا جو شرعی دستور کے مطابق شوریٰ کے طریقہ کے مطابق چلائی جا رہی ہو اور جس کا محاسبہ کرنے کا حق اور آزادی قوم کو حاصل ہو۔ "[2]

ملک میں مالی بے قاعدگی بیت المال کو غلط طور پر استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس غلط استعمال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خزانہ غیر مستحق لوگوں کے لئے کھول دیا جائے، اس سے ملکی خزانہ کئی پہلوؤں سے منفی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ ایک تو غیر مستحق لوگ ملکی خزانے پر ناروا بوجھ بن جاتے ہیں۔ خزانہ غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ حق دار محروم رہ جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کو محنت کی بجائے مفت خوری کی عادت پڑ جاتی ہے اور جس ملک کے لوگ محنت سے گریز کرنے لگیں، اس کی معیشت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

" اگر بیت المال سے وہ لوگ وظائف اور مستقل امداد لینا شروع کر دیں جو در حقیقت اس کے مستحق نہیں ہوتے تو یہ لوگ حقداروں کا حق مارنے کے مرتکب بھی ہوتے ہیں اور ملکی خزانہ بھی غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس طرح کی صورت پیدا ہو جائے تو باشندوں کی اکثریت بادشاہ پر انحصار کرنے لگتی ہے اور بیت المال پر بوجھ بن جاتی ہے۔ غیر مستحق لوگ کبھی یہ کہہ کر وظیفہ حاصل کرتے ہیں کہ وہ غازی ہیں اور ملک کے سیاسی راہنما ہیں۔ وہ کبھی یہ کہہ کر

(1) ابو داود، السنن، کتاب البیوع، باب فی الھدیۃ لقضاء الحاجۃ، رقم الحدیث: 3541

(2) مودودی، ابو الاعلیٰ، مولانا، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1949ء، ص: 615، 616

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وظائف حاصل کرتے ہیں کہ وہ درباری شاعر ہیں اور بادشاہوں کی درباری شاعروں پر عنایات ہوا ہی کرتی ہیں۔ وہ یہ وظائف کبھی یہ کہہ کر حاصل کرتے ہیں کہ وہ صوفی اور درویش ہیں اور خلیفہ اس بات کو معیوب سمجھتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے حالات کی تفتیش کرے کہ کیا یہ حقیقت میں ان وظائف کے مستحق ہیں بھی یا نہیں؟... ان کا معاشی انحصار صرف بادشاہوں کی مصاحبت، ان کی خوشامدی، جی حضوری اور ان کی مدح میں چرب زبانی پر ہوتا ہے اور آخر کار یہ ایک ایسا فن بن جاتا ہے کہ ان کے تمام خیالات اور فکریں اس برے فن پر صرف ہونے لگتی ہیں اور وقت کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔"[1]

ملکی خزانے کے غلط استعمال کی ایک شکل سربراہِ مملکت یا سربراہِ حکومت کے مالیاتی اختیارات بھی ہیں۔ ان اختیارات کے تحت سرکاری خزانہ سربراہ کی ذاتی ملکیت کی شکل اختیار کرلیتاہے۔ خصوصی طور پر ایسی مدات جن کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا یا جنہیں آج کی اصطلاح میں (Unforeseen) مدات کہا جاتا ہے۔ ان مدات میں سے عموماً سیاسی رشوتوں کا کام لیا جاتاہے۔ پاکستان کے سیاسی ماحول میں تو اس طرزِ عمل سے عوام بھی آگاہ ہوچکے ہیں کہ سیاسی لوگوں کو ہم نوابنانے کے لئے کیاکچھ نہیں کیا جاتا۔ یہ بات بالکل بجاہے کہ قومی اور بین الاقوامی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے تاکہ دوسروں کی بھی حوصلہ افزائی ہو۔ اس سلسلے میں قرنِ اوّل سے شواہد ملتے ہیں کہ ملک وملت کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دینے والوں کی قدرشناسی کی گئی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر مستحق لوگوں اور سرکاری افسران کے چہیتوں کو بھاری انعامات ووظائف سے نوازا جائے اور ہزاروں حق دار اور اہل لوگوں کی کسی کو خبر بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ انعامات ملکی خزانے پر ناروابوجھ نہ بن جائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ انعامات ملک میں غیر عادلانہ تقسیم دولت کی شکل اختیار نہ کرلیں۔ جن لوگوں پر ملکی خزانہ خرچ کیا جائے، ان کی خدمات ملکی نظریے کے ساتھ مطابقت بھی رکھتی ہوں۔ ایسانہ ہو کہ جن شعبوں کو اللہ اور اس کا رسول حرام قرار دیں، جن کے انسداد کے احکام دیئے گئے ہوں ہم ان شعبوں میں 'خدمات' سرانجام دینے والوں کو انعامات سے نوازیں۔

اس سلسلے میں کچھ عرصہ قبل لاہور ہائی کورٹ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ وزیر اعظم پاکستان یا صدرِ مملکت یا کسی اعلیٰ عہدیدار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے کسی کو پلاٹ یا خصوصی انعامات سے نواز سکے یا نہیں؟ عدالت نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ کسی بڑے سے بڑے عہدیدار کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ بیت المال میں تصرف کرے اور اپنی پسند کے لوگوں کو انعامات سے نوازے۔ جن لوگوں کو حکومت نے اونے پونے داموں

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، دارالجیل بیروت، 1426ھ، 1/ 77

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پلاٹ فروخت کئے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان پلاٹوں کی حقیقی قیمت ادا کریں۔ عدالت نے سابق وزرائے اعظم اور وزیر اعلیٰ کو حکم دیا کہ وہ بیت المال سے رقوم نکلوانے اور سستے داموں پلاٹ فروخت کرنے کے مسئلے کی عدالت میں وضاحت کریں۔ عدالت نے قرار دیا کہ پاکستان بیت المال ایکٹ 1991ء کے تحت بیت المال سے تصرف کے حوالے سے وزیر اعظم کے پاس کوئی اختیارات نہیں اور پاکستان بیت المال مینجمنٹ بورڈ اس کے فنڈز کو ایکٹ کے مطابق خرچ کرنے کا مجاز ہے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے فاضل جج نے قرار دیا کہ وزارتِ خزانہ بیت المال سے کوئی بھی رقم وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو منتقل نہیں کر سکتی۔ عدالت نے اس بات کی بھی نشاندہی کی کہ مستحق افراد کی شناخت کے لئے کوئی مناسب منصفانہ اور منظم طریقہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی فی کس امداد کے لئے کوئی ضابطہ موجود ہے۔ عدالت کے خیال کے مطابق کسی فردِ واحد کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اپنی مرضی سے بیت المال میں تصرف کرے۔ بدعنوانی کے انسداد کے لئے عدالت نے کہا کہ کسی بھی فرد کے پاس کوئی صوابدیدی مالیاتی اختیارات نہیں ہونے چاہئیں۔

رشوت اور بدعنوانی کو روکنے کیلئے چند تجاویز:

- ملک کا ناکام سیاسی نظام بتدریج تبدیل کیا جائے تاکہ عوام کے مسائل مثلاً سستا انصاف مہیا کرنے اور کرپشن فری معاشرے کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکے۔
- احتساب کا موثر نظام رائج کیا جائے جس کے تحت ہر شخص اور ادارہ جوابدہ ہو۔ موجودہ قومی احتساب بیورو (National Accountability Bureau) کو مزید فعّال بنا کر یہ کام کیا جا سکتا ہے۔
- ملازمتوں میں سیاسی مداخلت ختم کر کے اہلیت کا اصول اپنایا جائے۔
- قومی اداروں کو سیاست سے پاک کرنے کے موثر اقدامات کیے جائیں۔ سرکاری مرتکب افسران کے خلاف مؤثر کاروائی عمل میں لائی جائے۔
- میڈیا کے ذریعے عوام میں رشوت اور بدعنوانی کی متعلق آگاہی اور شعور اجاگر کیا جائے۔
- لوگوں کو اسلامی تعلیم سیرت نبویہ ﷺ کے مطالعہ کے حوالے سے معاشرے میں موجود رشوت اور بدعنوانی کی خرابیاں اور حلال اور حرام کے اصول بتائے جائیں۔
- کرپشن، رشکوت کی روک تھام کے لیے جدید سائنٹیفک طریقہ کار Scientific Technology Based کو مؤثر بنایا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصی افراد کا سماجی ترقی میں کردار کو مثبت بنانے کے لیے عملی اقدامات سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں

تمہید:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست کی تشکیل و تعمیر کے لیے بہت سارے عملی اقدامات فرمائے جس میں خصوصاً تعلیم وتربیت، خوراک ورہائش، دعوت واصلاح جیسے اہم امور شامل تھے ان کاموں میں آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے اپنی صلاحیتوں کے مطابق مختلف شعبہ ہائے میں بھرپور کردار ادا کیا اس عملی کردار میں عہد نبوی میں کوئی شخص پیچھے نہ رہا بلکہ خصوصی افراد کا کردار بہت ہی نمایاں رہا آپ نے ان کی صلاحیتوں سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا اور عملاً اپنی خصوصی تربیت کے ذریعے ریاست کے بہت سے اہم مناصب خصوصی افراد کے سپرد کر کے ان کے عملی کردار کے ذریعے اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر کی بنیاد بھی رکھی مثلاً عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ کو موذن و معلم اور مدینہ منورہ میں نائب مقرر کیا جاتا، عمرو بن جموع رضی اللہ تعالی عنہ کا اہم جہادی کردار، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا گیا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کا سماجی و معاشی کردار لائق مطالعہ ہے دور حاضر میں چند شخصیات بہت نمایاں ہیں جن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، الشیخ عبد العزیز بن باز، الشیخ احمد یسین کے جنہوں نے معذوری کے باوجود معاشرتی و سماجی، تعلیمی و دعوتی، معاشی و سیاسی کردار ادا کر کے نمایاں حیثیت حاصل کی۔ عصر حاضر میں بھی کوئی خطہ، ملک یا شہر ایسا نہیں جہاں معذور افراد موجود نہ ہوں ضرورت اس امر کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ایسے افراد کی صلاحیتوں کو جِلا بخشی اور انہیں مفید شہری بنایا اور پھر انہوں نے ریاست کی تشکیل و تعمیر میں خصوصی کردار ادا کیا۔ اسی کی بنیاد پر آج ایسے ماڈل کی ضرورت ہے جس کی بناء پر ایسے افراد کو براہ راست ریاستی معاملات میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے لیے اس تحقیق میں عہد نبوی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ماڈل تیار کیا جائے گا کہ کس طرح اس کا عملی اطلاق ہو سکتا ہے۔

جسمانی کمزوری سے مراد معذور لوگ ہیں اور معذوری کا لفظ اردو زبان میں جسمانی اور دماغی عارضہ کو کہتے ہیں جس کو یہ عارضہ لاحق ہو اس کو معذور کہتے ہیں، لیکن عربی زبان میں یہ عام ہے ہر اس فرد کو شامل ہے جو معاشرے میں اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کر سکتا ہو اور عربی میں ایسے شخص کو (عاجز من العمل) یعنی جو شخص اپنا کام سر انجام نہ دے سکتا ہو۔ چنانچہ مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں اس قسم کے علماء و محدثین کی علمی و دینی خدمات کو بیان کرنے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوشش کی ہے کہ اتنی معذوری کے باوجود کس قدر علمی و دینی خدمات سر انجام دیں کہ انہیں اپنی معذوری کا خیال ہی نہیں آیا بلکہ معاشرے کے دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بن گئے۔ان میں ایسے علماء و محدثین بھی پیدا ہوئے جو قائد بھی بنے اور امت کی رہنمائی بھی فرمائی۔

اس اعتبار سے یہ موضوع اہمیت کا حامل ہے کہ موجودہ دور میں اس صنف کو اس اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ یہ معاشرے کے ناکارہ لوگ ہیں، یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ معاشرے کی ضرورت ہی نہیں،لہذا ان سے خود بھی تحقیر کا رویہ کیا جاتا ہے اور ایسا سلوک اختیار کیا جاتا ہے کہ جس سے باقی لوگ بھی نفرت کریں۔ اس قسم کے کردار کو ختم کرنے کی اسلام بھی دعوت دیتا ہے۔ مقالہ نگار اپنی تحقیق کے ذریعے معاشرے میں موجود اس کردار کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسے علماء جو دیکھنے میں معذور لگتے ہیں لیکن ان کی علمی اور دینی خدمات کو دیکھ کر ان کو معاشرے کا ناقص فرد سمجھنے کی بجائے ان کی زندگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔

میں جب بھی معاشرے میں معذور لوگوں کو دیکھتا ہوں تو اس بات کا احساس دل میں پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو معاشرہ کس قدر گری ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے اس لئے ایسے علماء و محدثین کے کردار کو بیان کر کے ان کی کھوئے ہوئے وقار کو زندہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تاکہ یہ لوگ بھی خود کو متحرک زندگی کا حصہ بنا کر جی سکیں۔

محض ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہے کیونکہ جن کو ناکارہ سمجھا جاتا ہے حقیقت میں وہ تو نہ صرف اپنی معذوری کی وجہ سے بلکہ اپنے کارناموں کی وجہ سے دوسروں کے لئے رہنمائی بن کر سامنے آسکیں۔ دیگر لوگوں میں اس اسلامی تعلیم کو زندہ کرنا ہے جن کے ذہنوں سے معذور افراد کی قدر و قیمت ہی ختم ہو چکی ہے تاکہ وہ ایسے لوگوں کو حقیر نگاہ سے نہ دیکھیں۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی ریاست کی تعمیر و ترقی میں خصوصی افراد نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے کہ جس کردار کی وجہ سے اسلامی ریاست کو استحکام حاصل ہوا اور آج دنیا میں ساٹھ سے زائد اسلامی ریاستیں اس بات کا موثر ثبوت ہیں۔ اس اہم مسئلہ کو پیش کرنے کے لیے ہم اپنے مقالہ کو دو اہم مباحث میں تقسیم کریں گے۔

۱۔ صحابہ کرام میں نابینا افراد کا تعلیمی، تبلیغی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور انتظامی کردار

۲۔ صحابہ کرام میں جسمانی معذور افراد کا تعلیمی، تبلیغی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور انتظامی کردار

رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتہ اصحاب نہایت پر عزم تھے۔ جسم کا تندرست ہونا یا معذور ہونا اُن کے عزم میں خلل انداز نہ ہوتا تھا، اگر اُن کی بصارت کام چھوڑ جاتی تب بھی وہ اپنے حصے کا کام انجام دیے بغیر اِس دنیا سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رخصت نہیں ہوتے تھے۔ صحابہ کی ایک تعداد ہے جنہوں نے عدم بصارت کے باوجود تعلیمی و تبلیغی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور انتظامی کردار ادا کیا۔ روایتِ حدیث کا کام، شاعری، امامت، جنگوں میں حصہ، علوم دینیہ کی تدریس اور بہت سے متنوع کاموں میں اپنا کردار ادا کیا۔ جن میں ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہ کہ جنہوں نے میدان جنگ میں بہت ساری خدمات پیش کیں۔ جن میں صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، خوارج کے خلاف جہاد جیسی عظیم مہمیں شامل ہیں۔[1]

ابتدائے اسلام میں مسلمان چونکہ معاشی طور پر مضبوط نہ تھے اسی لیے جنگ کے دوران اکثر سامانِ خوردونوش ختم ہو جاتا تھا ایسی صورتحال میں جو بھی مل جاتا اسی پر قناعت کی جاتی۔ ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہ انہیں غزوات کے تذکرے میں فرماتے تھے:

"غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَاد"[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ۷ غزوات لڑے ہم آپ ﷺ کے ہمراہ جراد (ٹڈی دل) کھایا کرتے تھے۔"

خوارج کا فتنہ اسلام کے لیے روز اول سے ہی کفار سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کفار سے زیادہ خوارج کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچا تو بے جانہ ہو گا اسی لیے رسول ﷺ نے جابجا ان کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس طرح وہ کفار کے خلاف لڑے اسی طرح انہیں خوارج کے خلاف بھی جہاد کا موقع ملا۔ ابن سعد رقمطراز ہیں:

"حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُمْهَانَ قَالَ: كُنَّا نُقَاتِلُ الْخَوَارِجَ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى"[3]

"سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن ابی اوفی کی معیت میں خوارج کے خلاف قتال کیا کرتے تھے۔"

ابن ام مکتوم، ابن سعد آپ رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

"کان ضریر البصر"[4]

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج۲ ص۷۵؛ تاریخ دمشق، ابن عساکر، ۴۱/۳۱

[2] الطبقات الکبریٰ، ۴/۲۲۵؛ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، محمد بن احمد، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء، ۱۳۶/۳

[3] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۴ ص۲۲۶

[4] سیر اعلام النبلاء، ذہبی، محمد بن احمد، تحقیق: شعیب الارناؤوط، طبعہ ثالثہ، ۱۹۸۵ء، ج۱ ص۳۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیم قرآن کا اشتیاق عہد نبوی سے ہی اہل علم کا خاصہ ہے۔ صحابہ کرام اشاعت قرآن کے لیے دن رات سرگرم رہتے تھے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ"[1]

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

ان کے اس شوق کو دوچند کر دیتا تھا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بھی ان صحابہ کرام میں ہے کہ جو تعلیم قرآن جیسی اہم خدمات سر انجام دیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ یہی وہ تعلیم تھی کہ جس کے سبب بادیہ نشین عرب، دنیا کی مہذب ترین قوم بنے۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن سعد اس بارے میں رقمطراز ہیں:

"أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَجَعَلا يُقْرِئَانِ النَّاسَ الْقُرْآن"[2]

" اصحاب رسول ﷺ میں سے جو سب سے پہلے ہمارے پاس آئے وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان دونوں نے لوگوں کو قرآن پڑھایا۔"

حضرت ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نابینا پن کے باوجود تعلیم قرآن کی خدمت سر انجام دینا نہ صرف ایک وقیع علمی کارنامہ ہے بلکہ یہ ان کے اصلاح معاشرہ کے جذبے کی عکاسی بھی کرتا ہے جو اسلام اپنے ہر مبلغ کو عطا کرتا ہے۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بار ہا التجاء کے سبب اللہ رب العزت نے خصوصی افراد کے لیے عام افراد کی نسبت تخفیفی احکام نازل فرمائے جب آیت مبارکہ:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾[3]

"بلا عذر شرعی بیٹھے رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں نکلنے والے مجاہد برابر نہیں۔"

یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا اور کتابت کا حکم ارشاد

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن، رقم الحدیث: ۵۰۲۷
[2] الطبقات الکبری، ابن سعد، ج۴ ص۱۵۶؛ سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ج۱ ص۳۶۱
[3] سورۃ النساء: ۴/۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا حضرت زید نے شانے کی ہڈی پر اس کو تحریر فرمایا۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے نابینا پن کی شکایت کی جبکہ

ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم نے دعا کی:

"أَيْ رَبِّ أَنْزِلْ عُذْرِيْ"[1]

"اے اللہ میرا عذر نازل فرمادے۔"

پھر اللہ رب العزت نے خصوصی افراد کا استثناء نازل فرمادیا۔

﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾[2]

"نابینا پر کوئی تنگی نہیں اور نہ ہی لنگڑے پر کوئی تنگی اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔"

اس آیت مبارکہ کے تحت علامہ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ آیت کن اصحاب کے حق میں نازل ہوئی؟ چنانچہ رقم طراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خیبر کا مال غنیمت ان افراد کے لیے حلال فرمادیا کہ جو آیت میں مذکور اعذارِ مانعہ کے سبب غزوہ حدیبیہ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ نیز جن خصوصی اصحاب کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ایک قول کے مطابق وہ اصحاب یہ ہیں: ابو احمد بن جحش، ان کی والدہ آمنہ بنت عبد المطلب، اور عبد اللہ ابن ام مکتوم"[3]

یہ دو عظیم صحابہ کرام کا تذکرہ تو بطور مثال پیش کیا گیا ہے اس کے علاوہ خواتین میں اسماء بن ابی بکر، ابو احمد بن جحش، ابو اسید الساعدی، ابو حذیفہ بن عتبہ، ابو سفیان بن حرب، ابو قحافہ، براء بن عازب، جابر بن عبد اللہ، جریر بن عبد اللہ، حارثہ بن نعمان، حسان بن ثابت، حکیم بن حزام، خوات بن جبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن عثمان، سعید بن یربوع، عبد اللہ بن ارقم، عبد اللہ بن عباس، عباس بن عبد المطلب، عبد اللہ بن عمرو، عتبان بن مالک، عتبہ بن ابی سفیان، عتبہ بن مسعود، عدی بن حاتم، عمرو بن معدیکرب، عمیر بن عدی، قتادہ بن نعمان، قیس بن سائب، قیس بن ہبیرہ، کعب بن مالک، مالک بن حارث، مالک بن مسمع، معاویہ بن خدیج، معتب بن ابی لہب، معن بن اوس، مہلب

(1) الطبقات الکبری، ابن سعد، ج۴ ص۱۵۹؛ سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ج۱ ص۳۶۱

(2) سورۃ الفتح:۴۸/۱۷

(3) تفسیر القرآن، سمعانی، منصور بن محمد، تحقیق: یاسر بن ابراہیم، دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ، ج۵ ص۱۹۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن ابی صفرہ، مغیرہ بن شعبہ، مغیرہ بن عبد الرحمٰن، ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالی عنہم

کچھ اصحاب کی بصارت آخری ایام میں چلی گئی لیکن اِس معذوری کے سبب اُن کی کارکردگی، عزم اور ہمت میں ذرا فرق نہ آیا۔ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالی عنہ کا جہاد کے میدانوں میں اترنا ابواحمد جحش رضی اللہ تعالی عنہ کا شاعری کرنا اور عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ کا اذان دینا، ٹھیک اسی طرح آپ کے باقی اصحاب کا مختلف سرگرمیوں میں حصہ لینا تاریخ کے صفحات پر زریں اور جلی حروف میں لکھا جاچکا ہے۔

موجودہ معاشرہ کے لوگوں کو چاہیے کہ اِن اصحابِ کرام کے احوال کا مطالعہ فرمائیں اور ان صحابہ کی زندگیوں سے رہنمائی حاصل کریں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے بلا تخصیص اپنے تمام اصحاب کو آسمانِ ہدایت کے تارے قرار دیا ہے۔ اگر اللہ رب العزت کسی کو معذوری عطا فرمائے یا تندرستی کے بعد معذوری عطا فرمادے، تو ایسے لوگ نابینا اور معذور اصحاب کی حیاتِ طیبہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وگرنہ اگر یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور اپنی معذوری کا راگ الاپتے رہے تو یہ معاشرے پر بوجھ ہونگے اور اپنی قدر اور عزت و وقار سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اس دنیا میں سب سے زیادہ مقام تابعین و تبع تابعین کا ہے انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتگان سے استفادہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور جسمانی معذوریوں کے باوجود خدمتِ دین و دنیا کے حوالے سے اہم کام انجام دیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض یافتہ نفوس قدسیہ کو تابعین اور ان کے بعد والوں کو تبع تابعین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِن میں بھی ایک تعداد ہے جنہیں بینائی سے محروم یا کسی جسمانی عارضہ میں مبتلا رہنا پڑا۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اس محرومی کو اپنے ذہن میں جگہ نہیں دی بلکہ تندرست لوگوں کی طرح اپنی تعلیمی، تبلیغی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور انتظامی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ اور صحابہ کا حقیقی جانشین ہونے کا حق ادا کیا۔

ذیل میں شخصیات کا ذکر کیا جاتا ہے جو ہمارے موضوع سے تو مطابقت رکھتے ہیں لیکن تحدیدِ موضوع کے موافق نہیں۔

نمبر شمار	نام	وفات	علاقہ	وجہ شہرت
1.	ابو بکر الطلیطلی	۳۵۲ھ	قرطبہ	ادب و قرات
2.	الحسین بغدادی	۳۷۸ھ	بغداد	قرات
3.	ابوعبدالرحمٰن الحیری	۴۳۰ھ	نیشاپور	حدیث و قرات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4.	ابو محمد البغدادی	۴۸۶ھ	بغداد	فقہ و قرات
5.	دعوان بن علی	۵۵۲ھ	عراق	قرات
6.	عبدالرحمٰن السہیلی	۵۸۱ھ	اندلس	سیرت
7.	قاسم بن فیرہ الشاطبی	۵۹۰ھ	مصر	فقہ
8.	احمد بن ابراہیم	۶۸۶ھ	قاہرہ	فقہ
9.	احمد بن الحسن	۶۲۲ھ	ترکی	خطابۃ
10.	احمد بن عبدالدائم	۶۶۸ھ	موصل	ادب
11.	احمد بن عبدالسلام	۷۳۵ھ	بغداد	فقہ وادب
12.	احمد بن یوسف	۶۸۰ھ	موصل	قرات وتفسیر
13.	الحسین بن سلیمان	۷۱۹ھ	دمشق	قرات وفقہ
14.	خلیل بن علی	۵۳۳ھ	نہروان	حدیث
15.	خلف بن احمد	۵۱۵ھ	بغداد	فقہ
16.	سعید بن المبارک	۵۶۹ھ	موصل	نحو
17.	شافع بن علی	۷۳۰ھ	کنعان	ادب
18.	شعیب بن ابی طاہر	۶۱۸ھ	بغداد	ادب
19.	صدقہ بن یحییٰ	۶۵۳ھ	یمن	فقہ
20.	عامر بن موسیٰ	۴۸۶ھ	بغداد	قرات وفقہ
21.	عبداللہ بن احمد	۵۹۳ھ	واسط	قرات وفقہ
22.	عبدالرحمٰن بن عبداللہ	۵۸۱ھ	اندلس	قرات ونحو
23.	علی بن ابی القاسم	۷۴۰ھ	بغداد	فقہ
24.	علی بن احمد	۷۱۲ھ	بغداد	ادب وفقہ
25.	علی بن عمر بن ابی بکر	۷۲۷ھ	مصر	حدیث
26.	غازی ابن واسطی	۷۱۲ھ	حلب	کاتب
27.	غیاث بن فارس	۶۰۵ھ	مصر	نحو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

.28	محمد بن محمد	۷۳۷ھ	بصرہ	فقہ
.29	محمد بن مکرم	۷۱۱ھ	افریقہ	ادب
.30	محمد بن یوسف	۷۵۰ھ	بغداد	حدیث
.31	مشرف بن علی	۶۲۳ھ	بغداد	قرات
.32	یحییٰ بن حسین	۶۰۶ھ	بغداد	قرات
.33	یحییٰ بن یوسف	۶۵۶ھ	بغداد	نحو
.34	شیخ قلندر بخش جرات	۱۲۲۵ھ	اکبر آباد	ادب
.35	ابوالحسن الشاذلی	۶۵۶ھ	مصر	تصوف وادب
.36	ابوالعلاء المعریٰ	۴۴۹ھ	معریٰ	ادب
.37	ولی اللہ لاہوری	۱۸۷۹ء	لاہور	مذاہب عالم
.38	عبدالمنان وزیر آبادی	۱۹۱۶ء	وزیر آباد	حدیث

یہ تمام اسماء درج ذیل دو کتابوں سے لیے گئے ہیں:

نکث الھمیان فی نکت العمیان، صلاح الدین الصفدی (م ۷۶۴ھ) دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۷ء؛

علماء اضراء الذین خدموا القرآن وعلومہ، دکتور عبدالحکیم انیس (معاصر) جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۲۰۱۳ء۔

عصرِ حاضر میں خصوصی افراد کا معاشرتی، معاشی، تعلیمی، تبلیغی، سیاسی وانتظامی کردار:

ہر دور میں کچھ لوگ معذوری کا شکار یا نابینائی کا شکار ضرور ہوتے ہیں، جیسا کہ قدیم زمانوں سے لوگ مختلف معذوریوں کا شکار ہوتے آئے ہیں۔ اس دور میں بھی ایک تعداد ہے جو تندرستی کی نعمت سے محروم ہے۔ لیکن محرومیوں کے باوجود یہ لوگ اپنی صلاحیتوں کے اظہار میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ کوئی استاد ہے تو کوئی انجینئر، کوئی شاعر ہے تو کوئی مسجد میں اپنے فرائضِ امامت و خطابت انجام دے رہا ہے الغرض کثیر شعبہ ہائے زندگی میں ہمیں معذور افراد دکھائی دیتے ہیں۔ عوام الناس کا تعاون بھی اکثر ان کے شامل حال ہوتا ہے جس کی بدولت یہ اپنی صلاحیتوں کے اظہار میں کافی آسانی محسوس کرتے ہیں۔

اب ہم ذیل میں موجودہ دور کے چند اہم معذور افراد کے معاشرتی، معاشی، تعلیمی، تبلیغی، سیاسی وانتظامی کردار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا جائزہ لیتے ہیں۔

ناظرہ قرآن پاک گاؤں سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے سکول سے حاصل کی پھر جامعہ محمدیہ قدوسیہ کوٹ رادھا کشن میں داخل کروادیا گیا۔ اس جامعہ میں آپ نے چار سال تک تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم کے شوق کی بدولت جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور میں داخلہ لیا۔ اس جامعہ سے شعبہ درس نظامی کی فارغ التحصیل ہونے والی پہلی جماعت میں قاری صاحب شامل تھے۔ دارالعلوم ضیاء راجہ جنگ سے ۵ ماہ میں قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ تجوید القرآن کا علم معروف درسگاہ جامعہ تجوید القرآن لسوری والی مسجد شیر انوالہ گیٹ لاہور سے حاصل کیا۔ اور قرآت عشرہ کا کورس بھی اسی جامعہ سے مکمل کیا۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے دو سال تک جامعہ مسجد لسوڑی والی شیر انوالہ گیٹ لاہور میں قرآن پاک کی تعلیم دی۔ پھر دس سال ضیاء السنہ راجہ جنگ میں قرآن پاک کی تعلیم دی۔ گاؤں واپس آکر والد صاحب کے ساتھ مل کر برلب سڑک رائیونڈ اور چھانگا مانگا کے درمیان سٹاپ بھوئے آصل میں ساڑھے پانچ ایکڑ پر محیط نئے جامعہ کا آغاز کیا۔ یہ جامعہ دو شعبوں، شعبہ تحفیظ القرآن گندھیاں اوتاڑ اور دوسرا شعبہ درس نظامی کے لیے مین روڈ مدرسہ کی نئی عمارت پر مشتمل ہے۔ تاحال آپ اسی جامعہ میں عوام الناس کو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے آراستہ فرمارہے ہیں۔[1]

آپ ایم فل سیاسیات ہیں۔ آپ نے ایم فل سیاسیات ۲۰۱۴ء اور ایم۔ اے سیاسیات ۲۰۱۱ء میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے پاس کیا۔ آج کل آپ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کے شعبہ سیاسیات میں بطور لیکچرار تعینات ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مختلف شارٹ کورسز بھی کر رکھے ہیں۔ آپ نے بریل کورس، کمپیوٹر کورس اور موبیلٹی کورس، الفیصل نابینا مرکز فیصل آباد سے پاس کر رکھے ہیں۔ ایم فل میں آپ کے مقالہ کا عنوان Role of Iran in Energy Polictics of Person Gulf States کے تحت اپنا مقالہ تحریر کر چکے ہیں اور اب PhD سیاسیات گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے جاری ہے۔

معاشی ومعاشرتی کردار:

آپ شادی شدہ ہیں۔ آپ کا گھرانا تین افراد پر مشتمل ہے۔ ایک بیوی اور بیٹا آپ کے زیرِ کفالت ہیں۔ آپ پڑھائی کے علاوہ کھیل کے بڑے شوقین ہیں۔ پاکستان بلائنڈ کرکٹ ٹیم کے سرگرم رکن رہے ہیں۔ آپ ۲۰۰۰ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک پاکستان کی نابینا قومی کرکٹ ٹیم میں پاکستان کی نمائندگی کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اور

---

[1] انٹرویو: قاری ادریس ثاقب، ڈاکٹر عبد الغفار، حافظ انتظار احمد، رائیونڈ، لاہور، پاکستان، ۲۵ ستمبر ۲۰۱۷ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا بلائینڈ ورلڈ کپ جیتنے والی ٹیم میں بھی شامل تھے۔ آپ ۱۶ دسمبر ۲۰۰۶ء کو صدر مملکت جناب پرویز مشرف کی موجودگی میں پیراگلائیڈنگ Para Gliding کا کامیاب مظاہرہ کر چکے ہیں۔ آپ دنیا کے دوسرے نابینا شخص ہیں جنہوں نے مارگلہ ہلز اسلام آباد میں ۲۰۰ فٹ کی بلندی سے Para Gliding کا کامیاب مظاہرہ کیا۔

سیاسی و انتظامی کردار:

سیاسی معاملات میں آپ کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور نہ ہی آپ نے ابھی تک کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار کی ہے۔ لیکن آپ خصوصی افراد کے سیاست میں کردار کے زبردست حامی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ خصوصی افراد کا پارلیمنٹ کے ہر فورم میں کوٹہ مختص حصہ ہونا چاہیے۔ اس طرح یہ اپنے مسائل کو احسن طریقے سے حل کروا سکیں گے۔ اور خصوصی افراد سیاست میں ایک مثبت اضافہ ہوں گے۔ اپنے شعبہ کے تعلیمی و تدریسی اور انتظامی معاملات میں آپ گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ اور اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔[1]

آپ کو ۹ سال کی عمر میں ضلع ہوشیار پور کے ایک خیراتی مدرسہ میں چھوڑ دیا گیا۔ جن میں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا۔ اس دورِ حیات میں آپ نے داستانِ یوسف زلیخا سنی۔ یوسف زلیخا کے درد ناک اشعار آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو گئے جب کبھی تنہائی میسر آتی آپ خود یہ شعر اپنی آواز میں گنگناتے۔ اِسی زمانے میں آپ ادبی کتابوں سے روشناس ہو گئے۔ ادبی کتابوں کے مطالعہ کی آرزو بھڑتی گئی تو تابناک مستقبل کے لیے نابینا افراد کے خصوصی اداروں میں بریل رسم الخط سیکھنے کے لیے پہلے گورنمنٹ سکول برائے نابینا کراچی میں داخل ہوئے، لیکن کچھ عرصہ بعد گورنمنٹ سکول برائے نابینا بہاولپور میں داخل ہوئے۔ اِن اِداروں میں شعبہ موسیقی بھی تھا اور طالب علم کو موسیقی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، یوں دینی و دیناوی تعلیم کے دوران میں باقاعدہ موسیقی کی تربیت حاصل کی۔ نابینا افراد کے طرزِ تحریر بریل کی مدد سے آپ نے دو ہزار ناولوں کا مطالعہ کیا اور مشہور شعراء کی شاعری سُنی، گلوکاری کی اور پھر خود شاعری شروع کر دی۔ اِس دوران اپنا تخلیقی سفر بھی جاری رکھا۔ شاعری اور نثر میں اب تک آپ کی آٹھ کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ آپ کا ایک منفرد کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دُنیا بھر کے بے بصر ادیبوں اور شاعروں کی قریباً ۳۰۰ تخلیقات کو جمع کر کے ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو اسلام پورہ لاہور میں بے بصر مصنفین کی عالمی لائبریری "ورلڈ بلائنڈ آرتھر ز فورم" (World Blind Author's Fourm) کے نام سے قائم کی۔ آپ نے ۱۱۴ ممالک کی بڑی بڑی لائبریریوں سے خط و کتابت کی تو ایک سال کی جدو

[1] انٹرویو: انور علی سیال، ڈاکٹر عبد الغفار، حافظ انتظار احمد، فیصل آباد، پاکستان، ۲۷ فروری ۲۰۱۷ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہد کے بعد ۷۶۳ بے بصر مصنفین کی تصانیف موصول ہوئیں۔ عرصہ دو سال کے بعد یہ تعداد ۱۵۴۵ تک پہنچ گئی۔ تاب صاحب نے معذورین کے ترجمان جریدہ ماہنامہ "بینائی" کا اجراء کیا اور مدیر اعلیٰ اور پبلیشرز کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔

آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۸۶ ء میں شعری مجموعہ "کرن کا جل" کے نام سے منظر عام پر آئی۔ آپ کی شاعری اور نثری کتب کے نام درج ذیل ہیں:

شعری مجموعات	نثری کتب
ا۔ کرن کاجل	ا۔ اُپلوں کا دھواں
۲۔ سیاہ شب	۲۔ سماعت کی آنکھ سے
۳۔ سحر تاب	۳۔ پاؤں کی خوشبو
۴۔ مجھ کو سنگسار کرو	۴۔ چراغِ تیرہ شبی

معاشی و معاشرتی کردار:

گورنمنٹ سکول فار دا بلائنڈ شیر اں والا گیٹ لاہور سے عملی زندگی کا آغاز بطور میوزیکل ٹیچر (مُعلّمِ موسیقی) سے کیا۔ ریڈیو پاکستان سے نغمہ نگاری کرتے ہوئے ٹی۔ وی تک جا پہنچے۔ سکول کا ماحول راس نہ آیا تو دو سال بعد استعفٰی دے دیا۔

مخلص انسانوں کے تعاون سے لاہور میں سیمنٹ اور نمک کی تجارت شروع کی اور Ti-Traders کے نام سے تجارتی ایجنسی رجسٹرڈ کرائی۔ ۱۹۶۲ء میں دوستوں کی مدد سے رفیقہ حیات مل گئی۔ آپ اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ دو بچوں محمد سلیم، شہلا عرفانی کو گود لے کر تعلیم و تربیت کے بعد ان کی شادیاں کر دیں جو شاہانہ مستقبل کی تلاش میں کینیڈا چلے گئے۔ ایک سال بعد بیگم کا اِنتقال ہو گیا۔

۱۹۹۲ء میں نگران حکومت نے آپ کے ادارہ کی سرکاری امداد بند کر دی۔ ادارہ کے الحاق کے لیے فلاحی، تجارتی اور مذہبی تنظیموں سے رابطہ کیا لیکن منفی نتائج سامنے آئے۔ مقاصد کی بحالی کے لیے موصوف نے سیمنٹ اور نمک کی ایجنسی، شاہ عالم مارکیٹ کا دفتر، کوٹ لکھپت میں پانچ مرلے کا پلاٹ اور گاڑی فروخت کر کے تمام قرض خواہوں کے واجبات ادا کیے اور خود بے گھر ہونے کے باوجود اپنی منزل کی جانب بڑھتے رہے، مگر رفقا کی بے بسی دیکھ کر بالآخر اِدارے کو ختم کرنے پر مجبور ہو گئے اور لاہور چھوڑ کر فیصل آباد میں اپنے بھتیجے کے پاس رہائش پذیر ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ آپ کے عرصہ تیس سال کے طویل سفر کے ثمرات یہ ہیں:

۱۔ بیس نابینا افراد کو ہنر سیکھانے کے بعد پیکو سائیکل فیکٹری میں ملازمت کی فراہمی۔

۲۔ تربیت کے بعد نابینا افراد کے چھ کرکٹ ٹورنامنٹ

۳۔ نابینا طلبا میں پانچ سالانہ مقابلہ موسیقی

۴۔ نابینا شعراء کے چار مشاعرے

۵۔ نابینا افراد کے مسائل پر بیس سیمینار کا انعقاد

۶۔ عالمی لائبریری بے بصر مصنفین کا قیام

۷۔ معذورین کے ترجمان جریدہ "بینائی" کے اجراء سے عوام کو بیدار کیا

۸۔ مقامی اور غیر ملکی بے بصر ادیبوں کی چھ ہزار کتب کی لائبریریوں میں تقسیم

۹۔ مفلس اور ممتاز ادیبوں کی کتب شائع کرتے ہوئے ان کی زندگی پر فلمیں بنانا

۱۰۔ یونیورسٹیوں کے تعاون سے "عکس بصیرت" کے نام سے بے بصر ادیبوں کی لائبریری کا قیام

۱۱۔ معذور افراد کی تعلیم و تربیت، تحقیق و جستجو کے لیے آٹھ ایکڑ اراضی پر ادارہ کا قیام

سیاسی و انتظامی کردار:

رانا صاحب نے بے بصر افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور معاشرے میں انہیں بہتر مقام دلانے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ (چھ فلاحی تنظیموں) "پاکستان ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ" (PAB) پنجاب کے سیکرٹری منتخب ہوئے پھر ترقی کرتے ہوئے اِسی تنظیم کے مرکزی صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔

آپ نے "پاکستان لیگ آف بلائنڈ" (PLB) قائم کی۔ بھارت اور روس میں کھیلوں کی نمائش کرتے ہوئے عالمی کرکٹ کلب نابینا افراد" کی بنیاد رکھی۔ جون ۱۹۸۹ ء میں ایشین بلائنڈ یونین، (ABU) اور "ورلڈ بلائنڈ یونین" (WBU) کے ڈائریکٹر کھیل و ثقافت نامزد ہوئے۔ ماسکو میں ہونے والی پہلی عالمی کانفرنس بے بصر مصنفین میں پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں آپ نے نابینا افراد کی ویڈیو کرکٹ فلمیں کانفرنس میں دکھائیں جن کے زیرِ اثر اراکین نے انٹرنیشنل کرکٹ کلب نابینا افراد قائم کرنے کا اعلان کیا جن کا چیئرمین نیوزی لینڈ اور جنرل سیکرٹری پاکستان کو نامزد کیا گیا۔

عالمی فورم بے بصر مصنفین کے ڈائریکٹر اور سپورٹس اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ کی نمائندگی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے چار ممالک سپین، انگلینڈ، مصر اور روس کے دورے کیے۔ جن میں ۳۰۰۰ بے بصر مصنفین کی کتب حاصل کرتے ہوئے ان کی عالمی نمائش منعقد کی۔ قومی، عالمی زبانوں میں تراجم کی اشاعت اور ۴۰۰۰ بینا افراد کی لائبریریوں میں انکی ترسیل کی۔ نابینا طلبا کے لیے ریکارڈ شدہ نصاب اور ادبی کتب فراہم کرنا اور ملک بھر میں تحصیل کی سطح پر ان کے مراکز قائم کرنا۔ کھیلوں کے آڈیٹوریم قائم کرنا۔ ادیبوں کے صوتی اثرات اور فلمی تصاویر کی نمائش کے لیے ادارہ کا قیام کیا۔

۱۹۹۹ء میں معذوروں کے ترجمان جریدے ماہنامہ "بینائی" کے اجراء سے عوام کو بیدار کیا۔ آپ ماہنامہ "بینائی" کے چیف ایڈیٹر اور پبلشر رہے۔[1]

پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا ان کے نام دیے جاتے ہیں۔

علامہ ثاقب افضل، مسز ثمینہ اکرم، ثنیہ زیدی، حافظ محمد حسن نواز اویسی، حافظ خوشی محمد، خرم شہزاد، میاں عبدالرحمن جامی، محمد عبدالستار چشتی، عبدالستار نقشبندی، سردار احمد پیرزادہ، سیّد مکاوی، سلمٰی مقبول، حافظ شبیر حسین، شاہدہ رسول، سید صابر حسین شاہ گیلانی، طہٰ حسین، عبدالحمید سرشار، حافظ عبدالمجید، عُمر دراز، عبدالرزاق، عبدالرحمٰن واحد، عبداللہ البردّونی، عبداللہ بن حمید، عمار الشریعی، عبدالحمید کشک، مولانا عبدالرزاق، شیخ عبدالعزیز بن باز، عمر یعقوب، قاری فتح محمد پانی پتی، ڈاکٹر فاطمہ شاہ، علامہ فیض محمد سیالوی، لیاقت عباس خاں لیاقت، محمد شاہد سلیم، مشتاق احمد قریشی، محمد بن ابراہیم، پروفیسر محمد اکرم، محمد عادل، کیپٹن مشیت الرحمن ملک، مجاہد سجاد، کیپٹن مقبول احمد، قاری محمد حنیف، پروفیسر محمد جمیل قادری، حافظ محمد صدیق، پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، محمد قائم خاں کرمانی، محمد جلال الدین، قاضی نوید ممتاز، حافظہ ڈاکٹر نبلیٰ خاکوانی، نور الدین سالمی، عامر حنیف راجہ وغیرہ۔

خلاصہ بحث:

مقصدِ تخلیقِ انسانی انسان کی عظمت و برتری کی دلیل ہے۔ شرف انسانیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ معرفتِ خداوندی کے ساتھ معرفتِ خودی بھی حاصل کرے۔ اسلام احترامِ آدمیت اور انسانی وقار کا درس دیتا ہے۔ مسلم معاشرے میں تمام انسانوں کے درمیان باہمی تعلقات تعلق باللہ سے منسلک ہوتے ہیں۔ مسلم معاشرے کے تمام افراد بھلائیوں کو فروغ اور نیکیوں کو پھیلانے میں باہم تعاون کرتے ہیں۔ انسان جس قدر کردار کا مظاہرہ کرے گا اسی قدر اس کی عظمت ہو گی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کی عزت و ذلت کا معیار اس کے جسمانی خصائص و نقائص نہیں بلکہ

[1] انٹرویو: رانا تاب عرفانی، ڈاکٹر عبدالغفار، حافظ انتظار احمد، فیصل آباد، ۱۵ مارچ ۲۰۱۷ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عزت و ذلت کا معیار فکر و عمل ہے۔ فکر و عمل اگر درست ہے اور جسمانی لحاظ سے انسان کمزور اور معذور ہی کیوں نہ ہو اسلام کے نزدیک وہ قابلِ عزت، لائقِ تعریف اور کامیاب ہے اس کے برعکس جسمانی طور پر توانا اور صحت، مند انسان اگر ایمان و عمل کے میدان میں کوتاہ ہے تو اسلامی نکتہ نظر سے وہ عزت و شرف کا مستحق نہیں۔

خالقِ کائنات کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت صحت و تندرستی ہے لیکن انسان کی آزمائش کے لیے کچھ کو اس نعمت سے محروم رکھا اور معذور بنایا۔ یہ معذوری جسمانی، ذہنی بصارت یا سماعت کسی بھی لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ ان معذوریوں کی کوئی حادثاتی یا فطری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں جس کا مقصد انسان کو آزمانا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قرآن میں احکامات نازل کیے ان کے لیے اعمیٰ، اعرج، ضریر، اکمہ، غیر اولی الضرر جیسے الفاظ استعمال کر کے ان کے حقوق و فرائض متعین کر دیے۔ ان کے اندر کمی صورت میں سہولت، رخصت اور عذر کی بناء پر چھوٹ بھی دی مثلاً جہاد سے استثناء، دوسرے رشتہ دار و عزیز و اقارب کے گھر سے کھانے کی اجازت، حصولِ تعلیم و تربیت میں غیر مسلم کے مقابلے میں ترجیح دینا۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی خصوصی افراد کو بڑی اہمیت دی اوران لوگوں کو معاشرے کا کارآمد حصہ بنایا۔ خصوصی افراد آپ ﷺ کے حکم سے مؤذن، امام، نائب یا عامل کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ان کو معذوری پر صبر کرنے پر جنت کی بشارت دی لیکن کچھ احکامات میں عام لوگوں کی طرح ان سے رویہ اختیار کیا، مثلاً صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز باجماعت سے رخصت نہ دی اور نابینا سے بھی پردے کا حکم دیا۔

مسلم معاشرے میں صحابہ کرام جو کسی نہ کسی صورت میں معذور تھے انہوں نے اپنی معذوری کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیا اور معاشرے میں صحیح سالم افراد کے ساتھ رہتے ہوئے مسلم معاشرے کی ترقی میں اپنی حیثیت و صلاحیت کے مطابق بھرپور کردار ادا کیا۔ اور اسی طرح تابعین و تبع تابعین میں سے خصوصی افراد نے بھی صحابہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی خدمات جلیلہ پیش فرمائیں اور دنیا کے تمام میادین میں اہم کردار ادا کیا، وہ تفسیر و حدیث ہو یا ادب و فقہ ہر میدان میں علمی و عملی اعتبار سے خدمت فرمائی۔ تمام ادوار میں خصوصی افراد اس دارِ فانی میں تشریف لاتے رہے حتیٰ کہ اس دور میں بھی کثیر لوگ مختلف قسم کی معذوریوں کا شکار ہیں اور بسا اوقات معذور افراد تندرست لوگوں سے علمی و عملی میدان میں بہت آگے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

اِن تمام رجال کی مبارک زندگیوں کا عمیق مطالعہ کرنے کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ موجودہ دور کے خصوصی افراد، حکومت اور عام احباب ان کی طرف دیکھ کر اپنی زندگیوں میں انقلاب برپا کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نتائج البحث:

- اسلام انسانی معذوری کو انسانی عظمت و احترام میں کمی کا باعث نہیں سمجھتا، اور اسے مشیت الٰہی سمجھ کر خصوصی افراد کی خوابیدہ صلاحیتوں کو نکھار کر انہیں معاشرے میں بھرپور کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔
- اسلام نے معاشرے میں خصوصی افراد کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے خصوصی افراد کی خود تعلیم و تربیت فرما کر انہیں معاشرے میں اہم ذمہ داریاں تفویض کیں۔
- مسلم معاشرے کے ہر دور میں خصوصی افراد ہمیشہ سے اہم کردار ادا کرتے آ رہے ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں عبد اللہ ابن ام مکتوم، معاذ بن جبل، عبد الرحمٰن بن عوف، اور خوات بن جبیر رضوان اللہ علیھم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ تابعین و تبع تابعین میں عطا بن ابی رباح، قتادہ بن دعامۃ، سلیمان بن مہران الاعمش، اور حماد بن زید رحمہ اللہ تعالی علیھم علم و ادب کے بے تاج بادشاہ رہے عصرِ حاضر میں ڈاکٹر طٰہ حسین، شیخ عبد العزیز بن باز، حماس کے بانی شیخ احمد یاسین کسی تعارف کے محتاج نہیں۔
- مسلم معاشرے میں خصوصی افراد بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے اور تندرست افراد نے ان کی شاگردی، ماتحتی، اور پیروی میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔
- اسلام کی رو سے معذوری تعلیمی، تبلیغی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور انتظامی کردار ادا کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں جس طرح تندرست افراد یہ کردار ادا کر سکتے ہیں اسی طرح خصوصی افراد بھی تمام کردار بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔
- قرآنی اصول إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ کے تحت معذور اور تندرست افراد کو مساوی حیثیت حاصل ہے تاہم لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کے اصول کے تحت خصوصی افراد کو بعض امور میں سہولت، رخصت اور استثناء حاصل ہے جو کہ بذاتِ خود بڑی عزت افزائی ہے۔
- اسلام معاشرے کو خصوصی افراد کے حقوق کی پاسداری کا حکم دیتا ہے۔ اور خصوصی افراد کے لیے بھی فرائض کی ادائیگی کو لازم قرار دیتا ہے۔
- عصر حاضر میں خصوصی افراد مدارس اور تعلیمی اداروں میں جدید تعلیمی و تکنیکی سہولیات کی عدم دستیابی کے باوجود احسن طریقے سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- اسلام خصوصی افراد سے عام لوگوں سے بھی زیادہ محبت و شفقت کا حکم دیتا ہے۔
- خصوصی افراد کی محرومیوں کے ازالے کے لیے ماحولیاتی رکاوٹوں کو دور کرنا اشد ضروری ہے۔ ان کے لیے قابل رسائی عمارتیں، تعلیمی ادارے، دفاتر اور قابل رسائی ٹرانسپورٹ مہیا کرنا ضروری ہے۔
- عصرِ حاضر میں خصوصی افراد کے لیے سیاست میں شمولیت بے حد ضروری ہے، جدید ٹیکنالوجی سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور ان کے معاون آلات فراہم کیے جائیں جن سے معاشرے بہتر کردار ادا کر سکتے ہیں۔
- ریاست و حکومت کے ذمہ داران کو اس سلسلہ میں خصوصی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے یقیناً ایسے اقدامات ہوتے بھی ہیں۔ جس طرح حکومت پنجاب نے مؤثر اقدامات کیے ہیں بالخصوص تعلیم کے حوالہ سے۔
- معذوری کو روکنے کے لیے (Public Health) کے شعبہ کو موثر بنانے کی ضرورت ہے کہ وہ (Community outreach Programs) کے تحت عوام میں شعور کو بیدار کریں تاکہ نسل نو کو جسمانی کمزوری سے بچایا جائے۔
- یونیورسٹیز بہتر اقدامات کر سکتے ہیں ایسے افراد کی تعلیم اور پھر ملازمت کے لیے جس طرح کہ یونیورسٹی آف اوکاڑہ میں باقاعدہ طور پر سنٹر قائم کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد معاشرہ میں شعور بیدار کرنا ایسے افراد کو تعلیمی اداروں تک لانا تاکہ وہ موثر شہری بن سکیں۔
- بڑی خوش آئند بات ہے کہ یونیورسٹی آف اوکاڑہ میں ایسے افراد کی خصوصی تربیت اور معاونت کے لیے (Centre for Persons with Disability (C.P.D) قائم کیا گیا ہے جس کے ذریعے موثر اقدامات کر کے ایسے افراد Shilled کیا جائے اور ان کے لیے تعلیمی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماج میں غلامی کی روک تھام کے لیے عملی اقدامات،
سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی

قرآن مجید نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کو ایسے احکام دیئے اور رسول ﷺ نے ان ہدایات کو ایسے عملی اقدامات میں ڈھالا کہ غلامی کے ادارے کے ہمیشہ کیلئے ختم ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو دوسری اخلاقی برائیوں کی طرح یہ بھی پورے عروج پر تھی۔ الہامی شریعت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کی اصلاح بتدریج آہستہ آہستہ کرتی ہے۔ اللہ کے نبی پہلے لوگوں کے نظریات، عقائد اور سوچ میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی ذہنوں کو اس تبدیلی کیلئے تیار کرتے ہیں جیسا کہ شراب وسود کے حرمت کے تدریجی احکامات۔ یہی حکمت عملی قرآن کریم نے غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کیلئے اختیار کی۔ اور مساوات انسانی کا درس دیا اور حقوق متعین کیے۔

قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کی صورت میں انہی تدریجی احکامات کا نتیجہ ہے کہ غلام بنانے کا عمل ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ آج روئے زمین پر کہیں بھی اس جاہلی رسمِ غلامی کا وجود نہیں رہا جو طلوعِ اسلام کے وقت رائج تھی۔ غلامی کے حوالے سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اتنے زیادہ احکامات اور اصلاحات کے باوجود، مسلمانوں کی کم و بیش ہزار ہا برس کی حکمرانی میں غلامی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ بالآخر یورپ و امریکہ نے بلکہ امریکی صدر ابراہام لنکن (۱۸۶۵ء۔ ۱۸۰۹ء) نے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن یہ کمزوری ہمارے دین اور شریعت کی نہیں بلکہ ہمارے حکمرانوں کی ہے جنھوں نے اپنی کمزور قیادت کے باعث اللہ تعالی کے احکام کی اسطرح پاسداری نہ کی جس طرح کہ اسکا حق تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اعزاز جو اصل میں اسلام اور مسلمانوں کا فخر بنتا تھا ابراہام لنکن نے حاصل کر لیا ہے۔ اور اس نے یہ کام یقینا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق سرانجام دیا۔

دور حاضر میں غلامی کی جدید اشکال موجود ہیں۔ جس طرح کہ قرض کی بنا پر جبری مشقت، جاگیردارانہ نظام میں جاگیر داروں کے کھیتوں میں نسل در نسل کام کرنے والے زرعی کسان، رقم لے کر یا کسی اور حوالہ سے بیٹیوں کو دوسروں کے سپرد کرنا۔ بچوں کی مشقت و مزدوری انسانی سمگلنگ۔ مقالہ ہذا میں انہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مطالعہ سیرت النبی کی روشنی میں اس مسئلہ میں رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

دین اسلام دنیا کا وہ واحد دین ہے جس نے حقوق انسانی کی بہت تاکید کی ہے۔ اس دین نے نوع انسانی کو جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق و مراعات عطا کی ہیں انکے مطالعہ کے بعد اکثر ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس نے دوسری معاشرتی برائیوں کی طرح غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کی بجائے باقی کیوں رکھا؟ یہ سوال دراصل تب پیدا ہوتا ہے جب اسلام کی جائز کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب و اقوام کی غلامی پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کیے ہیں اور معاشرے میں جو مقام دیا ہے اسکے بعد یہ محض نام کی غلامی رہ گئی حقیقت میں بھائی چارہ بن گئی۔ اس بات کی تصدیق کیلئے ذیل میں غلامی کا مفہوم، جواز اور غلاموں کو عطا کیے گئے حقوق کا جائزہ لیتے ہیں۔[1]

غلامی کا مفہوم:

لغت کی مشہور کتاب "اعجاز اللغات" میں لفظ غلام کے درج ذیل معنی بیان ہوتے ہیں۔

غلام : زر خرید خادم، نوکر، بندہ

غلام بنانا: نوکر بنالینا، مطیع کرنا

غلامی : حلقہ بگوشی، بندگی، قید اسیری، زبردستی سپردگی، تحویل

غلامی اختیار کرنا: ملازم ہونا، مطیع ہونا، اطاعت قبول کرنا، غلام بن جانا۔

غلامی میں دینا: خدمت میں دینا، خدمت کرنے کیلئے دینا پیش کرنا۔[2]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں غلام کے معنی ہیں لڑکا، نوکر، غلام، عبد۔ عبد کے معنوں میں یہ اکثر ایران اور ہندوستان کے اسمائے معرفہ میں ملتا ہے۔[3] معجم المفہرس لالفاظ القرآن کے مطابق قرآن کریم میں لفظ غلام تیرہ مرتبہ آیا ہے۔ (آل عمران 40، یوسف 19، الحجر ۵۳، مریم 7.8. ۱۹.۲۰، الصفات 10، الذاریات 28، الکھف 73. ۸۲.۸۰، الطور 24)[4] ان میں سے آٹھ مقامات (آل عمران، حجر، مریم 21,19,8,7:، الصفت، الذریات) پر لفظ غلام بیٹے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور چار مقامات (یوسف ۱۹، الکھف 12,8,73:) پر بمعنی لڑکا آیا ہے جبکہ ایک مقام ایسا ہے جہاں غلام ہی کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: اور ان کے غلام (خدمت گار لڑکے) ان کے گرد پھریں گے گویا وہ موتی ہیں چھپا کر رکھے گئے۔[5]

---

(1) محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، طبع جدید مئی ۱۹۹۷ء، ۲۴/۸

(2) اعجاز اللغات، ادارہ تصنیف و تالیف سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء، ص ۵۳۲

(3) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول، ۱۹۸۲ء، ج۱۶/ ۲، ص ۵۵۱

(4) فواد، محمد، عبد الباقی، معجم المفہرس لالفاظ القرآن، دار الکتب المصریۃ، ۱۹۴۵ء، ص: ۵۰۴

(5) الطور: ۲۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس آیت میں لفظ غلمان استعمال ہوا ہے جس سے مراد ایسے غلام (لڑکے) ہیں جو جنت میں اہل جنت کی خدمت پر اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہونگے۔ مولانا احمد رضا بریلوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ غلمان سے مراد ایسے لڑکے جنہیں کوئی ہاتھ ہی نہ لگا ہو[1] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اور انکی خدمت کیلئے ایسے لڑکے آئیں گے جو صفائی اور خوبصورتی میں حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے موتیوں کی طرح ہونگے۔[2] جس طرح قرآن کریم میں لفظ غلام متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے اسی طرح احادیث نبویہ ﷺ میں بھی کئی مفاہیم کے لیے آیا ہے جیسے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب وہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آپ ﷺ کے پاس آئے تو انکے ساتھ انکا ایک غلام بھی تھا جو کہ شائد پیچھے رہ گیا اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد آن پہنچا اسے دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے ابوہریرہ سے فرمایا:

«یا اباهریره.....هذا غلامك قد آتاك» ”اے ابوہریرہ یہ تیرا غلام حاضر ہے۔“[3]

اس حدیث میں آپ ﷺ نے 'عبد' کی جگہ غلام کا لفظ استعمال فرمایا یہاں پر اس کا معنی غلام مجازی نکل رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں الفاظ ہیں:

"من ضرب غلاماً له حداً لم یاته اولطمه فان کفارته ان یعتقه"[4]

اس حدیث میں بھی لفظ 'غلام' مجازی غلام کے لیے آیا ہے۔ عمر بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ:

"کنت غلاماً فی حجر النبی ﷺ وکانت یدی تطیش فی الصحفة فقال لی یا غلام! سم الله، وکل بیمینك، وکل مما یلیك"[5]

”میں لڑکا (بچہ) تھا رسول اکرم ﷺ کی گود میں تو میرا ہاتھ (کھاتے وقت) پیالے کے چاروں طرف گھومتا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے، اللہ کا نام لے اور داہنے ہاتھ سے کھا۔“

اس حدیث میں لفظ 'غلام' لڑکا کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ اس

---

(1) بریلوی، احمد رضا، مولانا، کنز الایمان، حافظ کمپنی الوہاب مارکیٹ اردو بازار لاہور، ت ن، ص:۵۸۸

(2) ابن عباس، عبد اللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس مع لباب النقول فی اسباب النزول، مترجم: عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی، کلام کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ۱، 3/ ۲۷۲

(3) بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبد اللہ، امام، صحیح بخاری (مترجم)، کتاب الدعوات، حذیفہ اکیڈمی کمرہ نمبر ۱۲ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ج۳، ص۳۶۹

(4) مسلم، مسلم بن حجاج، ابو الحسن، القشیری، امام، صحیح مسلم مترجم، کتاب الایمان، خالد نعمان پبلشرز نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ج۱، ص۷۳۰

(5) سنن ابن ماجه، ابواب الاطعمة، باب الاکل بالیمین، رقم الحدیث: ۳۲۶۷، ص۴۷۴

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں 'غلام' لفظ دو مرتبہ آیا ہے پہلا خود ابن ابی لیلیٰ نے اپنے لئے کہا جبکہ دوسری مرتبہ جو آیا ہے وہ آپ ﷺ نے ان کے لیے فرمایا اور دونوں ایک ہی مطلب "لڑکا" کے لیے آئے ہیں۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت ایک اور حدیث میں اس طرح ہو رہی ہے:

«قری علینا کتاب رسول اللہ بأرض جھینة وانا غلامُ شابُ ان لا تستمعوا من المیتة باھاب ولا عصب»[1]

"رسول اللہ ﷺ کی کتاب جہینہ کے ملک میں ہمارے سامنے پڑھی گئی اس وقت میں نوجوان لڑکا تھا اس میں لکھا تھا کہ سر دار جانور سے نفع نہ اٹھاؤ نہ اسکی کھال سے نہ اس کے پٹھوں سے۔"

اس حدیث میں غلام کے ساتھ شاب کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے عین شباب میں۔ یہاں پر چونکہ نوجوان کے مفہوم کے لیے شاب کا لفظ آچکا ہے۔ اس لیے غلام کا مطلب ہو گا لڑکا اور ملا کر پڑھیں گے نوجوان لڑکا۔ جبکہ ابن ابی لیلیٰ والی حدیث میں یہ دونوں مفہوم ایک ہی لفظ 'غلام' سے ادا ہو رہے ہیں۔ بالکل یہی انداز عمرو بن سلمہ کی روایت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ۔

«کنا بحاضر یمر.........و کنت غلاماً حافظاً»[2]

ہم ایسے مقام پر تھے جہاں لوگ آتے جاتے ٹھہرتے تھے تو جب وہ رسول اللہ کے پاس سے ہو کر جاتے اور ہم سے بیان کرتے کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا اور میں اس زمانے میں لڑکا تھا اچھے حافظ والا میں نے بہت سا قرآن یاد کر لیا۔

غلامی کی انتہائی سادہ سے الفاظ میں اس طرح تعریف کی جاسکتی ہے کہ ایسا شخص جو اپنی ذات پر کچھ اختیار نہ رکھتا ہو بلکہ اس کی زندگی کے تمام معاملات کسی ایسی ذات کے تابع ہوں جسے وہ دل سے یا صرف زبان سے بڑا، طاقت ور، اور مختار کل تسلیم کرتا ہو اور اس کے سامنے خود کو چھوٹا، کمزور اور بے اختیار جانتے ہوئے اس کے سامنے جھکتا ہو۔ ماضی میں غلامی مختلف اقوام میں ایک معاشرتی رواج کے طور پر رائج رہی ہے۔ رسم و رواج کسی بھی معاشرے کا اہم جزو ہوتے ہیں اور معاشرتی قانون کا بنیادی ماخذ۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان معاشروں میں غلامی کو ایک عمومی حیثیت حاصل تھی اور دیگر رسم و رواج کی طرح یہ بھی تمام معاشروں میں رائج رہی ہے۔ شخصی غلامی میں ایک

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، رقم الحدیث:۴۱۲۷

(2) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ السفر، رقم الحدیث:۵۸۵،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کے سامنے جھک جاتا ہے خود کو مکمل طور پر اس کے اختیار میں دے کر اسکے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اس میں وہ اپنے ان تمام عبدی اقوال واعمال کو تقسیم کر دیتے ہیں جو صرف معبود حقیقی کا حق ہیں یہی تقسیم در حقیقت شرک ہے جو خدا تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾[2] "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔"

غلامی کا آغاز واسباب :

ابتدائی زمانے میں قبیلوں میں انسانی مساوات کا احساس نہ تھا۔ ایک قوم دوسری قوم سے یا ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے جنگ کرتا تھا۔ اس طرح جو قوم یا قبیلہ فاتح ہوتا وہ مفتوح قوم کی عورتوں، مردوں اور بچوں کا یا تو قتل عام کرتا یا غلام بنا کر قید کر لیتا اور ان سے اپنی خدمت کا کام لیتا ایسے انسان غلام اور لونڈیاں کہلاتے۔ بہر حال فاتح قبیلے کو یہ اختیار ہو تا کہ وہ جس طرح چاہے مفتوح کو اپنے آرام و آسائش کیلئے استعمال کرے اس کی خواہش ہو تو مغلوب کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کو قیدی بنا کر رکھے۔[3] کئی قوموں میں یہ رواج تھا کہ مفتوح قوم یا قبیلے کے مرد قتل کر دیئے جاتے اور بچوں اور عورتوں کو زندہ رکھ کر اپنے گھروں میں ان سے کام لیتے۔[4]

مشہور عالم نیبور (Niebore) غلامی کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انسان کو جانور پالنے کی عادت ہوتی ہے اسی عادت نے بڑھتے بڑھتے انسانوں کو پالنے کی عادت کی شکل اختیار کر لی اور اسکو غلامی کہا جانے گا۔[5] ایک مشہور ماہر عمرانیات ہاب ہاؤس (Hobbe House) غلامی کے آغاز واسباب کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس زمانے میں تہذیب و تمدن کا پتہ نہ تھا اور انسانی طبائع پر وحشت و بربریت غالب تھی فاتح قوم یا قبیلہ مفتوح قوم یا قبیلے کے جنگی قیدیوں کو غیظ و غضب میں قتل ہی کر دیتا۔ لیکن پھر جب لوگوں کی اقتصادی اور معاشرتی ضرورتیں وسیع ہوئیں اور ان کو بلا معاوضہ مزدوری کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت انہوں نے اس امر پر غور کیا ہو گا کہ جنگ کے قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے اگر زندہ رکھا جائے تو ان سے کئی معاشرتی و اقتصادی فائدے حاصل کیے جاسکتے

---

(1) احمد، سعید، ایم۔ اے، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ندوۃ المصنفین قرول باغ نئی دہلی، س ن، 1/۷

(2) لقمان:۱۳

(3) اشرف، آغا، اسلام اور غلامی، نذیر سنز پبلی شرز ۴۰۔ اے اردو بازار لاہور۔۱۹۸۷ء، ص: ۷۔۹

(4) کتاب مقدس، سفر، ۱:۳۱۔۳۵

(5) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: ۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔[1] ایک اور مشہور ماہر عمرانیات مسٹر این اے گلبر ٹسن اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک انسان کی دوسرے انسان پر برتری قائم کرنے کے جذبے نے غلامی کو جنم دیا۔[2]

ہندومت میں غلامی کا تصور:

ہندومت چار انسانی طبقات پر مشتمل ہے برہمن، ویش، کھشتری، شودر۔ ان چاروں میں اعلیٰ ترین طبقہ تو برہمن ہے جبکہ انتہائی حقیر اور پست ترین طبقہ شودر ہے۔ دوسرے لفظوں میں شودر مذہبی لحاظ سے پہلے تینوں طبقوں کا غلام طبقہ ہے اور ہندی تعلیمات کی رو سے اس پر یہ فرض ہے کہ وہ پہلے تینوں طبقوں کا ہمیشہ خدمت گزار رہے۔[3] دھرم سوتر میں شودر کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں گوتم یہ قرار دیتا ہے کہ شودر نوکروں کو اونچے ورن کے لوگوں کے پھینکے ہوئے جوتے، چھتریاں، کپڑے اور چٹائیاں استعمال کرنی چاہیئے۔ گوتم کا یہ بھی قول ہے کہ بچا ہوا کھانا شودر نوکروں کیلئے ہے۔[4] ہندی مذہب کی اس طبقاتی تقسیم سے بخوبی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مذہب غلامی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی رو سے شودروں کے لیے جو دفعات تھیں ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ برہمن کے لئے جائز ہے کہ وہ شودروں کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا نہ خریدا ہو۔

۲۔ برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دے۔ لیکن یہی جرم اگر شودر کرے تو اسے زندہ جلا دیا جائے۔

۳۔ شودر اگر برہمن کو گالی دے تو اس کے منہ اور کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈال دیا جائے۔[5]

سنسکرت کی تمام مذہبی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے منوجی کی منوسمرتی کے مطابق غلاموں کی آٹھ

---

(1) اشرف، آغا، اسلام اور غلامی، ص: ۸

(2) ایضاً، ص: ۱۰

(3) مطالعہ مذاہب عالم، ص: ۱۶۰

(4) شرما، رام شرن، ڈاکٹر، شودر قدیم ہندوستان میں نچلے طبقوں کی حیثیت، مترجم: جمال محمد صدیقی، کوئینز روڈ پٹیالہ گراؤنڈ لاہور، ص: ۱۶

(5) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: ۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقسام ہیں جیسے جنگ میں گرفتار ہونا، نان ونفقہ کیلئے برضاورغبت اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دے دینا، کسی لونڈی کے بطن سے پیدا ہونا، زرخرید غلام، بطور ہبہ یا تحفہ کے حاصل کرنا، وراثتاً پانا، سزا کے طور پر غلام بنالینا، بھگت یعنی اونچی ذات کے ہندو کا خادم۔ نارو جی نے غلامی کی پندرہ اقسام گنوائی ہیں جن میں سے آٹھ یہی ہیں باقی میں سے اہم ترین قمار بازی میں ہار کر اور قرض ادا نہ کرسکنے کی صورت میں غلامی اختیار کرنا شامل ہیں۔[1] غلاموں کے اندر پھر ان کے کام کی نوعیت سے ہندو دھرم نے تقسیم کررکھی تھی ایک تو وہ تھے جو گھریلو امور سرانجام دیتے جبکہ دوسری قسم ان غلاموں کی تھی جو غلیظ اور گندے کاموں کے لئے وقف تھے مثلاً اپنے آقا کو حالت برہنگی میں کپڑے پہنانا اور دیگر ایسے کام۔ قدیم ہندو قانون یہ بھی تھا کہ والدین اپنے بچوں کو فروخت کرسکتے تھے یا بطور بخشش کسی کی غلامی میں بھی دے سکتے تھے۔[2]

یہودیت میں غلامی کا تصور:

دنیا کے رائج الوقت مذاہب میں سے ایک اہم ترین مذہب یہودیت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے اس مذہب میں غلامی کی حقیقت وحیثیت پر گفتگو پیش خدمت ہے۔ تالمود کی رو سے یہودیوں میں غلامی کا عام رواج تھا وہ خود بھی مصر میں رامسیس ثانی کے صدیوں تک غلام رہ چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرعون کی غلامی سے نکالا پھر ان کو بخت نصر بابل کے بادشاہ نے غلام بنالیا۔ توریت یہودیوں کی سب سے بڑی مذہبی کتاب ہے اس میں یہودیوں (عبرانوں) کو غلام بنانے اور غلاموں کو آقا کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا گیاہے۔ اسرائیلی غلام چھ برس تک خدمت بجالانے کے بعد آزاد ہوجاتا لیکن غیر اسرائیلی غلام کی غلامی دائمی ہوتی۔[3]

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری اقوام کی نسبت یہودیوں کے ہاں غلاموں کے حقوق زیادہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں غلامی کی مدت سات برس تھی اس کے بعد وہ آزاد ہوجاتا۔ بعض عبرانی تو اپنی باندیوں کو بیوی بنالیتے تھے اور پھر ان کو اپنے گھر کی ملکہ بناکر رکھتے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض غلاموں کا نکاح ان کے آقاؤں کی بیٹیوں سے بھی ہوجاتا تھا۔ یہودی مذہب میں غلاموں کے لئے جو حقوق اور رعایتیں تھیں وہ اسلام سے بہت ملتی جلتی ہیں۔

---

(1) مطالعہ مذاہب عالم، ص:۷۳

(2) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:۲۷

(3) اشرف، آغا، اسلام اور غلامی، ص:۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ اگر کوئی شخص اپنے غیر یہودی غلام کے ساتھ برا معاملہ کرے گا تو اس کو مجبوراً غلام آزاد کرنا ہو گا۔

۲۔ اگر آقا غلام آزاد کرنے کا منشاء زبانی طور پر ظاہر کرتا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور مالک اپنے الفاظ واپس نہ لے سکے گا۔

۳۔ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب قانون یہ تھا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی کسی آزاد عورت سے کرادی یا اس کے سر پر کوئی تعویذ رکھ دیا، یا مذہبی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تین آیتیں ایک مجمع کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا، یا اس کو کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم دیا جو صرف آزاد لوگوں کے لیے ہی مخصوص ہیں تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کا آقا مجبور ہو گا کہ اس کو پروانہ آزادی لکھ کر اور اپنے دستخط ثبت کر کے دے۔[1]

مندرجہ بالا بحث اور اس طرح کے دوسرے قوانین وضوابط سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہودی غلاموں کے ساتھ کس قدر نرم اور قابل رشک معاملہ کرتے تھے وہاں یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ غلاموں کو کس قدر پست اور ذلیل تصور کرتے تھے کہ غلام بحیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ وہ کسی شریف عورت سے نکاح کر سکے، نہ اس لائق تھا کہ مذہبی مجمع کے سامنے مذہبی کتاب کی تین آیتیں تلاوت کر سکے اور نہ ہی اس بات کا حق دار تھا کہ اس کے سر پر ازراہ شفقت ومحبت کوئی تعویذ اس کا آقا اپنے ہاتھ سے رکھ دے۔

عیسائیت میں غلامی کا تصور:

حضرت عیسی علیہ السلام کے پیروکار ان کی مناسبت سے عیسائی کہلائے۔ عیسائی برادری بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور مختلف فرقے اپنے مفاد والے بیانات کو الگ کر کے اپنے حق میں دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے۔ غلامی کے بارے میں مسیحی برادری کے متعلق مسٹر ایل۔ ڈی۔ آگیٹ(LD Agate)لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں کی گئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید میں انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے بر خلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن(Scripture) سے استدلال کر سکتا ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات دی ہیں جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق ہیں۔ ان میں انہوں نے اسکے بھاگے ہوئے غلام اونیسیمس (Onisemus) کو حکم دیا ہے کہ

---

[1] احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:۲۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر اپنے آقا کے پاس واپس چلا جائے۔ سینٹ پال اپنے پیام میں فائل میں سے درخواست کرتا ہے کہ او نیسیمس کا گناہ معاف کر دینا چاہیے لیکن نفس غلامی کی مذمت انہوں نے کہیں نہیں کی ہے۔

انجیل مقدس میں کسی جگہ بھی غلامی کے خلاف کوئی حکم مذکور نہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ حسن معاشرت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کو وصیت کی ہے کہ انہیں چاہیے ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں۔[1] مسیحی علماء غلامی کو انسانی مساوات اور عدل کے خلاف سمجھنے کے بجائے اسے انسانی طبیعت کا تقاضا خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ ان میں بعض افراد احرار ہوں اور بعض غلام۔ غلاموں کے ساتھ عیسائی قوم کا معاملہ اچھا نہیں تھا۔ بازاروں میں ان کی کھلم کھلا تجارت کرتے تھے اور دیگر بازاری چیزوں کی طرح انکی خرید و فروخت کرتے تھے۔ مختلف شہروں میں ان کے باقاعدہ بازار قائم تھے۔ زمین میں ان سے کاشت کاری کرواتے، سخت سے سخت کام لیتے، چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بری طرح زدو کوب کرتے اور سنگین سزائیں دیتے تھے۔[2]

عہد عتیق و عہد جدید کی نصوص سے غلامی کا ثبوت:

یہ امر کہ حضرت محمد خاتم النبین ﷺ کی شریعت سے پہلے جو شریعتیں تھیں ان میں بھی غلامی مشروع ہے اور جو کتابیں ان شرائع کی جانب منسوب کی جاتی ہیں ان میں اس کی تصریح موجود ہے اس بیان کی تصدیق کے لئے تو ریت کی بکثرت آیتیں جو اپنے مخالفوں کے غلام بنا لینے پر دلالت کرتی ہیں ملتی ہیں۔ کتاب استثناء میں ہے: اور جب تو کسی قریہ کے پاس اس سے مقابلہ کرنے کو جائے پہلے اس کو صلح کی طرف بلا پس اگر وہ قبول کرلے اور تیرے لئے دروازے کھول دے تو جتنے فرقے اس میں ہوں گے وہ اخلاص کریں گے اور تیرے غلام بنیں گے تجھے جزیہ دیں گیا۔[3] اور سفر عدد سے ماخوذ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ ہزار آدمیوں کو اہل مدین کے محاربہ کے لئے بھیجا تھا تو ان پر وہ غالب آئے تھے اور ان میں سے سارے مردوں اور پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مویشی سب کے سب کو گرفتار کر لیا تھا اور قریوں، دیہاتوں اور شہروں کو آگ سے جلا ڈالا تھا۔ پھر

---

(1) کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط، ۱۸:۱۔۲۴

(2) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:۱۹

(3) کتاب مقدس، استثناء، ۱۰:۲۰۔۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب وہ لوگ واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے عورتوں کو کیوں زندہ رہنے دیا۔ پھر ہر لڑکے (مذکر بچہ) اور ہر شوہر دیدہ عورت کو قتل کرنے اور کنواری لڑکیوں کے باقی رکھنے کا حکم دیا۔ پس ان لوگوں نے ویساہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھااور غنیمت میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بکریاں بہتر ہزار گائیں اکسٹھ ہزار گدھے بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں۔[1]

پس یہ آیت اس شریعت میں دشمنوں کے یہاں تک کہ لڑکوں اور شوہر دیدہ عورتوں کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ ہی غیر شوہر دیدہ عورتوں کے لونڈی بنالینے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ سفر سموئیل میں ہے کہ مواب کے رہنے والے داوٗد علیہ السلام کے غلام تھے ان کو خراج دیتے تھے۔[2] تیمتھس کی جانب پولس پولس کے پہلے خط کے چھٹے باب میں تصریح موجود ہے کہ وہ تمام لوگ جو غلام ہیں راہ روشن کے نشان کے نیچے ہیں پس انہیں چاہئے کہ اپنے سرداروں کو پورے اکرام کا مستحق سمجھیں تاکہ خدا کے نام اور اس کی تعلیم پر بہتان نہ باندھا جائے اور جن کے سردار مسلمان ہیں وہ ان کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی ہیں بلکہ چاہئے کہ ان کی بہت زیادہ خدمت کریں اس لئے کہ جو فائدے میں شرکت رکھتے ہیں وہ مسلمان اور پیارے ہی لوگ ہیں اس کی تعلیم دے اور اسی کا واعظ کہہ۔[3]

اس نص سے شریعت عیسوی میں غلامی کا ثابت وبرقرار رہنا سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان کے مالکوں کو ان کا غلام بنا لینا اس شریعت میں مشروع نہ ہوتا تو ان کو ان کی اطاعت و خدمت کا ہر گز حکم نہ کیا جاتا اس لئے کہ شرائع سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس کے مکلف کو ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں کیا جاسکتا جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہوا۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان پر اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے اس کی اس امر کے ساتھ تخصیص کر دی گئی کہ وہ ان کو حقیر نہ سمجھیں۔ اور پطرس کے پہلے عام خط کے پہلے ہی باب میں یہ تصریح موجود ہے کہ: اور غلام اپنے مالکوں سے پستی سے پیش آئیں ان کو تمام چیزوں میں راضی رکھیں ان کے خلاف کوئی بات نہ کہیں ان کے ساتھ اچکاپن نہ کریں بلکہ پوری پوری نیکی کے ساتھ امانت سے پیش آتے رہیں تاکہ وہ ہمارے مخلص یعنی اللہ کی تعلیم کو تمام امور میں مزین کریں۔[4] اس نص کے مطابق غلاموں کے ذمہ اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے یہاں تک

---

(1) کتاب مقدس، سفر عدد، ۱:۳۱۔۳۵
(2) ایضًا، سفر سموئیل، ۱:۱۳
(3) ایضًا، پولس کا پہلا عام خط، ۱:۶۔۲
(4) ایضًا، پطرس کا پہلا عام خط، ۱:۱۸۔۲۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ایسے امر میں بھی کہ وہ خدا کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو مثلاً جب مالک اپنے غلام کو زنا کا حکم کرے۔ لیکن شریعت محمدیہ ﷺ میں اپنے مالک کی ایسے امر میں اطاعت کرنا غلام پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ قاعدہ ہے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔[1] مگر جب اس پر جبر وزبردستی کی جائے اور اسے قتل وغیرہ کی دھمکی دی جائے تو اس وقت اس بارہ میں اس کا حکم غیر مملوک اشخاص کا سا ہے یعنی اگر ان پر زبردستی کی جائے تو گناہ زبردستی کی وجہ سے ان کے لئے مباح ہو جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مگر یہ کہ کسی کو مجبور کیا گیا ہو اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو۔[2] اور پطرس کے مذکورہ پہلے خط میں یہ تصریح بھی ہے کہ اے خادموں پوری ہیبت کے ساتھ اپنے مالکوں کے لئے پست ہو جاؤنہ فقط نیک اور نرمی کرنے والوں ہی کے لئے بلکہ سختی سے پیش آنے والوں کے لئے بھی۔[3] اس نص میں اگرچہ لفظ کے اعتبار سے غلاموں کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ خادموں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ قول مالکوں کے لئے اس امر کو معین کرتا ہے کہ خادموں سے غلام ہی مراد ہیں اور اس نص میں اطاعت واجب کی گئی ہے یہاں تک کہ سختی سے پیش آنے والوں کے لئے بھی۔

پس جب اس قوم کے لئے جو شریعت محمدیہ ﷺ پر غلامی کے بارہ میں اعتراض کرتی تھی امور مذکورۃ الصدر ظاہر ہوئے اور ان کی اس شریعت (شریعتِ محمدیہ ﷺ) میں غلامی کے مشروع ہونے کی حکمت اس کے حدود اور شریعت کی وہ عنایتیں اور رعایتیں جو اس نے غلاموں کے ساتھ مدنظر رکھی ہیں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے غلاموں کی راحت محفوظ رہتی ہے بلکہ کبھی کبھی ان کو نعمتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں اور جو جو ان کی غلامی کی مدت کی کمی کا باعث ہو جاتی ہیں کا علم ہوا، اورانہوں نے موسوی وعیسوی شریعت کی ان نصوص میں بھی غور کیا جو غلامی کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتلاتی ہیں کہ غلامی ان دونوں شریعتوں میں موجود تھی تو اس وقت وہ کہنے لگے کہ شریعت محمدیہ ﷺ پر اس بارہ میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ عدل کے موافق حکم ہے اس میں دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کا ضرر اختیار کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عقل کے موافق ہے اور اس میں شفقت، رحمت اور انسانیت کی حتی الامکان رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور اس میں ضرورت کو اسی کے اندازپر رکھا گیا ہے۔[4]

---

(1) الشعراء:۱۵۱

(2) النحل:۱۰۶

(3) کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط، ۲:۲۴

(4) اسحاق علی، محمد، سید، اسلام اور سائنس مترجم، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور نمبر ۲، طبع اول، ۱۴۰۴ھ، ص:۵۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبل از اسلام سرزمین عرب میں غلامی کارواج:

جاہلیت کے زمانے میں عرب میں بالکل یہودیوں کی سی غلامی کا رواج تھا کیونکہ تیرہ سو قبل مسیح میں جب یہودی عرب میں داخل ہوئے تو وہ اپنے رسم و رواج ساتھ لائے اور وہی رواج اہل عرب نے اختیار کر لیے۔ انہی میں سے ایک غلامی کا رواج بھی تھا۔ یہودیوں میں غلاموں کی خرید و فروخت مذہبی طور پر جائز تھی۔ جاہلیت کے دوران اہل عرب میں بھی یہی دستور تھا۔ اس دور میں عرب میں کسی شریف عورت کا گھر غلاموں سے خالی نہ تھا۔ یہ غلام آقائی خدمت بجالاتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی ربیعہ کے بہت سے غلام تھے جو کہ حبشی تھے جن میں سے اکثر حربی خدمات انجام دیتے تھے یعنی آقا کے دشمن قبیلہ سے جنگ کرنا۔ مال غنیمت میں غلام کو حصہ نہ ملتا تھا بلکہ وہ حصہ اس کے مالک کا ہوتا۔ لڑائی میں قید ہونے والوں کو بھی غلام تصور کیا جاتا۔ عبد اللہ بن جدعان تیمی جو حرب فجار میں قریش کا رئیس تھا غلاموں کی تجارت کا ملک التجار تھا۔

جاہلیت میں عرب ایک دوسرے کو تحفے کے طور پر بھی غلام دیتے تھے جو دوسری چیزوں کی طرح ترکے میں وارثوں کو پہنچتے تھے۔ ابو لہب اور عاص بن ہشام نے جو اکھیلا شرط یہ تھی کہ جو ہار جائے جیتنے والے کا غلام بن جائے عاص ہار گیا اور ابو لہب کا غلام بن گیا۔ بشار بن عبد مشہور اسلامی شاعر اور اس کی ماں قبیلہ ازد کے ایک شخص کے غلام تھے اس شخص کی بنی عقیل میں شادی ہوئی تو بشار کی ماں کو مہر میں دے دیا گیا۔ دور جاہلیت میں اگر کوئی عرب غلام خریدتا تو اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے گھر لے جاتا تھا۔[1] زمانہ جاہلیت میں عرب غلاموں کی چھ اقسام تھیں۔

1۔ جنگ میں قید ہو کر آنے والے غلام

2۔ خریدے ہوئے غلام

3۔ قمار بازی میں ہارنے پر غلامی قبول کرنے والے

4۔ قرض ادا نہ کر سکنے والے

۵۔ وہ غلام جو اراضی کی کاشت کرتے تھے اور اراضی کے بک جانے کیساتھ ہی بک جاتے۔ روم کی قدیم سلطنتوں میں ان غلاموں کو سراف بھی کہا جاتا تھا۔

۶۔ ایک اور قسم کے غلام جن کا ذکر دور جاہلیت کے عربی غلاموں کی تاریخ میں آتا ہے موالی کہلاتے تھے۔

---

[1] احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: ۱۰۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہودی مدینہ میں یمن کے عربوں اوس اور خزرج کے وطن اختیار کرنے سے پہلے مقیم تھے جب اوس و خزرج کے امیر مالک بن عجلان نے شام کے شاہ غسلان کی مدد سے مدینہ کے یہودیوں کو تنگ کرنا شروع کیا تو وہ اوس و خزرج کے موالی بن گئے اور رسول اکرم ﷺ کے زمانے تک موالی رہے۔ موالی کی متعدد اقسام تھیں مثلاً مولیٰ العتاقۃ، مولیٰ العقد، مولیٰ النعمۃ، مولیٰ الرحم [1]

دینِ اسلام میں غلامی کا جواز:

اسلام کا سب سے بڑا مستند اور جامع دستور العمل قرآن کریم ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسی میں غلامی کے جواز وعدم جواز کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر غلاموں کا ذکر آیا ہے [2] انہیں آزاد کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے متعلق بھی ارشادات ملتے ہیں لیکن کہیں بھی غلام بنانے کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں البتہ ایک جگہ جنگی قیدیوں کا ذکر ملتا ہے لیکن اس سے بھی یہ مراد بالکل نہیں ہے کہ انہیں غلام بنائیں اور ویسا برتاؤ کریں جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہالے۔ [3]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کا اس آیت کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق نازل ہوئی جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے مشورہ کو رد کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے پر عمل فرمایا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سب قیدیوں کو قتل کر ڈالنے کو کہا تھا جسے آپ ﷺ کی نرم خو طبیعت نے گوارہ نہیں کیا۔ جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے یہ تھی کہ جو فدیہ ادا کر سکتے ہیں وہ فدیہ دے دیں اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے عوض آزاد کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہر گز نہ تھی کہ قیدیوں کو غلام سمجھ کر نفرت وحقارت کی وجہ سے انہیں جان سے ماردو بلکہ یہ مصلحت کار فرما تھی کہ جب تک نبی کو زمین پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اس کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے پاس

---

(1) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: ۱۰۹

(2) فواد، محمد، عبد الباقی، معجم المفہرس لالفاظ القرآن، دار الکتب المصریۃ،، ۱۹۴۵ء، ص:۵۰۴

(3) الانفال:۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیدیوں کو زندہ رکھے۔[1] لیکن جب اسلام غالب دین بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو انکو تو مضبوط باندھ لو قید کر کے پھر یا احسان کر و یا معاوضہ لو جب تک کہ وہ رکھ دیں لڑائی سے ہتھیار۔"[2]

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ جب قتال کے ذریعے کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے انہیں قید کر لیا جائے۔ پھر ان قیدیوں کو یا تو احسان کرتے ہوئے بغیر فدیہ چھوڑ دیا جائے یا معاوضہ لیکر۔ یعنی مسلمانوں کے حالات وضروریات کے مطابق امام المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ ان میں سے جو چاہے صورت اختیار کر لے۔[3]

قطع نظر اس سے کہ مسلم اور غیر مسلم غلاموں میں کبھی کبھی تمیز روا رکھی گئی ہے فقہ اسلامی غلاموں کی صرف ایک ہی قسم کو تسلیم کرتی ہے بلالحاظ اس کے کہ یہ غلام کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی غلامی کا سبب کیا ہے۔ دستور غلامی صرف دو ذریعوں کے سبب زندہ ہے اولاً یہ کہ کوئی پیدائشی غلام ہو، ثانیا یہ کہ کوئی جنگی قیدی ہو۔ ان میں سے بھی موخر الذکر کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مسلمان غلامی کی حالت میں تو رہ سکتا ہے لیکن غلام بنایا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا قانوناً مسلمان غلام صرف وہ ہیں جو ان دو حالتوں میں پیدا ہوئے یا جو اسلام لانے سے پہلے غلام تھے۔

مسلمانوں میں ہمیشہ غلاموں کی تعداد کم کرنے کے رجحانات موجود رہے ہیں اول تحریر یعنی آزاد کرنے سے، دوم فطرت انسانی کا لحاظ کرتے ہوئے۔ چونکہ شریعتِ اسلام کے مطابق ہر بچہ پیدائش کے وقت عموماً ماں کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے چاہے وہ غلام ہو یا آزاد۔ ہاں مگر اس قانون میں ایک استثناء موجود ہے جس کی اہمیت اس کی ہمہ گیری کے سبب اور بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر باپ آزاد اور ماں مملوکہ لونڈی ہو تو بچہ آزاد سمجھا جائے گا کیونکہ بہر حال بچہ اپنے باپ سے پہچانا جاتا ہے اور اگر اس بچے کو پیدائشی غلام تصور کر بھی لیا جائے تو کس کا؟ اپنے باپ کا یا ماں کا؟ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں تو یقیناً بچہ آزاد ہے۔ مجموعی طور پر یہ امر باعث مسرت ہے کہ فقہاء غلامی کو ایک مستثنیٰ حالت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی اصل آزادی ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ لقیط

---

[1] مودودی، ابو الاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، چودھواں ایڈیشن، سن اشاعت دسمبر ۱۹۸۰ء، ۲/۱۵۹

[2] محمد:۴

[3] معارف القرآن، ۷/ ۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(وہ بچہ جو کہیں پڑا ملے) جس کی اصل نسل معلوم نہ ہو سکے تو وہ بچہ آزاد ہی سمجھا جائے گا۔[1] بہر حال غلامی کی اس ایک صورت کے علاوہ باقی تمام کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے اور ان کے خاتمے کے لئے مؤثر اقدام کئے ہیں۔

دینِ اسلام میں غلاموں کے حقوق و مراعات:

دینِ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے حقوق العباد میں والدین، رشتہ دار، دوست احباب اور دوسرے تمام متعلقین کے ساتھ ساتھ بڑے ہی واضح اور قطعی انداز میں غلاموں کے حقوق بھی مقرر کر دیئے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جس طرح انسان دوسرے تمام حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں گنہگار ہو گا ویسے ہی غلاموں کے بارے میں بھی اس سے پوچھ گچھ ہو گی۔ اسلام نے غلاموں کو جن حقوق سے سرفراز کیا ان کا مختصر جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ دور نبوی ﷺ کے سب غزوات دفاع و تبلیغ حق کے لئے تھے نہ کہ مالِ غنیمت یا دوسری دنیاوی اغراض کے لئے۔ ان غزوات اور سرایا میں بعض اوقات فریق مخالف کے کچھ لوگ گرفتار ہو کر آتے رسول اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ مصالحانہ برتاؤ فرماتے۔

غزوہ بدر میں کفار کے ستر کے قریب لوگ مارے گئے اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ ان میں اسلام کے بہت بڑے دشمن نضر بن حارث اور عتبہ بن ابی معیط بھی تھے۔ نضر بن حارث اپنے اشعار میں رسول اکرم ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا جبکہ عتبہ بن ابی معیط اپنی غلط حرکات سے اکثر رسول اکرم ﷺ کو اور مسلمانوں کو پریشان کیے رکھتا تھا یہی شخص تھا جس نے مکہ میں رسول اکرم ﷺ کے اوپر نماز کے دوران اوجھڑی ڈال دی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں کو قتل کا حکم دے دیا کیونکہ یہ امن عامہ کے لئے بہت بڑا خطرہ تھے باقی قیدیوں میں سے جو فدیہ ادا کرنے کی طاقت رکھتے تھے انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جو پڑھے لکھے تھے انہیں دس دس مسلمان بچوں کو پڑھانے کے عوض آزاد کر دیا گیا اور جو ایسے تھے جو نہ فدیہ دے سکتے تھے اور نہ پڑھے لکھے تھے انہیں ویسے ہی احسان کے طور پر آزاد کر دیا گیا۔

غزوہ بنی قینقاع مدینہ کے یہودی قبیلے بنی قینقاع کی خلاف لڑا گیا۔ اس کا سبب غزوہ بدر میں یہودیوں کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی تھا۔ پندرہ دن کے رسول اکرم ﷺ کے محاصرے کے بعد بالآخر اس امر پر اتفاق ہوا

---

[1] اشرف، آغا، اسلام اور غلامی، ص:۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ یہودی اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ نکل جائیں، ان کے تمام اسیر انِ جنگ کو مسلمان رہا کر دیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس پر عمل کرتے ہوئے انکے قیدی رہا کر دیئے اور انہیں اپنے عیال کے ساتھ مدینہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔ فتح مکہ کے بعد ہوازن و ثقیف کے رؤساء نے بغاوت کر دی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس بغاوت کے فرو کا ارادہ فرمایا۔ لڑائی میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا۔ چھ ہزار اشخاص گرفتار ہوئے۔ ہوازن کا ایک وفد جس کا سردار زہیر تھا اس نے آپ ﷺ سے قیدیوں کے متعلق عرض کی کہ یارسول اللہ آپ ﷺ ان پر احسان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان تمام جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ عورتیں اور بچے بھی واپس کر دیئے اور ہر قیدی کو ایک قبطی کپڑا دیا۔

غزوہ طائف میں تقریباً بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو رہا تھا آخر کار آپ نے محاصرہ ختم فرمادیا اور یہ منادی کروادی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر نیچے آئے گا وہ آزاد ہو گا۔ طائف کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور ان غلاموں کے لوٹانے کا مطالبہ کیا آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوٹائے نہیں جاسکتے کیونکہ وہ خدا کے آزاد کردہ ہیں۔(1)

۲۔ انسان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز اس کی جان ہے مگر غیر مسلم اقوام کے نزدیک غلام کی جان جانوروں کی جان سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی وہ اگر قتل کر دیا جاتا تو کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ تھا۔(2) اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس معاملے میں اس نے آزاد اور غلام دونوں کو یکساں کر دیا لہذا جس طرح آزاد کا قاتل واجب القصاص ہے ویسے ہی غلام کا قاتل بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان پر فرض کر دیا کہ نفس کے بدلے میں نفس ہی دیا جائے۔(3) تم پر خون کا بدلہ خون لینا فرض کر دیا گیا ہے۔(4) قرآن کریم کی یہ دونوں آیتیں مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حر کا قصاص حر اور عبد دونوں سے لیا جاسکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ عبد کا قصاص بھی حر اور عبد دونوں سے لینا جائز ہے۔ اس عمومی مفہوم ہی کی بناء پر فقہاء احناف کا اس پر اجماع ہے کہ **یقتل الحر باالعبد والعبد بالحر**: حر کو عبد کے بدلے اور عبد کو حر کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔(5) اسی

---

(1) اشرف، آغا، اسلام اور غلامی، ص:۱۴۸

(2) امیر علی، سید، فتاوی عالمگیری مترجم، حامد اینڈ کمپنی، مدینہ منزل اردو بازار لاہور، س ن، ۳/ ۲

(3) المائدۃ:۵۴

(4) البقرہ:۱۷۸

(5) جصاص، ابو بکر، احمد بن علی، الرازی، علامہ، احکام القرآن، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامیونیورسٹی اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ۱/ ۱۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات کے موافق آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ **المسلمون تتکافادماءھم** یعنی تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔[1]

۳۔ اسلام سے قبل غلام اپنے مالک کی طرف سے جنگوں میں شرکت کرتے تھے اور ان کا مال غنیمت میں سے جو حصہ ہوتا تھا وہ ان کے مالکوں کا حصہ تصور ہوتا تھا۔ اسلام نے اس تفریق کا خاتمہ کر دیا اور مال غنیمت میں غلام کو حر کے برابر حصہ دیا کیونکہ یہی انصاف کا تقاضا ہے فرمان الٰہی ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار بنو۔[2] حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ بیت المال کی تقسیم میں برابری کرتے تھے مثلاً سابقین و اولین اور اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے اور آزاد میں اور غلام میں اور مرد اور عورت میں یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ بیت المال سے جو وظائف تقسیم کرتے تھے ان میں بھی آزاد اور غلام کی تفریق نہ کرتے تھے۔[3] حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اہل موالی کی مردم شماری کرائی اور ان کے وظیفے مقرر کئے۔ ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے ہر نفس مسلمہ کے لئے ہر مہینے میں دو مد (ایک پیمانہ) گیہوں اور دو قسط زیتون کے اور دو قسط سرکہ کے مقرر کر دیئے ہیں اس پر ایک شخص نے پوچھا والعبد یعنی کیا غلام کو بھی اتنا ہی ملے گا فرمایا نعم والعبد ہاں غلام کو بھی۔[4] سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ کہتے سنا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر ایک کا اس بیت المال میں حصہ ہے اور اس معاملے میں کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں بلکہ رسول اللہ کی تقسیم کے مطابق چلنا ہو گا۔ نیز ہر ایک کے اسلامی کارناموں، اسکی دولتمندی اور ضرورت اور قدیم اسلام لانے کے تعلقات کا لحاظ کرنا ہو گا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفاء کے ایک چرواہے کو اسکا حصہ وہیں بیٹھے بیٹھے ملے گا۔[5]

۴۔ انسانیت کے حقوق میں سے ایک حق شادی کا بھی ہے اسلام سے پہلے لوگ اپنے آرام و آسائش کی خاطر

---

(1) بہنسی، احمد فتحی، ڈاکٹر، القصاص فی الفقہ الاسلامی، مترجم: مولانا سید عبد الرحمن بخاری، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور، ص۷۸

(2) النساء:۱۳۵

(3) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص۱۶۱

(4) ایضاً، ص:۱۶۲

(5) طبری، ابن جعفر بن جریر، علامہ، تاریخ طبری، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد، حصہ سوم خلافت راشدہ (حصہ دوم)، نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ کراچی نمبر ا، اشاعت اول۔ دسمبر ۱۹۶۷ء، ص:۲۰۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلاموں اور باندیوں کو اس حق سے محروم رکھتے تھے۔ عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بعض اوقات غلاموں کی شادیاں کر وادیتے تھے لیکن پھر جب چاہتے میاں بیوی میں مفارقت کر وادیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو انتہائی ناپسند فرمایاہے اور دین اسلام میں انہیں ان کے اس بنیادی حق سے سرفراز کیاہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: تم اپنی غیر شادی شدہ عورتوں اور اپنے غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو۔[1] قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وفیہ دلیل علی وجوب تزویج المولیۃ والمملوك"[2]

"اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ غلام اور باندی کا نکاح کرناواجب ہے۔"

یہ بھی ضروری نہیں کہ غلام کا نکاح صرف باندی سے ہی ہو سکتا ہے غلام آزاد اور شریف عورت سے بھی نکاح کر سکتاہے۔ خود رسول اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کروایااور جب دونوں کا نباہ نہ ہو سکاتو خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا۔[3]

اسی طرح ایک باندی بھی ایک آزاد شخص سے نکاح کر سکتی ہے اس کے لئے بھی رسول اکرم ﷺ نے کئی ایک مثالیں چھوڑی ہیں مثلاً آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایاجو ثابت بن قیس کی جاریہ تھیں اور انہوں نے ثابت سے کاتبت کر لی تھی رسول اکرم ﷺ نے خود ان کی طرف سے بدل مکاتبت ادا کیا اور آزاد ہونے کے بعد ان سے عقد فرمایا۔[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے بنو بیاختہ کے کسی خاندان میں رشتہ کر ناچاہا، رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا اور اس خاندان والوں سے فرمایا کہ وہ اس رشتہ کو منظور کر لیں انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ ہم کو حکم کرتے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کے نکاح غلاموں سے کر دیں؟[5]

---

(1) النور:۳۲

(2) بیضاوی، عبداللہ بن عمر، ناصر الدین ابی الخیر، انوار التنزیل واسرار التاویل، الجزالثانی، شرکۃ مکتبہ ومطبعۃ مصطفٰی البانی الحلبی واولادہ بمصر، الطبعۃالاولیٰ، ۱۳۵۸ھ، ص: ۹۹

(3) سعید احمد ایم اے، مولانا، غلامان اسلام، مکتبہ القریش، چوک اردوبازار لاہور، سن اشاعت ۱۹۹۷ء، ص:۳۸

(4) احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:۱۶۵

(5) ابن عباس، عبداللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس مع لباب النقول فی اسباب النزول، مترجم: عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی، ج سوم، کلامی کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ا، ص: ۲۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

"اے لوگو: ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف گروہوں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مستحقِ کرامت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے تحقیق اللہ ہی جاننے ولا خبر رکھنے والا ہے۔"(1)

اور صرف یہی نہیں کہ آقا پر غلام یاباندی کا نکاح کرنا ضروری ہے بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو اچھی تعلیم وتربیت دے اور پھر اس کو آزاد کر کے خود اس سے نکاح کرلے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔(2)

۵۔ غیر مسلم قوموں میں غلام کو یہ جرات نہ تھی کہ وہ اپنے مولیٰ کے کسی فعل پر نکتہ چینی کرسکتے خواہ وہ بات کتنی ہی جائز اور درست ہو۔ اگر کسی غلام سے کبھی ایسی کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو اس پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا جاتا۔ لیکن اسلام نے انسانیت کے ناتے آزاد اور غلام تمام لوگوں کو فکری و قولی آزادی کی جس نعمت سے نوازا ہے اس کی دنیا میں کہیں کوئی مثال نہیں۔ اسلام نے غلام کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بغیر کسی خوف وہراس کے اپنے آقا کے غلط فعل پر نکتہ چینی کرے اور ایسا کرنا نہ صرف اس کے لئے جائز بلکہ موجب اجر و ثواب ٹھہرایا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: غلام اپنے آقا کو نصیحت کرے اور اللہ کی عبادت بھی اچھی طرح بجالائے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ حضرت ابورافع کو جب آزاد کیا گیا تو وہ رو پڑے لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: پہلے میرے لئے دو اجر تھے اب ایک ہی رہ گیا۔(3)

۶۔ قرآن کریم میں جن جن لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے ان لوگوں میں غلام کا ذکر بھی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

"اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قرابت والوں یتیموں، محتاجوں، پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضے میں ہیں ان سب کے ساتھ حسن سلوک کرو کیونکہ اللہ تعالی ان لوگوں

---

(1) الحجرات:۱۳

(2) تھانوی، اشرف علی، مولانا، تفسیر ابن عباس (مترجم)، ج۳، ص ۲۵۴، کلام کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ا

(3) احمد، سعید، اسلامی میں غلامی کی حقیقت، ص ۱۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو پسند نہیں کرتا جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔"[1]

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول اکرم ﷺ کے غلام تھے جو نزول وحی سے بھی پہلے آپ ﷺ کے پاس رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا برتاؤ ان کے ساتھ اس قدر کریمانہ تھا کہ لوگ عموماً ان کو زید بن محمد کہتے تھے۔ خود زید رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی آپ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب ان کے خاندان کے لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور زید کو واپس کرنے کی درخواست کی تو زید نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔[2]

۷۔ کسی غلام کو مارنے پیٹنے کا سوال تو دور رہا صحابہ کرام غلاموں اور لونڈیوں کو برا کلمہ تک کہنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اپنے ایک دوست کے گھر گئے دوست اس وقت گھر پر موجود نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود نے دوست کی بیوی سے پانی طلب کیا انہوں نے اپنی لونڈی کو بھیجا کہ پڑوس میں سے دودھ لے آئے۔ اتفاقاً اس لونڈی کو آنے میں دیر ہوگئی اس عورت نے غصہ میں آکر لونڈی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور اس پر لعنت کی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ یہ سن کر فوراً وہاں سے واپس آگئے دوست سے ملاقات پر اس نے نہ رکنے کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ آپ کی بیوی نے لونڈی پر لعنت کی حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر لعنت اس شخص کو کی جائے جو اس کا مستحق نہ ہو تو لعنت لوٹ کر لعنت بھیجنے والے پر ہی پڑتی ہے۔ اس بناء پر مجھ کو خوف ہوا کہ شاید باندی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بیوی پر لوٹ کر آئے جس کا سبب میں بن جاؤں لہذا میں اس خدشہ کے باعث لوٹ آیا۔[3]

۸۔ از روئے احکام فقہ غلاموں کے لئے حدود و عقوبات بہ نسبت احرار کے نصف ہیں گویا جس جرم کی پاداش میں ایک آزاد کو اسی کوڑے کی سزا ہو سکتی ہے وہی جرم اگر غلام سے سرزد ہو جائے تو چالیس کوڑے لگیں ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کہتے ہیں: اگر غلاموں کے لئے انتہائی سزا (جو آزاد کے لئے ہے) شروع کر دی جائے تو اس سے ظلم و جور کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس طرح پر کہ ایک آقا اپنے غلام کو قتل کر دے گا۔ اور بہانہ یہ کرے گا کہ اس نے زنا کیا تھا اور پھر اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہوگی۔ اس بناء پر غلاموں کے لیے حدود کو اس

---

[1] النساء:۳٦

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۳، ص ۴۲

[3] عمادی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم،، نفیس اکیڈمی و مسعود پبلیشنگ ہاؤس سٹریچن روڈ کراچی نمبر ا، طبع دوم، ۱۹۷۷ء، ۳/ ۲۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حد تک کم کر دیا گیا ہے کہ ہلاکت پر منتج نہ ہوں۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلام کو محض غلام ہونے کی وجہ سے زیادہ سزا نہ مل جائے۔ ایک غلام نے ایک باغ سے کھجور کا خوشہ چرا لیا۔ باغ کے مالک نے غلام کے آقا مروان بن حکم سے اس کی شکایت کی اس نے اپنے غلام کو قید کر دیا اور چاہا کہ اس پر حد سرقہ نافذ کرے۔ وہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام معاملہ کہہ سنایا اس پر انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ: پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ یہ سن کر رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آقا سے کہا کہ پھر آپ ذرا یہ حدیث مروان بن حکم کو بھی سنا دیجئے۔ حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروان کے پاس گئے اور یہ حدیث ان کے گوش گزار کی تو انہوں نے غلام کو فوراً رہا کر دیا۔[2]

۹۔ اسود بن ابی زید سے روایت ہے کہ جب کوئی وفد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتا تھا تو آپ اس سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے علاقے کا گورنر کیسا ہے؟ وہ کہتے کہ بہت اچھا آدمی ہے۔ پھر دریافت کیا کرتے کہ: وہ تمہارے بیماروں کی عیادت کرتا ہے یا نہیں؟ وہ جواب دیتے: جی ہاں۔ آپ پھر پوچھتے: غلاموں کی عیادت کرنے بھی جاتا ہے یا نہیں؟ وہ کہتے کہ ہاں جاتا ہے۔ پھر پوچھتے کہ ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ ان غریبوں کو اس کے دروازے پر بیٹھنے کی اجازت بھی ہے یا نہیں۔ اگر ان تمام سوالوں کا جواب اثبات میں دیتے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے معزول کر دیتے تھے۔[3]

۱۰۔ اسلام میں امامتِ نماز بہت بڑا شرف و امتیاز ہے۔ جب تک رسول اکرم ﷺ حیات رہے خود نماز پڑھاتے رہے اخیر وقت میں یہ فریضہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو حذیفہ کے غلام سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں امامت کرواتے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں مہاجرین اولین جن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہوتے تھے اور ایک غلام کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے۔[4] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(1) ولی اللہ، شاہ، محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، دار الاشاعت اردو بازار کراچی نمبر ا، ت ن، ۲/ ۱۶۰

(2) اشرف، آغا، اسلام اور غلامی، ص: ۵۱

(3) ابن سعد، طبقات، ص: ۱۸۴

(4) سعید احمد، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: ۱۹۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جو آزاد کردہ غلام تھے کوفہ کا امام نماز اور کپتان فوج بنایا۔[1]

۱۱۔ اگر غلام اپنے آقا کو رب کہے یا آقا اپنے غلام کو عبدی ان دونوں سے ڈر اور تکبر کی بو آتی ہے اس لیے رسول اکرم ﷺ نے ان ناموں کو ناپسند فرمایا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ تم میں سے کوئی میرا غلام یا میری لونڈی نہ کہے اور نہ غلام یا لونڈی مالک کو میرا رب کہے۔[2]

اسلام میں غلاموں کے لیے جو نام اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے غلام کو وہ تمام حقوق عطاء کیے ہیں جو ایک انسان ہونے کے ناطے اس کا حق ہیں ایسے القابات مثلاً مولیٰ، فتیٰ اور خادم مذکر کے لیے جبکہ جاریہ، فتاۃ اور امۃ مونث کے لیے آئے ہیں۔ صرف "عبد" ہی ایک ایسا لفظ ہے جو حر کے مقابل بولا جاتا ہے لیکن اول تو رسول اکرم ﷺ نے غلام کو اس لفظ سے پکارنے سے منع فرمایا تھا اور دوسرا یہ کہ عبد کو اللہ کی طرف مضاف کر کے اصرار پر بھی بولتے ہیں۔[3]

اسلام میں غلام آزاد کرنے کی تدابیر:

اسلام میں چونکہ آزادی کو اصل مانا گیا ہے لہذا مختلف انداز میں مسلمانوں کو غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے کچھ مواقع ایسے رکھے گئے ہیں کہ جن کے ذریعے غلام خود اپنے آقا سے آزادی حاصل کر سکتا ہے جبکہ کچھ معاملات و اسباب ایسے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کو کسی گناہ و جرم کے ازالہ و کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ذرائع درج ذیل ہیں:

۱۔ مکاتبت: جس طرح شریعت اسلام میں عورتوں کے لیے خلع کا حق رکھا گیا ہے بالکل اسی طرح غلاموں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آقا سے مکاتبت کرلے، یعنی غلام خود کہے یا اس کا آقا یہ کہہ دے کہ وہ اتنے پیسے کما کر آقا کو ادا کرے اور پھر آزاد ہو جائے۔[4] قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک گردنیں آزاد کروانا ہے۔[5] اور اس مصرف کی بہترین شکل یہی ہو سکتی ہے کہ جو غلام مکاتبت کر چکے ہیں ان

---

(1) سعید احمد، اسلامی میں غلامی کی حقیقت، ص:۷۲

(2) صحیح مسلم، کتاب السلام، رقم الحدیث:۵۸۷۷

(3) سنن ابی داود، کتاب الادب، 2/701

(4) امیر علی، سید (مترجم) فتاوٰی عالمگیری، ص۳۹۶، ج۷، حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل اردو بازار لاہور

(5) التوبہ:۶۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے مقررہ رقم ادا کر کے انہیں آزادی کی نعمت سے سر فراز کیا جائے۔[1]

۲۔ مدبر: بعض لوگ اپنی معاشی ضرورتوں اور کچھ دوسرے معاملات کی وجہ سے غلام آزاد نہیں کرنا چاہتے تو ایسے لوگوں کے لیے اسلام نے یہ سہولت رکھی ہے کہ وہ غلام کے لیے کچھ ایسی تدابیر پیدا کر دیں جو ان کی آزادی کے لیے راہ ہموار کر سکیں۔ یعنی کچھ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ان کی ضرورتوں کا بھی حرج نہ ہو اور غلام آزادی سے بھی محروم نہ رہے ایسی کسی تدبیر کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے والے کو مدبر کہتے ہیں۔[2]

۳۔ آقائی وصیت : اس سے مراد یہ ہے کہ آقا اپنی زندگی میں تو غلام کو آزاد نہ کرے لیکن یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے اس چیز کو تدبیر کہتے ہیں۔ بظاہر تو آقائی وصیت اور تدبیر ایک ہی چیز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ وصیت سے رجوع کیا جا سکتا ہے یعنی تبدیل کر سکتا ہے لیکن تدبیر کو واپس یا تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس تدبیر کے بعد آقا اپنی زندگی میں پھر اس غلام کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ۔[3]

۴۔ ام ولد: اصطلاح شرع میں ام ولد اس جاریہ کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو۔ ایسی لونڈی کے بارے میں ہے کہ اس کا بچہ اسے آزاد کرا دیتا ہے۔[4] جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہے کہ جب ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بیٹے نے اس کو آزاد کرا دیا۔[5] فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو لوگوں کو جن میں سے ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان ایک بچہ کہیں پڑا ملے اور اس کے متعلق مسلمان کا یہ دعویٰ ہو کہ میرا غلام ہے جبکہ کافر اپنا بیٹا ہونے کا مدعی ہو تو وہ بچہ اس کافر کو دے دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو دیا گیا تو وہ غلام ہو جائے گا اور اگر کافر کو دیں تو وہ آزاد ہو گا اور چونکہ اسلام میں آزادی اصل ہے لہذا اس کی آزادی کو مد نظر رکھتے ہوئے کافر کے دعویٰ کو مسلمان پر فوقیت دی جائے گی۔ لقیط اٹھانے والے کا مملوک نہ ہو گا سلطان وقت اسکا ولی تصور کیا جائیگا۔ اسکا نفقہ اور جرم کا جرمانہ بیت

---

(1) لیلہ بختیار، اسلامی شریعت کا انسائیکلو پیڈیا، مترجم: یاسر جواد، نگارشات پبلیشرز حبیب ایجوکیشنل سنٹر، ۲۴۔ مزنگ روڈ لاہور ۲۰۰۸ء

(2) عاشق الٰہی، مفتی، عبادات و معاملات سے متعلق بنیادی فقہی احکام، مترجم: مولانا عبد الغنی طارق، ص۹۳، ج۲، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ڈی ۴۳/۷ لسبیلہ چوک اردو بازار کراچی، سن طباعت ۲۰۰۱، ص:۷۸

(3) امیر علی، سید (مترجم) فتاوٰی عالمگیری، ۴۹۱/۹

(4) عاشق الٰہی، مفتی، عبادات و معاملات سے متعلق بنیادی فقہی احکام، ۹۴/۲

(5) طبقات ابن سعد، حصہ ہشتم، ص:۲۹۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المال پر ہو گا۔[1] جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق لقیط کی ولاء اٹھانے والے کے ذمے اور اخراجات بیت المال یعنی حاکم وقت کے ذمے ہوتے ہیں۔[2]

۵۔ ولاء: آزاد ہونے کے بعد غلام اور اس کے آقا کا تعلق یک لخت منقطع کر دینا کچھ نامناسب محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے غلام کے آزاد ہونے کے بعد بھی اس چیز کا لحاظ رکھا ہے کہ وہ جب تک چاہے اپنی مرضی سے اپنے آقا کے پاس رہ سکتا ہے۔ آقا اور غلام کے تعلق کو غلام کے آزاد ہونے کے بعد بھی ایک مخصوص طریقہ سے باقی رکھا گیا ہے۔ اسی چیز کو شرعی اصطلاح میں "ولا" کا نام دیا گیا ہے ایسے آزاد کردہ غلام مولیٰ کہلائے۔[3] جیسے حضرت زید بن حارثہ رسول اکرم ﷺ کے غلام تھے۔ آپ نے انہیں پورا آزاد کر دیا لیکن وہ اس کے بعد بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور زید بن حارث مولیٰ رسول اللہ ﷺ کہلائے۔[4]

متعدد گناہوں کے کفارے کے طور پر بھی اسلام نے میں غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مثلاً

ا۔ کفارہ قتل خطا: اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو خطاً قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے: اور اگر کوئی کسی مسلمان کو خطاً قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت دے مگر اس وقت جبکہ وہ معاف کر دیں۔[5]

۲۔ کفارہ ظہار: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی محرمات یعنی ماں یا بہن سے تشبیہ دے دے جسے شریعت اسلام میں "ظہار" کہتے ہیں تو کفارہ کے طور پر وہ یا تو ایک غلام آزاد کرے یا پھر ساٹھ دن کے روزے رکھے یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ان تینوں میں سے اولیت غلام آزاد کرنے کو ہی دی گئی ہے۔[6]

۳۔ کفارہ یمین: اگر کوئی شخص کسی بات کی قسم کھالے اور پھر اس کو توڑنا چاہے یا جان بوجھ کر توڑ دے تو اس کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا اور وہ یہ ہے کہ وہ متوسط درجہ کا کھانا دس مسکینوں کو کھلائے یا ان کو کپڑے مہیا کر دے یا ایک

---

(1) امیر علی، سید، مترجم، فتاویٰ عالمگیری، ۷/ ۴۸۵

(2) قلعہ جی، رواس، محمد، ڈاکٹر، فقہ حضرت عمر، مترجم: ساجد الرحمٰن صدیقی، ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور، طبع دوم ۱۹۹۴ء، ص: ۵۹۴

(3) امیر علی، سید، مترجم، فتاویٰ عالمگیری، ۷/ ۴۵۲

(4) طبقات ابن سعد، حصہ ہشتم، ص ۱۰۳

(5) النساء: ۹۲

(6) المجادلہ: ۲۔۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلام آزاد کرے۔[1]

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول پاک ﷺ کی آخری وصیت جبکہ آپ ﷺ حالتِ نزع میں تھے اور زبان ہلانا مشکل تھا یہ تھی کہ: الصلوۃ الصلوۃ اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم۔۔۔علماء اگرچہ ماملکت ایمانکم سے غلامی ہی مراد لیتے ہیں مگر یہ جملہ اپنے اندر وسیع مفہوم لئے ہوئے ہے۔ اگر صرف اصطلاحی غلام ہی مراد ہوتے تو اس کیلئے عبید کم یا موالیکم کے الفاظ بھی آسکتے تھے۔ماملکت ایمانکم کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جس کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہیں۔ اردو میں اس کا بہترین ترجمہ زیر دست ہو سکتا ہے۔ دفاتر میں ہر چھوٹا عہدیدار بڑے کا زیر دست ہوتا ہے، کارخانوں میں مزدور مالک کے زیر دست ہیں، زمینوں میں مزارع زمیندار کے، غریب طبقہ سرمایہ دار و جاگیر دار کا، تو بیوی شوہر کی۔ اسطرح یہ حدیث گویا ہر مسلمان کیلئے وصیت نبویؐ ہے کہ وہ اپنے زیر دست و ماتحت کا خیال رکھے۔ ہم اپنے جسمانی باپ کی وصیت کو ہر صورت پورا کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ کاش اپنے عظیم روحانی اور ایمانی باپ کی اس وصیت کو بھی پورا کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ جدید میں آج غلامی کی مختلف اشکال رائج ہیں۔

۱۔ قرضہ کی بنیاد پر جبری مشقت کروانا۔international Labour organization کے کنونشن میں جبری مشقت کی تعریف کی گئی ہے کہ اس میں پیشگی رقم میں جبری مشقت لی جاتی ہے۔ جس پر تمام ممالک نے دستخط کر کے اس کی توثیق کی ہے جس طرح آج کے ہمارے گھریلو ملازمین اسی طرح بھٹوں پر کام کرنے والے مزدور۔ حکومت میں دور جدید میں اس پر نئے سرے سے آئین سازی کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ جاگیر دارانہ نظام میں جاگیر داروں کے کھیتوں میں نسل در نسل کام کرنے والے زرعی کسان۔ Serfdeum مسلمان ممالک میں انتہائی ظالمانہ جاگیر دارانہ نظام رائج ہے۔ جہاں کسانوں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ زرعی کسانوں کی اس زبوں حالی کو صوبہ سندھ کے جاگیر دارانہ نظام کو دیکھا جا سکتا ہے۔[2]

Servile Marriage معاوضہ کے عوض میں شادی کے نام پر بچیوں کی سپردگی:

دنیا اسلام کے بہت سے ممالک بشمول پاکستان کے مخصوص علاقوں اور قبائل میں شادی کے نام پر بچیوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں مختلف جرائم مثلاً قتل وغیرہ کی صلح کے لیے مالی جرمانہ کے ساتھ ساتھ بیٹی یا

---

(1) المائدہ:۸۹

(2) سعد اللہ، محمد، نبی کریم کی عائلی زندگی، اشاعت اول جون ۲۰۰۱ء، ص:۳۸۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہن کا رشتہ بھی دیا جاتا ہے جو پنجاب میں ونی، خیبر پختون میں سوارا، سندھ میں سنگ چٹی اور بلوچستان میں ار جائی کے نام سے رائج ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اشرف نے جو بنیادی انسانی حقوق کے مطالعہ میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے اس علمی موضوع پر اپنی کتاب اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، Islam and Basic Human Rights میں جدید دور میں غلامی کی بہت ساری اشکال تحریر کی ہیں جن میں بچوں کی مشقت اور مزدوری اس طرح انسانی سمگلنگ Human Trafficking مردوں اور عورتوں مختلف ممالک میں جبری مزدور اور جنسی مقاصد کے لیے سمگل کیا جاتا ہے اور پھر ان سے ذاتی مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں، جیسے خوف وہراس پھیلانا، دہشت گردی وغیرہ۔[1]

خلاصہ بحث:

اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ واقعی کوئی سچا مذہب ہوتا اور اسکا اصل مقصد انسانیت کا فروغ ہوتا تو یہ غلامی کے ادارے کو ختم کرتا لیکن ختم کرنا تو درکنار اسے معاشرے کا ایک لازمی جز قرار دیکر اس کیلئے مستقل احکام دیئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے اپنے پیغمبر کو ایسے احکام دیئے اور پیغمبر نے ان ہدایات کو ایسے عملی اقدامات میں ڈھالا کہ غلامی کے ادارے کے ہمیشہ کیلئے ختم ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ اسلام نے غلامی کی ابتدا نہیں کی بلکہ یہ پہلے سے موجود تھی۔ جب رسول اللہ مبعوث ہوئے تو دوسری اخلاقی برائیوں کی طرح یہ بھی پورے عروج پر تھی۔ الہامی شریعت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کی اصلاح بتدریج آہستہ آہستہ کرتی ہے۔ اللہ کے نبی پہلے لوگوں کے نظریات، عقائد اور سوچ میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی ذہنوں کو اس تبدیلی کیلئے تیار کرتے ہیں جیسا کہ شراب کی حرمت کے تدریجی احکام۔ یہی حکمت عملی قرآن کریم نے غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کیلئے اختیار کی۔

سب سے پہلے مساوات انسانی کا تصور دیکر یہ واضح کیا کہ غلام بھی دوسرے انسانوں کی طرح کے انسان ہیں اور تمام انسان چونکہ اللہ کی مخلوق ہیں لہذا کسی ایک کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ پھر آخرت کا عقیدہ دیکر یہ وضاحت کر دی کہ تمام انسانوں کی اس دنیا میں آمد کا مقصد صرف اور صرف آزمائش ہے تاکہ اچھے برے کی پہچان ہو سکے۔ پھر انکے حقوق کا بیان دیا کہ جیسا خود کھاؤ انہیں بھی ویسا کھلاؤ اور جیسا خود پہنو انہیں بھی ویسا پہناؤ اور

[1] محمد اشرف، حافظ، پروفیسر ڈاکٹر، اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان سے انکی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لو۔ پھر اسلام نے کئی گناہوں کے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی، اسکے بعد انکے نکاح کرنے کی ہدایت فرمائی تاکہ انکی اپنی ایک معاشرتی و ازدواجی زندگی اور حیثیت ہو۔ مصارف زکوۃ میں ایک مستقل مد فی الرقاب کی رکھ کر سرکاری طور پر انکی آزادی کا انتظام فرمادیا۔

معاشرتی رویہ اور ذہن بدلنے کی غرض سے انہیں عبد اور امتہ کے الفاظ سے پکارنے کی ممانعت کر دی۔ جنگی قیدیوں کو اگرچہ غلام بنانے کی اجازت دی جاچکی تھی لیکن اسکے ساتھ ہی انکی آزادی کی راہ نکال کر انہیں فدیہ لیکر یا احسان کے طور پر آزاد کر دینے کی ترغیب دلائی۔ ان اقدامات کے بعد بالآخر غلام نہ بنانے کی حتمی پابندی کا یہ انقلابی اور معجزاتی قانون نازل ہوا وہ یہ کہ غلام اپنے آقاؤں سے مکاتبت کر لیں ارشادِ الٰہی ہے کہ :اور تمھارے غلاموں میں سے جو مکاتبت چاہیں ان سے مکاتبت کر لو اگر ان میں بھلائی دیکھتے ہو اور اللہ کا وہ مال انہیں دو جو اللہ نے تمھیں عطا فرمایا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی اپنی کتاب قانون معاشرت میں لکھتے ہیں :

> ”اس میں مکاتبت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے یہ ایک اصطلاح ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ فلاں مدت میں اس کو اتنی رقم ادا کریگا یا اس کی کوئی متعین خدمت انجام دیگا اور اسکے بعد آزاد ہو جائیگا۔ سورہ نور کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اگر یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہے اور نیکی اور خیر کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کی یہ درخواست لازماً قبول کر لی جائے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ بیت المال سے جسے یہاں اللہ کا مال کہا گیا ہے، اس طرح کے غلاموں کی مدد کریں آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ مکاتبت کا یہ حق جس طرح غلاموں کو دیا گیا ہے، اسی طرح لونڈیوں کو بھی دیا گیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ لوح تقدیر اب غلاموں کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی آزادی کی تحریر اس پر جب چاہیں رقم کر سکتے ہیں۔"

مذکورہ ساری بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح سود ایک ظالمانہ فعل ہے لیکن آج کوئی بھی اسے ظلم ماننے کو تیار نہیں بلکہ اسے رقم کا کرایہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں غلامی کو بھی بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اسے یک لخت ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے معاشرے میں ایک بہت بڑا فساد برپا ہو جاتا۔ لہٰذا قرآن کریم نے اسے بتدریج ختم کیا۔ قرآن کریم کے انہی تدریجی احکام کا نتیجہ ہے کہ غلام بنانے کا عمل ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ آج روئے زمین پر کہیں بھی اس جاہلی رسمِ غلامی کا وجود نہیں رہا جو طلوعِ اسلام کے وقت رائج تھی۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بلاشبہ قرآن کریم کے یہ احکام معجزے سے کم نہیں۔

غلامی کے حوالے سے ایک اور اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اتنے زیادہ احکامات اور اصلاحات کے باوجود، مسلمانوں کی کم و بیش ہزار ہا برس کی حکمرانی میں غلامی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ بالآخر یورپ و امریکہ نے بلکہ امریکی صدر ابراہام لنکن (۱۸۶۵ء۔۱۸۰۹ء) نے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن یہ کمزوری ہمارے دین اور شریعت کی نہیں بلکہ ہمارے حکمرانوں کی ہے جنھوں نے اپنی کمزور قیادت کے باعث الٰہی احکام کی اس طرح پاسداری نہ کی جس طرح کہ اسکا حق تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اعزاز جو اصل میں اسلام اور مسلمانوں کا فخر بنتا تھا ابراہام لنکن نے حاصل کر لیا ہے۔[1]

سفارشات:

۱۔ اسلامی ریاستوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر مشتمل انسانی حقوق کے تصورات کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنائے اور نسل نو کو اس سے مکمل آگاہی اور شعور باہم پہنچانے کا بندوست کرے۔

۲۔ مسلمان ممالک میں کام کرنے والی غیر سرکاری این جی اوز اس کے خاتمہ کے لیے اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ عوامی شعوری بیداری پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

۳۔ اسلامی ریاستوں کو چاہیے کہ او آئی سی کی تنظیم کو فعال اور منظم بنائیں کیونکہ اس تنظیم کے ذریعہ سے بنیادی انسانی حقوق کے ضمن میں اسلام کے نقطہ نظر کو بین الاقوامی اداروں میں مؤثر طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ ریاستوں کے بنیادی ستونوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کو اپنا بھرپور کردار سرانجام دینا چاہیے اس کی بدولت امت مسلمہ میں انسانی حقوق کے متعلق شعور بیدار ہو گا۔

۵۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں میں وسیع المطالعہ مسلم دانشوروں اور علما کو نمائندگی دی جائے تا کہ صحیح اسلامی تعلیمات کو پیش کیا جاسکے۔

---

[1] بلوچ، نعیم احمد، قرآنی معجزے، دار التذکیر رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، گنج شکر پرنٹرز، سن اشاعت ۲۰۰۷ء، ص:۸۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعوت، ضیافت/ مہمان نوازی کی سماجی روایت تعلیمات نبویہ ﷺ کی روشنی میں

آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں ہر چیز ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچ رہی ہے وہیں ہمارے معاشرے میں کئی ایسی قدریں ہیں جو دم توڑ رہی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک مہمان نوازی یا بالفاظ دیگر میزبانی کی اہمیت ہے۔ ایک وہ دور تھا جب ہر شخص مہمان کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار تھا۔ لوگ مہمان نوازی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بے تاب ہو جاتے تھے۔ اور اپنے مہمان کے لیے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے اور آج کے دور میں اکثر لوگ مہمانوں سے نظریں چرا کر بھاگتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ مہمان نوازی کی اہمیت قرآن و حدیث میں واضح طور پر ملتی ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

«وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»[1]

”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس چاہیے کہ مہمان کی ضیافت کرے۔“

مہمان نوازی کے آداب میں سے ہے کہ جب مہمان آپ کے گھر آئے تو سب سے پہلے اس سے سلام و دعا کیجیے اور خیر و عافیت معلوم کیجیے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے پتا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾[2]

”اے نبی (ﷺ)، ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تمہیں پہنچی ہے؟ جب وہ اس کے ہاں آئے تو کہا آپ کو سلام ہے۔ اس نے کہا: آپ لوگوں کو بھی سلام ہے کچھ نا آشنا سے لوگ ہیں۔“

مہمانوں کی خاطر و مدارت کرنا یہ انبیاء کی سنت ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کے ساتھ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾[3]

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمته ایاه بنفسه، رقم الحدیث: 6138

(2) الذاریات 51: 24-25

(3) الذاریات 51: 26-27

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گیا، اور ایک موٹا تازہ بچھڑا۔ لا کر مہمانوں کے آگے پیش کیا۔ اس نے کہا آپ حضرات کھاتے نہیں؟"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی عزت و اکرام، خاطر و مدارت اپنی حیثیت کے مطابق کرنا ضروری اور واجب ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مہمان جب آئے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام فوراً ان کے کھانے پینے کے انتظام میں لگ گئے اور جو موٹا تازہ بچھڑا انہیں میسر تھا اسی کا گوشت بھون کر مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اسی طرح سیدنا لوط علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ﴾[1]

"لوط نے کہا: بھائیو، یہ میرے مہمان ہیں، میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو، مجھے رسوا نہ کرو۔"

سیدنا شریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ. وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ. وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ. جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ. وَضِيَافَتُهُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. فَمَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ. وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ»[2]

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی خاطر مدارات ایک دن رات کرے اور مہمانداری تین دن رات ہے۔ اس کے بعد صدقہ ہے۔ اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس اتنے دن ٹھہرا رہے یہاں تک کہ اس کو تنگی میں مبتلا کر دے۔"

اس حدیث میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے دو تقاضے بیان کئے گئے ہیں:

1۔ زبان کی حفاظت، یعنی غیبت، بدکلامی اور فضول یاوہ گوئی سے پرہیز کرتے ہوئے اچھے مصرف میں زبان کا استعمال۔

2۔ فیاضی اور سخاوت نفس، اس کی ایک شکل یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر اس کے گھر میں ٹھہرنا چاہے تو بجائے انقباض اور تنگ دلی کے وسعت قلب کے ساتھ اس کے کھانے پینے اور قیام کا اہتمام کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی

---

[1] الحجر 15: 68-79

[2] مالک بن انس، الموطا، ص: ۵۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلقین کی گئی ہے کہ مہمان کو بھی اتناخود دار ہوناچاہیے کہ تین دن سے زیادہ کا بوجھ اپنے میزبان پر نہ ڈالے۔

اس طرح اگر میزبان کی طرف سے فیاضی کا برتاؤ اور مہمان کی جانب سے خود داری کا اظہار ہو تو اجتماعی زندگی میں ایک خوش گوار فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

مہمان کے آنے پر خوشی اور محبت کا اظہار کیجیے اور نہایت خوشی دلی، وسعت قلب اور عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیجیے۔ خاطر تواضع کرنے میں وہ ساری ہی باتیں داخل ہیں جو مہمان کے اعزاز و اکرام، آرام و راحت، سکون و مسرت اور تسکین جذبات کے لیے ہوں خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا، ہنسی خوشی کی باتوں سے دل بہلانا، عزت و اکرام کے ساتھ بیٹھنے لیٹنے کا انتظام کرنا اور فراخی کے ساتھ کھانے پینے کا بہتر سے بہتر انتظام کرنا اور خود بنفس نفیس خاطر مدارت میں لگے رہنا یہ سب ہی باتیں اکرام ضیف میں داخل ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس جب مہمان آتے تو آپ ﷺ بذات خود ان کی خاطر داری فرماتے۔ اسی طرح جب مہمان خوب آسودہ ہو جاتا اور انکار کرتا تب آپ ﷺ اصرار کرنا چھوڑ دیتے۔

مہمانوں کے کھانے پینے پر مسرت محسوس کیجیے، تنگ دلی، کڑھن اور کوفت محسوس نہ کیجیے۔ مہمان زحمت نہیں بلکہ رحمت اور خیر و برکت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو آپ کے ہاں بھیجتا ہے اس کا رزق بھی اتار دیتا ہے، وہ آپ کے دستر خوان پر آپ کی قسمت کا نہیں کھاتا بلکہ اپنی قسمت کا کھاتا ہے اور آپ کے اعزاز و اکرام میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔

دعوت کا معنی و مفہوم:

کھانا ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کو ثابت کرنے کیلئے کسی قسم کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان کی زندگی کی بقا اور اس کا ارتقاء دونوں کھانے پینے پر مبنی ہیں اور یہ کوئی دنیاوی یا محض مادی حقیقت نہیں ہے۔ وہ فطرت کا قانون ہے جس کے پیچھے حکمت الٰہی کار فرما ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی ان دونوں کا ذکر بہت وضاحت سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خالق و مخلوق کے درمیان ایک فرق، بہت ہی بنیادی فرق اسی کھانے کے حوالے سے قائم فرمایا ہے۔ وہ اپنی وحدانیت، قیومیت اور خلاقی و ربوبیت جیسی صفات عالیہ کا ذکر یوں فرماتا ہے:

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾[1]

"تو کہہ، کیا اور کوئی پکڑوں اپنا مددگار اللہ کے سوا؟ جو بنانے والا ہے آسمان اور زمین کا اور وہ سب کو

[1] الانعام:۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا"

پھر متعدد آیات کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو کھانا کھلانے اور رزق پہنچانے کا ذکر کیا ہے اور ان تمام آیات کریمہ میں طعام کے حوالے سے اپنی رزاقیت وربوبیت اور انسان کے کھانے کی محتاجی کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف کھانے پینے کا محتاج نہیں بلکہ وہ مخلوقات خاص کر انسانوں کو کھانے کھلا کر اور مشروبات پلا کر ان کی زندگی کو باقی رکھتا اور پروان چڑھاتا ہے اور ہر انسان جب تک اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا اس کی موت واقع نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے۔

﴿الَّذِيٓ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ﴾[1]

"جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں۔"

﴿وَالَّذِيۡ هُوَ يُطۡعِمُنِيۡ وَ يَسۡقِيۡنِ﴾[2]

" اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔"

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے رزق کا طالب نہیں کہ وہ خود ان کو کھلاتا ہے، دیگر آیات کریمہ۔

مخلوقات بالخصوص انسان کو کھانے کی محتاجی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کو بھوک لگتی ہے اور یہ اس دنیائے مادی میں اس کے جسم وجان کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ایک خاص وجہ سے پیدا کی گئی ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی بنیادی احتیاج کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرے اور اسی پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ اصل رازق اور سچا کھلانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسرے تمام "رازقین" صرف ذرائع ووسائل ہیں۔ وہ خود بھی اپنے رزق اور کھانے کیلئے اور دوسروں کو کھلانے کیلئے بھی اسی "خیر الرزاقین" کے محتاج ہیں۔ ان کی رزاقی سمندر سے پیاسے کو قطرہ عطا کرنے کے مترادف ہے اور وہ بھی ان کی اپنی دین اور اپنی صفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی اصلی رزاق ہے جو اپنی تمام مخلوقات کو طرح طرح سے کھلاتا رہتا ہے۔

کھانا کھلانے والے رزاق نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی ہے کہ کھانا کھانا ایک بشری ضرورت ضرور ہے مگر وہ کسی طرح قابل مذمت یا لائق تعزیز یا مورد تحقیر نہیں ہے کیونکہ انسانوں کے سرخیل بھی کھانا کھاتے تھے۔ انسانی فطرت بھی عجیب ہے کہ ذرا بھی روحانی پرواز شروع ہوئی اور وہ مادی ضرورتوں کی تکمیل کو لائق تعزیز سمجھنے لگتا

---

[1] قریش: ۴

[2] الشعراء:۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ رسولوں کے جسم بنائے تو ان کی جسمانی ضرورت کی تکمیل کیلئے ان کو کھانا کھلایا۔

﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾ (1)

رسولوں کی بشریت اور اس کے تقاضے سے کھانا کھانے پر جب مشرکین و منکرین نے زبان طعن دراز کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمادی اور واضح کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے رسول بھیجے گئے وہ بھی کھانا کھاتے تھے۔

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ﴾(2)

"اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے، کھاتا ہے کھانا۔"

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾(3)

"اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول، سب کھاتے تھے کھانا۔"

دوسری آیات کریمہ میں بعض انبیاء کرام کا نام بہ نام ذکر فرما کر ان کے کھانے کا حوالہ دیا ہے۔

قرآن مجید میں ذکر طعام:

قرآن مجید میں مختلف سیاق و سباق میں انبیاء کرام، ان کی اقوام اور عام انسانوں کے کھانا کھانے کا ذکر ملتا ہے جو اپنے اطلاقات و جہات کے لحاظ سے بہت دلچسپ بھی ہے اور اس کی صحیح اسلامی قدر و قیمت بھی ہے۔ کھانے (طعام) کا ذکر مختلف سورتوں میں اٹھارہ آیات کریمہ میں آیا ہے اور ان کی مختلف جہات ہیں۔

(الف) ان میں ایک جہت سابق انبیائے کرام اور ان کی اقوام کے حوالے سے ہے:

ا۔ قوم موسیٰ علیہ السلام نے انسانی فطرت تنوع کا اظہار کیا تھا کہ وہ صرف ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ بظاہر ان کا اظہار نعمت الٰہی سے روگردانی پر مبنی ہے مگر وہ بہر حال انسانی فطرت کو اجاگر کرتا ہے جو کھانوں میں تنوع چاہتی ہے۔

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾(4)

---

(1) الانبیاء21: 8
(2) الفرقان25: 7
(3) ایضا25: 20
(4) البقرہ: 61

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! ہم نہ ٹھہریں گے ایک کھانے پر۔"

۲۔ بنی اسرائیل کے حوالے سے ایک اور حقیقت یہ بیان کی ہے کہ تمام کھانے حلال تھے۔

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ﴾[1]

"سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو۔"

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام دونوں کھاتے تھے۔ ﴿كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾[2] ان دونوں کا خاص ذکر کھانے کے حوالے سے یوں کیا کہ ان کے بارے میں الوہیت کا تصور پیدا کر لیا گیا تھا۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے ساتھی قیدیوں کے حوالے سے ایک اور سماجی و ثقافتی رواج کا ذکر فرمایا ہے کہ عام حالات کے علاوہ غیر معمولی حالات میں جیسے قید و بند کی زندگی میں بھی کھانے کھانے اور کھلانے کا دستور پایا جاتا ہے۔

﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِۦٓ إِلَّا﴾[3]

"بولا، نہ آنے پائے گا تم کو کھانا، جو ہر روز تم کو ملتا ہے۔"

۵۔ اصحاب کہف جب اپنی گہری نیند سے مدتوں بعد بیدار ہوئے تو کھانے کے طلبگار ہوئے اور اپنے ایک ساتھی کے ذریعے پاک کھانا منگوایا۔

﴿فَلْيَنظُرْ أَيُّهَآ أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾[4]

"پھر دیکھیے کون سا ستھرا کھانا، سو لا دے تم کو اس میں سے کھانا۔"

اس میں مزید کئی جہالت ہیں جیسے بازار سے کھانا لانا، کھانوں میں پاکیزہ کھانے کا انتخاب کرنا وغیرہ۔

(ب) کھانا کھانے اور کھلانے کا دوسرا قرآنی سیاق و سباق خاص انبیاء کرام اور ان میں بھی سر خیل انبیاء کرام حضرت محمد ﷺ کے کھانا کھانے سے ہے کہ وہ بشریت کا تقاضا ہونے کے باوجود منصب رسالت کے خلاف ہے، نہ

---

(1) آل عمران:93

(2) المائدہ5: 75

(3) یوسف12: 37

(4) الکہف18: 19

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روحانیت کے منافی ہے۔

(ج) تیسرا سیاق کھانے سے متعلق احکام و قوانین، حلت و حرمت سے ہے۔ اصل یہ بتائی ہے کہ تمام پاک کھانے (طیبات) حلال ہیں۔[1]

ا۔ اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کیلئے اور مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے حلال ہے۔

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾[2]

۲۔ روزہ رکھنے سے معذور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک مسکین کے کھانا کا فدیہ اس کے بدلے میں دیں۔ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾[3] اس طعام کا حوالہ خاصا معنی آفریں ہے۔

۳۔ عمرہ اور حج کا احرام باندھنے والا جان بوجھ کر برّی شکار کرے تو بطور کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

﴿وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾[4]

۴۔ محرم (صاحب احرام) کیلئے البتہ بحری ؍ سمندری شکار بھی جائز ہے اور اس کا کھانا بھی۔

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾[5]

۵۔ مشکل گھڑی میں مسکین و یتیم کو کھانا کھلانے کا حکم سورۃ البلد: ۱۴ میں ہے۔ یہ عام احوال کے علاوہ ہے۔

۶۔ مسکین و فقیر اور محتاج کو قربانی کے گوشت سے کھلانے کا حکم سورۃ حج ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾[6] میں موجود ہے۔

(د) بعض آداب طعام کا ذکر بھی قرآنی آیات کریمہ میں طعام کے حوالے سے لایا گیا ہے۔

ا۔ مسلمانوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ جب ان کو کاشانہ نبوی میں کھانے کی دعوت دی جائے تو کھانا ختم کر کے اٹھ جائیں اور وہاں بیٹھ کر اہل بیت اور رسول اکرم ﷺ کو اپنی گفتگو سے ایذا نہ دیں۔ اسی کے ساتھ ان کو برتنوں کو

---

(1) المائدہ5: ۹۳، الانعام6: ۱۴۵۔۱۴۴ وغیرہ نیز ۱۳۸

(2) المائدہ5: ۵

(3) البقرہ2: ۱۸۴

(4) المائدہ5: ۹۵

(5) ایضا5: 96

(6) الحج22: 28

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھورنے سے بھی منع فرمایا گیا۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ﴾[1]

۲۔ کھانا کھانے کے حوالے سے بعض اور آداب طعام کا بھی ذکر دوسری آیات کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ جیسے آباؤ اجداد، رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ کے ہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ کھانا کھانے اور کھلانے کی ایک سماجی روایت بھی ہے۔ اس ادب و اصول کا بہت عمدہ اور محبت کا اظہار عہد نبوی ﷺ کی دعوتوں اور باہمی زیارتوں کے دوران ضیافتوں میں نظر آتا ہے۔

ساتھ ساتھ مل کر کھانا کھانے اور الگ الگ بیٹھ کر کھانا کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ﴿ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ﴾[2]

ماتحتوں، مسکینوں اور گھر والوں کو اوسط کھانا کھلانے کا حکم و ادب المائدہ:۸۹ میں ہے۔

(س) ایک اور سیاق یہ ہے کہ مشرکوں میں بخیل، مال کے بھوکے اور کم ظرف لوگ مسکین و غریب کو نہ تو خود کھانا کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو کھلانے دیتے ہیں۔ یہ عرب جاہلی سماج کے بعض رذائل پر قرآنی نقد کا سیاق ہے۔

﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾[3]

﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾[4]

﴿ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾[5]

نیز یہ حکم مکروہ سماجی انحراف پر نقد کیلئے بار بار لایا گیا ہے۔

حضرات خضر و موسیٰ علیہما السلام کو ایک گاؤں والوں نے طلب پر بھی کھانا نہیں کھلایا تھا۔[6] اس میں یہ ادب

---

(1) الاحزاب33: 53

(2) ایضاً

(3) الحاقہ69: 34

(4) الماعون107: 3

(5) الفجر89: 18

(6) الکہف18: 77

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادب بھی شامل ہے کہ ضرورت کے وقت کھانا طلب کیا جاسکتا ہے اور طالب کو کھلانا ضروری ہے۔

(ص) فضائل اخلاق کا سیاق رذائل کے بالمقابل ہے جس میں اہل ایمان کی صفت رزاقی کی تعریف کی گئی ہے یا ان کو کھانا کھانے کا حکم وادب دیا گیا ہے۔

صاحبان ایمان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ کھانے کی ضرورت و محبت کے باوجود مسکین و یتیم اور قیدی کو اپنا کھانا خود کھلا دیتے ہیں۔ وہ صرف ان ضرورت مندوں کو کھلاتے ہی نہیں بلکہ ان کو کھلا کر خود بھوکے رہ جاتے ہیں۔

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾[1]

نیز فرمایا:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[2]

رضائے الٰہی کی طلب میں دوسروں کو کھانا کھلانے کی روایت وصفت۔ ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾[3] کھانے کھلانے کی سماجی قدر وروایت میں دینی جہت شامل کر کے خالص ایک مادی چیز کو دینی عمل بنادیا جو اجر وثواب کا مستحق بناتا ہے۔ یہ اسلامی شریعت ودین کا عجیب وغریب زاویہ ہے۔ ایک حدیث شریف میں اسی کو دنیا سے دین بنانے کا عمل کہا گیا ہے۔ انسان اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے کھاتا ہے مگر اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے اور اس کے شکر وحمد پر ختم کرتا ہے تو یہ خالص دنیاوی کام بھی باعث اجر وثواب اور دینی عمل بن جاتا ہے۔

(ط) اگرچہ قریش اور جاہلی عربوں کے کھانے کی بعض روایات اور سماجی اقدار کا معاملہ قوانین حلت وحرمت میں آتا ہے تاہم ان کا ایک الگ سیاق قرآنی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مطابق عرب جاہلی بعض کھانوں کو اپنی طرف سے حرام کرتے تھے اور بعض کو حلال۔ بعض کھانوں کو مردوں کیلئے حلال بتاتے تھے اور عورتوں کیلئے حرام اور بعض میں دونوں کا مشترکہ حق بتاتے تھے۔ ایسے تمام احکام وآداب کا ذکر متعدد آیات میں ملتا ہے اور اس میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی خود ساختہ حلت وحرمت کی اجازت نہیں دی تھی۔[4] یہ تشریح جاہلی

---

(1) الدہر/الانسان76: 8

(2) الحشر59: 9

(3) الدہر76: ۹

(4) الانعام6: ۱۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی اور اس کی تردید کر کے صحیح اسلامی حلت و حرمت بتائی گئی۔ اس پر بحث مفصل "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کے ارتقاء" میں متعلقہ باب میں ملے گی۔

(ع) اللہ تعالیٰ کی حکمت آمیز ربوبیت و حاکمیت اور قدرت و اعجاز کا ایک سیاق بھی کھانے کے ذکر میں ملتا ہے۔ انسان کو اس کا کھانا فراہم کرنا قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہے۔ ﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ﴾[1] آگے خاصی تفصیل ہے اور دوسری جگہوں پر بھی کہ کس طرح قدرت الٰہی دانہ سے غلہ پیدا کر کے انسان کو کھلاتی ہے۔

بعض بڑی چیزیں مدت دراز میں تباہ کر دی گئی تھیں مگر کھانا اور مشروب جیسے نازک آبگینے قدرت الٰہی سے محفوظ رہے اور گل سڑ کر خاک نہ ہوئے۔ ﴿فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾[2] یہ معجزاتی اصول و حکمت الٰہی کا بیان ہے کہ حفاظت و تباہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی جہات ہیں۔

(ف) اعمال صالحہ کے بدلے میں جنت کے انعامات میں سے ایک عمدہ رزق اور شاندار کھانوں کا حوالہ بھی ملتا ہے جیسے سورۃ محمد:۱۵ وغیرہ۔ حضرات آدم و حوا علیہما السلام کے قصص قرآنی میں ان کے جنتی کھانوں کا بھی ذکر ملتا ہے، الاعراف:۱۹ وغیرہ یا دوزخ کے کھانوں کا ذکر وعید ہے کہ وہ نافرمانی کا کھانا ہے جیسے الدخان:۴۴ وغیرہ۔

جنت و جہنم میں بھی انسانوں کے کھانے کا معاملہ بھی یہ ثابت ہے کہ مخلوق ہونے کے سبب وہ کھانے کے محتاج یا حریص رہتے ہیں حتیٰ کہ آخرت یا اخروی زندگی میں بھی ان کی مخلوقیت کی یہ صفت باقی رہے گی۔ قرآنی آیات کریمہ میں کھانے کے یہی تمام مواقع نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد دوسرے واقعات ہیں اور ان کی تعداد بڑھ سکتی ہے۔ مراد و مطلوب استقصاء و احاطہ نہیں ہے بلکہ یہ بتانا اور واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں کھانا ایک فطری نعمت اور انسانی ضرورت ہی نہیں بتایا گیا ہے بلکہ اس کو انسانی زندگی کے قیام و نمو کی اساس بھی قرار دیا گیا ہے۔ عام انسانوں کے علاوہ چیدہ بندگان الٰہی کا کھانا بھی اسے قرار دیا گیا ہے تاکہ یہ ثابت ہو کہ وہ مادی شے ہونے کے باوجود ایک نعمت الٰہی ہے اور اس سے بہرہ مندی دوسری نعمت ہے۔ قرآن مجید نے رسولوں اور نبیوں کے کھانا کھانے کی حقیقت عامہ بیان کر کے دو بنیادی ہدف حاصل کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ انسانی جسم اور بشری بدن رکھنے کے سبب کھانے کے محتاج تھے اور کھانا اسی لئے کھاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کھانا کھانا ان کی پیغمبرانہ شان اور عظمت کے ذرا بھی خلاف نہیں تھا، بلکہ وہی ان کی بشری عظمت کو بڑھاتا تھا۔ اس میں تقشف اور غیر ضروری تقویٰ

---

[1] عبس 80: 24

[2] البقرہ 2: ۲۵۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تردید کے علاوہ یہ بھی حقیقت بیان کی ہے کہ انسان کی روحانیت کھانے سے کم نہیں ہوتی بلکہ اس سے اور بڑھتی ہے بشرطیکہ وہ آداب تقویٰ کے مطابق اور احکام شریعت کے موافق ہو۔ اصل شے یہی شرط ہے جو دنیا کو بھی دین بناتی ہے اور دین کو دنیا بھی بنادیتی ہے۔

طعام (کھانے) اور کھانا کھانے (اکل) اور رزق وغیرہ کے تمام سیاقوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کا تصور و عمل انسانی زندگی کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہتا ہے خواہ اس دنیائے فانی میں آنے سے پہلے جنت میں رہائش آدم کا مرحلہ رہا ہو یا اس دنیا میں کاروبار زندگی کا معاملہ ہو یا اس دنیا سے جانے کے بعد جنت و دوزخ میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق اچھے بُرے کھانے کا معاملہ ہو۔ یہ پیٹ کا تسلسل ہے اور اس سے کھانے کا تسلسل وابستہ ہے۔ اس میں اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی موجود و کارفرما ہے کہ کھانے کا تاریخی تسلسل زمان و مکان کی قیود پر ہے۔ بلکہ وہ تو جنت سے شروع ہوتا ہے اور جنت پر ہی تمام ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے۔ لہٰذا عہد نبوی ﷺ میں کھانا ایک بدیہی حقیت تھی اور اس کے کھانے انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقا کا ایک مظہر تھے۔

حدیث و سنت میں ذکر طعام:

آیات الٰہی کے تلاوت کئے جانے والے مظاہر یعنی قرآن مجید میں جس طرح ذکر طعام پایا جاتا ہے اسی طرح تلاوت نہ کی جانے والی آیات (احادیث) میں بھی ان کا ذکر خیر ملتا ہے کیونکہ وہ بھی وحی الٰہی کا دوسرا مظہر ہے۔ حدیث و سنت شارح و ترجمان ہونے کے سبب ذکر طعام اور بیان اکل و نقل کو اور زیادہ وسیع جہات دیتی ہیں۔ ایک شارح فن کا یہ تبصرہ خاصا حقیقت آگیں ہے کہ حدیث و سنت دراصل ایک تاریخی آئینہ ہے جس میں تہذیب و تمدن انسانی کی صورت واضح تر ہوجاتی ہے۔ ان کا دینی اور تشریعی پہلو ہی ان کا اطلاقی پہلو بھی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اقوال و اعمال اور تقاریر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار و افعال اس اطلاقی پہلو یا عملی صورت کو واضح طور سے سامنے لاتے ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا اسوہ اور نمونہ تمام انسانوں کیلئے لائق تقلید و پیروی ہے اور اس عظیم ترین اسوہ و نمونہ کے سب سے بڑے حاملین کرام اور شارحین عظام آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ احادیث و آثار میں عہد نبوی ﷺ کے کھانوں پر اور ان کے متعلق دوسرے دینی احکام و تہذیبی آداب و ضخیم دفاتر لکھے جاسکتے ہیں اور لکھے بھی گئے ہیں۔ احادیث کے مجموعوں میں "کتاب الاطعمہ" کے ابواب ان ہی کی تو تفصیل فراہم کرتے ہیں۔ اگر کتب حدیث و سنت کے کھانوں کے دفاتر جمع کر لئے جائیں تو کئی جلدوں میں سما سکیں گے۔ ان کی ضخامت سے زیادہ ان کی تمدنی بازیافت کا معاملہ اہم ہے کہ وہ پوری سیرت طیبہ ہی کو نہیں، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خیر القرون کے پورے عہد اور ان کے طبقات وافراد کی صورت گری کرتا ہے اور سامنے لاتا ہے۔ اصلاً تمدن اسلامی کا یہ باب طعام ان ہی احادیث وسنن اور کتب الاطعمہ پر مبنی ہے اور وہی بنیادی ماخذ ہے مگر اسی کے ساتھ تاریخی اور سیرتی روایات واخبار کو بھی شامل وشریک کیا گیاہے کہ وہ بھی ناگزیر مواد ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو سیرت وتاریخ کے اخبار وآثار حدیث وسنت ہی کے دوسرے مظاہر یارخ ہیں۔

دعوت وضیافت کی ضرورت اور اہمیت:

انسان کے تمام اعمال کا دارومدار اس کے بنیادی خیالات اور تصورات پر ہے، یہی بنیادی خیالات اور تصورات اس کی پوری زندگی پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اگر یہ خیالات اور تصورات نیک ہیں تو اس سے صادر ہونے والے اعمال بھی نیک ہونگے اور اگر یہ خیالات وتصورات بُرے یا باطل ہیں تو اس سے وجود میں آنے والے اعمال انہی خیالات کا عکس ہونگے۔

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى»[1]

"انسان کے اعمال اس کی نیت پر موقوف ہیں اور ہر شخص کیلئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

ان بنیادی خیالات کو شریعت نے عقائد کا نام دیا ہے اور یہ عقائد جب انسان کے دل ودماغ کا حصہ بن جاتے ہیں تو ہم اسے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلام میں ایمانیات کا اصل اور مقصد جو متعین کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے تعلقات کی دنیا صحیح نہج پر استوار ہو جائے کیونکہ انسانی زندگی انہی بنیادی تعلقات ہی سے عبارت ہیں جنہیں حقوق وفرائض کہا جاتا ہے۔

مخلوق کی حیثیت سے انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ ہے جو اس کا خالق ومالک اور رزاق ہے اور ایک تعلق اللہ کے بندوں اور اس کے بنائے ہوئے رشتوں ناطوں کے ساتھ ہے جنہیں حقوق العباد کہتے ہیں اور ان کی ادائیگی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں عبادات کا جو مقام ہے وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عبادات ہی کو ارکان دین قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں جہاں ارکان دین کی تاکید کی گئی ہے اس کے ساتھ ہی اخلاقیات حقوق العباد پر بہت زور دیا گیاہے۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱرْكَعُوا۟ وَٱسْجُدُوا۟ وَٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمْ وَٱفْعَلُوا۟ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾[2]

---

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب انما الاعمال بالنیات، رقم الحدیث: ۴۱

(2) الحج ۲۲: ۷۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

بھلائی کے کاموں سے مراد حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حقوق العباد کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

"خیر الناس من ینفع الناس"[1]

"لوگوں میں بہترین وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔"

حسن اخلاق سے بندہ وہ درجہ حاصل کرلیتا ہے جو رات کو قیام کرنے والا اور دن کو روزہ رکھنے والا کرتا ہے۔[2]

ایمان کے بعد اسلام کی تمام تعلیمات کا نچوڑ اور اسلام کی روح تقویٰ ہے اور انسانی زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کیلئے اللہ کی محبت اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کی محبت بہت ضروری ہے۔ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے جو اللہ کے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ بندوں کی محبت کیلئے حقوق العباد کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[3]

"نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں۔"

آیت مبارکہ کا مفہوم یہی ہے کہ صرف عبادت کرنا ہی نیکی اور اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ

(1) علامہ علاؤالدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنزل الاعمال، (المطبعۃ الکبری الامیریۃ، ۱۳۱۳ھ۔): ۲/ ۲۲۳

(2) ابن حامد بن محمد الغزالی، الامام، احیاء العلوم الدین، ادارہ اسلامیات، انار کلی لاہور، ۱۹۹۱ء، ۱/ ۴۴۰

(3) البقرہ ۲: ۱۷۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کے بندوں پر خرچ کرنا اور خدمت خلق کرنا اصل نیکی ہے۔ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور کامل مومن وہی ہے جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حقوق کا خیال رکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا:

أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ»[1]

"کونسا اسلام بہتر ہے کھانا کھلانا اور سلام کو پھیلانا جس کو تو جانتا ہے اور جس کو نہیں جانتا۔"

ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کھانے کا سوال کیا۔ آپ ﷺ اندر گئے مگر کچھ نہ پایا سوائے ایک ٹکڑے کے جو سوکھ چکا تھا کسی سوراخ میں پڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے صاف کیا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر دعا کی اور پھر اعرابی کو پیش کر دیا۔ اعرابی کھانے لگا حتی کہ وہ شکم سیر ہو گیا اور اس سے بچ گیا۔ اعرابی سر اٹھا کر رسول اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھنے لگا اور کہنے لگا آپ نیک آدمی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور کہا تم ایک اچھے انسان ہو مسلمان ہو جاؤ۔[2]

دعوت اسلام میں پسندیدہ ہے یہ ہر نبی کی شریعت میں دعوت طعام کو فرضی اہمیت حاصل رہی۔ مختلف اقسام کی دعوتوں کے مختلف احکام ہیں لیکن عمومی طور پر دعوت طعام پر اسلام بے حد زور دیتا ہے۔ اطعام الطعام کھانا کھلانا انتہائی ثواب کا کام ہے۔ اسلام صرف غرباء کو کھانا کھلانا بلکہ کسی بھی شخص کو خواہ وہ مالدار ہو کو کھانا کھلانے پر اسلام حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الكَعْبِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلاَثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلاَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ»[3]

ابوشریح الکعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو اپنے مہمانوں کی خاطر داری کرنا ضروری ہے۔ ایک دن رات تو مہمانی لازم ہے اور تین دن تک افضل ہے، اس کے بعد پھر صدقہ ہے۔ مہمان کو بھی نہیں چاہئے کہ میزبان

---

(1) بخاری، کتاب الایمان، باب اطعام من الایمان، رقم الحدیث: ۱۱

(2) ابی بکر احمد بن حسین المتقی، دلائل النبوۃ، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۴۴ھ، ۹۳/۳

(3) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمته ایاہ بنفسه، رقم الحدیث: ۶۱۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے پاس پڑا رہے اور اس کو خواہ مخواہ تنگ کرے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مہمان نوازی تین دن ہے اور جائزہ (خاطر مدارت) ایک دن ہے اور کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے پاس اتنے دن قیام کرے کہ اس کو گناہ میں مبتلا کرے۔" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ اسے گناہ میں کس طرح مبتلا کرے گا؟ فرمایا کہ وہ اس کے پاس ایسی حالت میں قیام کرے کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کیلئے کچھ نہ ہو۔"

عَنْ مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ. وَضِيَافَتُهُ ثَلاَثَةُ أَيَّامٍ. فَمَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ. وَلاَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ»[1]

"امام انس بن مالک نے بھی حدیث بیان کی ہے سعید بن ابی سعید مقبری ابی شریح کعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہمسائے کی عزت کریں اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس چاہئے کہ مہمان نوازی کرے اور جائزہ ایک رات اور ایک دن ہے اور مہمان نوازی تین دن تک ہے اور اس کے بعد صدقہ ہے اور کسی مہمان کیلئے حلال نہیں کہ اپنے میزبان کے پاس ڈیرہ ڈال لے کہ اس کیلئے مشقت اور بوجھ بن جائے۔"

قاضی عیاض بن موسی مالکی فرماتے ہیں۔ جائزہ کا معنی ہے مہمان کو تحفہ وغیرہ دینا کچھ پیش کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ تین دن مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اسے رخصت کرے اور اگر وہ دور دراز سے آیا ہے تو اس کے سفر کیلئے ایک دن رات کا زاد راہ پیش کرے، یہ جائزہ ہے۔ تین دن سے زیادہ ٹھہرنا اس لئے منع ہے کہ میزبان اس کی ضیافت کیلئے کسی ناجائز ذریعہ آمدنی کو تلاش نہ کرے یا تنگ آکر مہمان سے کوئی ناجائز بات نہ کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ مہمان کیلئے تین دن سے زیادہ قیام کرنا اس وقت حرام ہے جبکہ مہمان کو علم ہو کہ میزبان کے پاس تین دن سے زیادہ اس کو کھلانے کیلئے وسائل نہیں ہیں اور اس کی وجہ سے میزبان کسی حرام میں مبتلا ہو جائے

---

[1] مالک بن انس، الموطا، ص:۵۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گا۔ تین دن سے زیادہ مہمان نوازی ضرورت مند پر صدقہ ہے اور جو غنی ہو اس کیلئے میزبان کی رضا اور خوشی کے بغیر مزید قیام کرنا حرام ہے۔ مہمان نوازی کے متعلق مذاہب فقہا کی ان احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہئے اور اس کا خیال رکھنا اور آرام و سکون کیلئے خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔ تمام آئمہ کرام کا مہمان نوازی کرنے پر اجماع ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے نزدیک مہمان نوازی سنت ہے واجب نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن اور ایک رات کی مہمان نوازی کرنا واجب ہے۔[1]

ایک دن اور ایک رات مہمان کی خوب خاطر خدمت کرنی چاہئے اور حسب توفیق اس کو ہدایا وغیرہ بھی دیئے جائیں اور دوسرے اور تیسرے دن معمول کے مطابق کھانا کھلائے۔ مہمان کیلئے لازم ہے کہ اپنے میزبان کے احوال کا خیال رکھے اور اس کیلئے اذیت یا مشقت کا باعث نہ بنے۔ میزبان اگر مطالبہ کرے یا کوئی اضطراری کیفیت ہو تو تین دن سے زیادہ بھی ٹھہر سکتا ہے مگر یہ خدمت میزبان کی طرف سے صدقہ ہو گی۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ تَبْعَثُنَا، فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلاَ يَقْرُونَنَا، فَمَا تَرَى؟ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا، فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ»[2]

”عقبہ بن عامر نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم آپ کو روانہ کیا کرتے ہیں پھر ہم راستے میں کبھی ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی تک نہیں کرتے تو آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ان لوگوں کے پاس جا کر اُترو اور وہ جیسا دستور ہے مہمانی کے طور پر تم کو کچھ دیں تو منظور کرو اگر نہ دیں تو مہمانی کا حق قاعدے کے موافق ان سے وصول کر لو۔ جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔“

عَنْ أَبِي كَرِيمَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، فَمَنْ أَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ عَلَيْهِ دَيْنٌ، إِنْ شَاءَ اقْتَضَى وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ»[3]

---

(1) ابی الفضل عیاض بن موسی بن عیاض الحافظ، اکمال العلم بفوائد مسلم، کتاب الاشربہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۶/۵۱۳

(2) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظلمہ، رقم الحدیث: 2461

(3) سلمان بن اشعث بن اسحاق الازدی، سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ، باب ماجا فی الضیافتہ، رقم الحدیث: ۳۷۵۰

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو کریمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"ایک رات کی ضیافت ہر مسلمان پر حق لازم ہے جو شخص کسی کے صحن میں اُترے تو ضیافت اس پر قرض ہے، مہمان چاہے تو وصول کرے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔"

یہ حدیث امام احمد اور لیث بن ثعلبی کی دلیل ہے کہ ایک رات کی مہمان نوازی کرنا میزبان پر واجب ہے۔ قاضی عیاض مالکی اسکی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام پر محمول ہے جب لوگ تنگ دستی کی زندگی گزارتے تھے اور ان کے پاس وسائل کی بہت کمی تھی اور اس دور میں ہوٹل یا سرائے نہیں ہوا کرتے تھے۔ مگر موجودہ جدید ترقی یافتہ دور میں اگر کوئی شخص افورڈ کر سکتا ہے تو پھر وہ خواہ مخواہ کسی پر بوجھ نہ ڈالے۔

«عَنِ الْمِقْدَامِ أَبِي كَرِيمَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّمَا رَجُلٍ أَضَافَ قَوْمًا، فَأَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُومًا، فَإِنَّ نَصْرَهُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، حَتَّى يَأْخُذَ بِقِرَى لَيْلَةٍ مِنْ زَرْعِهِ وَمَالِهِ»[1]

حضرت مقدام سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا":جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو پھر وہ ضیافت سے محروم رہے تو اس کی نصرت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے حتی کہ وہ ان سے اپنی ایک رات کی ضیافت حاصل کرلے اس کی کھیتی اور مال سے۔"

«عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَمَا يَقْرُونَنَا، فَمَا تَرَى؟ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَهَذِهِ حُجَّةٌ لِلرَّجُلِ يَأْخُذُ الشَّيْءَ إِذَا كَانَ لَهُ حَقًّا»[2]

"عقبہ بن عامر نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم آپ کو روانہ کیا کرتے ہیں پھر ہم راستے میں کبھی ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی تک نہیں کرتے تو آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ان لوگوں کے پاس جاکر اُترو اور وہ جیسا دستور ہے مہمانی کے طور پر تم کو کچھ دیں تو منظور کرو اگر نہ دیں تو مہمانی کا حق قاعدے کے موافق ان سے وصول کرلو۔ جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔ یہ حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ بخاری میں بھی آئی ہے۔ امام داؤد

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب ماجآ فی الضیافتہ، رقم الحدیث: ۳۷۵۱

(2) ایضاً، رقم الحدیث: ۳۷۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ انسان اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ جمہور کے نزدیک ایک رات اور ایک دن کی مہمانی کرنا سنت ہے بعد ازاں مستحب ہے۔"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: {لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ} [النساء: 29] "فَكَانَ الرَّجُلُ يُحَرِّجُ أَنْ يَأْكُلَ عِنْدَ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ بَعْدَ مَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ، فَنَسَخَ ذَلِكَ الْآيَةُ الَّتِي فِي النُّورِ، قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ {أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ} [النور: 61] إِلَى قَوْلِهِ {أَشْتَاتًا} [النور: 61] كَانَ الرَّجُلُ الْغَنِيُّ يَدْعُو الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِهِ إِلَى الطَّعَامِ، قَالَ: إِنِّي لَأَجَّنَّحُ أَنْ آكُلَ مِنْهُ، وَالتَّجَنُّحُ: الْحَرَجُ، وَيَقُولُ: الْمِسْكِينُ أَحَقُّ بِهِ مِنِّي، فَأُحِلَّ فِي ذَلِكَ أَنْ يَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَأُحِلَّ طَعَامُ أَهْلِ الْكِتَابِ»[1]

دوسرے کا مال بطور ضیافت کھانے کی حرمت منسوخ ہو چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے سورۃ الناس کی تفسیر میں فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[2]

"تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔"

اس آیت کے اُترنے پر لوگ ایک دوسرے کے ہاں کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے۔ پھر سورۃ نور کی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا، فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾[3]

تم پر کوئی حرج نہیں کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (اسی طرح) کوئی غنی اپنے اہل کے کسی فرد کو کھانے کی دعوت دیتا ہے تو وہ کہتا میں اس کے کھانے میں حرج سمجھتا ہوں کوئی اور مسکین اس کا مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ اس آیت کے ذریعہ سے

---

(1) سنن ابی داوٗد ،باب فسخ الضیف فی الاکل من مال غیرہ، رقم الحدیث: ۳۷۵۳

(2) النساء۴: ۲۹

(3) النور۲۴: ۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(حقدار) حلال ٹھہرایا گیا جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ وہ کھالیا کریں اور (ایسے ہی) اہل کتاب کا کھانا بھی حلال کر دیا گیا۔ قرآن پاک میں جہاں دوزخیوں کا دوزخ میں جانے کا ذکر آیا ہے کہ دوزخ کے فرشتے اہل دوزخ سے سوال کریں گے۔

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ﴾[1]

”تمہارے دوزخ میں آنے کی کیا وجہ ہوئی۔ وہ کہیں گے ہم دنیا میں رہتے ہوئے نماز نہیں پڑھتے تھے اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔“

عَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ, أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَرْبَعَةَ دَنَانِيرَ, وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا, وَمَعَ ذَلِكَ أَرْزَاقَ الْمُسْلِمِينَ وَضِيَافَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ »[2]

”حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان ذمیوں پر جو (بہت زیادہ) سونا رکھتے تھے چار دینار جزیہ مقرر کیا اور جو چاندی رکھتے تھے ان پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے علاوہ ان پر مسلمانوں کا خوردونوش اور تین دن کی میزبانی بھی مقرر کی تھی۔“

تین دن کی میزبانی یہ اصل میں خوردونوش کی وضاحت ہے یعنی ان غیر مسلموں کو ذمی بناتے وقت ان پر جزیہ کی جو مذکورہ مقدار مقرر کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی ان کیلئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مسلمان پہنچے تو وہ کم سے کم تین دن تک ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں یہ جائز ہے اور اس میزبانی کے اخراجات اصلی جزیہ سے وضع نہیں ہونگے بلکہ وہ جزیہ کی مقررہ مقدار کے برابر ہونگے۔ ہمارے سماج میں عموما اس طرح کی دعوتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے جس سے سماجی و معاشرتی ہم آہنگی کا تصور ابھر تا ہے۔

بچے کی ولادت، عقیقہ کی دعوت

3۔ خوشی و مسرت کے موقع پر دعوتیں

نئے گھر کی تعمیر کی خوشی میں دعوت

---

[1] المدثر ۷۴: ۴۲۔۴۴

[2] سنن بیہقی، ۹/ ۱۹۶، رقم الحدیث: ۱۸۴۶۸

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امتحان میں کامیابی کے موقع پر دعوت

ملازمت ملنے یا ملازمت میں ترقی کے موقع پر دعوت

کسی انعام ملنے یا مقابلہ جیتنے پر دعوت

تعلیم کی تکمیل کے موقع پر دعوت

4۔ شادی کے موقع پر دعوت

منگنی کی دعوت

نکاح کی دعوت

دعوت ولیمہ

5۔ مذہبی اور ثقافتی تہوار کے موقع پر دعوتیں

دعوت افطار

عیدین کے موقع پر دعوت

حج و عمرہ پر جانے اور آنے پر دعوت

6۔ باہمی صلہ رحمی اور تعلقات صلح کروانے کیلئے دعوت

دو ناراض افراد میں صلح کروانے کیلئے دعوت

7۔ تبلیغ دین کیلئے دعوتیں

8۔ سالانہ علاقائی تفریحی و ثقافتی دعوتیں

خلاصہ بحث

انسان کی زندگی کی بقا اور اس کا ارتقاء دونوں کھانے پینے پر مبنی ہیں اور یہ کوئی دنیاوی یا محض مادی حقیقت نہیں ہے۔ وہ فطرت کا قانون ہے جس کے پیچھے حکمت الٰہی کار فرما ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی ان دونوں کا ذکر بہت وضاحت سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خالق و مخلوق کے درمیان ایک فرق، بہت ہی بنیادی فرق اسی کھانے کے حوالے سے قائم فرمایا ہے۔ وہ اپنی وحدانیت، قیومیت اور خلاقی و ربوبیت جیسی صفات عالیہ کا ذکر یوں فرماتا ہے: ”تو کہہ، کیا اور کوئی پکڑوں اپنا مددگار اللہ کے سوا؟ جو بنانے والا ہے آسمان اور زمین کا اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا“ ” قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ “ پھر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

متعدد آیات کریمہ میں اس ذات بے ہمتا نے اپنی مخلوقات کو کھانا کھلانے اور رزق پہنچانے کا ذکر کیا ہے اور ان تمام آیات کریمہ میں کھانے۔ طعام کے حوالے سے اپنی رزاقیت وربوبیت اور انسان کے کھانے کی محتاجی کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف کھانے پینے کا محتاج نہیں بلکہ وہ مخلوقات خاص کر انسانوں کو کھانے کھلا کر اور مشروبات پلا کر ان کی زندگی کو باقی رکھتا اور پروان چڑھاتا ہے اور ہر انسان جب تک اپنے رزق کا کوٹہ پورا نہ کرلے وہ اس زندگی فانی سے اور اس دنیائے ضرورت سے نہیں جاتا جیسا کہ ارشاد باری ہے:" الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ" "جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں۔" وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ "" اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے رزق کا طالب نہیں کہ وہ خود ان کو کھلاتا ہے، دیگر آیات کریمہ۔

مخلوقات بالخصوص انسان کو کھانے کی محتاجی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کو بھوک لگتی ہے اور یہ اس دنیائے مادی میں اس کے جسم وجان کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ایک خاص وجہ سے پیدا کی گئی ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی بنیادی احتیاج کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرے اور اسی پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ اصل رازق اور سچا کھلانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسرے تمام "رازقین" صرف ذرائع ووسائل ہیں۔ وہ خود بھی اپنے رزق اور کھانے کیلئے اور دوسروں کو کھلانے کیلئے بھی اسی "خیر الرزاقین" کے محتاج ہیں۔ ان کی رزاقی سمندر سے پیاسے کو قطرہ عطا کرنے کے مترادف ہے اور وہ بھی ان کی اپنی دین اور اپنی صفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی اصلی رزاق ہے جو اپنی تمام مخلوقات کو طرح طرح سے کھلاتا رہتا ہے۔

کھانا کھلانے والے رزاق نے یہ حقیقت بھی واضح کردی ہے کہ کھانا کھانا ایک بشری ضرورت ضرور ہے مگر وہ کسی طرح قابل مذمت یا لائق تعزیز یا مورد تحقیر نہیں ہے کیونکہ انسانوں کے سرخیل بھی کھانا کھاتے تھے۔ انسانی فطرت بھی عجیب ہے کہ ذرا بھی روحانی پرواز شروع ہوئی اور وہ مادی ضرورتوں کی تکمیل کو لائق تعزیز سمجھنے لگتا ہے۔

رسولوں کی بشریت اور اس کے تقاضے سے کھانا کھانے پر جب مشرکین ومنکرین نے زبان طعن دراز کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمادی اور واضح کردیا کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے رسول بھیجے گئے وہ بھی کھانا کھاتے تھے۔" وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ ""اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے، کھاتا ہے کھانا۔" "وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ " "اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول، سب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھاتے تھے کھانا۔" دوسری آیات کریمہ میں بعض انبیاء کرام کا نام بہ نام ذکر فرما کر ان کے کھانے کا حوالہ دیا ہے۔

آیات الٰہی کے تلاوت کیئے جانے والے مظاہر یعنی قرآن مجید میں جس طرح ذکر طعام پایا جاتا ہے اسی طرح تلاوت نہ کی جانے والی آیات (احادیث) میں بھی ان کا ذکر خیر ملتا ہے کیونکہ وہ بھی وحی الٰہی کا دوسرا مظہر ہے۔ حدیث و سنت شارح و ترجمان ہونے کے سبب ذکر طعام اور بیان اکل و نقل کو اور زیادہ وسیع جہات دیتی ہیں۔ ایک شارح فن کا یہ تبصرہ خاصا حقیقت آگیں ہے کہ حدیث و سنت دراصل ایک تاریخی آئینہ ہے جس میں تہذیب و تمدن انسانی کی صورت واضح تر ہو جاتی ہے۔ ان کا دینی اور تشریعی پہلو ہی ان کا اطلاقی پہلو بھی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اقوال و اعمال اور تقاریر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار و افعال اس اطلاقی پہلو یا عملی صورت کو واضح طور سے سامنے لاتے ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا اسوہ اور نمونہ تمام انسانوں کیلئے لائق تقلید و پیروی ہے اور اس عظیم ترین اسوہ و نمونہ کے سب سے بڑے حاملین کرام اور شارحین عظام آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ تھے۔ احادیث و آثار میں عہد نبوی ﷺ کے کھانوں پر اور ان کے متعلق دوسرے دینی احکام و تہذیبی آداب و ضخیم دفاتر لکھے جاسکتے ہیں اور لکھے بھی گئے ہیں۔ احادیث کے مجموعوں میں "کتاب الاطعمہ" کے ابواب ان ہی کی تو تفصیل فراہم کرتے ہیں۔ اگر کتب حدیث و سنت کے کھانوں کے دفاتر جمع کر لئے جائیں تو کئی جلدوں میں سما سکیں گے۔ ان کی ضخامت سے زیادہ ان کی تمدنی بازیافت کا معاملہ اہم ہے کہ وہ پوری سیرت طیبہ ہی کو نہیں، اس خیر القرون کے پورے عہد اور ان کے طبقات و افراد کی صورت گری کرتا ہے اور سامنے لاتا ہے۔ اصلاً تمدن اسلامی کا یہ باب طعام ان ہی احادیث و سنن اور کتب الاطعمہ پر مبنی ہے اور وہی بنیادی ماخذ ہے مگر اسی کے ساتھ تاریخی اور سیرتی روایات و اخبار کو بھی شامل و شریک کیا گیا ہے کہ وہ بھی ناگزیر مواد ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو سیرت و تاریخ کے اخبار و آثار حدیث و سنت ہی کے دوسرے مظاہر یا رخ ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات اور دستور عمل ہے اور زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جو انفرادی اور اجتماعی امور میں روشن منہج دیتا ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ "(الحجرات: 10) حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اور مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں سے ایک دعوت قبول کرنا بھی ہے۔ اسلام کی مقبولیت کا سب سے اہم سبب اس کی تعلیمات گہرائی ہے جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ خاص طور پر اجتماعی زندگی میں حقیقی امن و سکون قائم کرنے کیلئے حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ صلہ رحمی، محبت و ہمدردی، ایثار و قربانی، عفو و درگزر اور دلوں کو آپس میں جوڑنے آپس میں باہمی محبت بڑھانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیلئے دعوت وضیافت کا حکم دیتا ہے۔ انسان معاشرتی زندگی میں دوسروں کے ساتھ تعلقات رکھنے کا محتاج ہے۔ وہ عملی زندگی میں چاہتا ہے کہ وہ اپنی خوشیوں اور غموں میں دوسروں کو شریک کرے، خوشیوں میں مل بیٹھ کر وہ اپنی خوشی کی رونق کو دوبالا کرے اور غمی اور پریشانی میں اس کے مسلمان بہن بھائی رشتہ دار اکھٹے ہو کر اسے تسلی دیں اور اس کے غم کے بوجھ کو ہلکا کریں۔ ہمدردی کے دو بول غمی کے وقت میں ڈھارس ہوتے ہیں۔ کسی کے گھر میں مہمان کا آنا اللہ کے فضل و کرم کا باعث ہوتا ہے۔ اسی لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مہمان کو ناپسند نہ کرو، جو شخص مہمان کو ناپسند کرتا ہے اللہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ مہمان نوازی اللہ کی رضا اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی نیت سے کی جائے نہ کہ دنیاوی مفاد اور کوئی مطلب حاصل کرنے یا احسان اور برتری جتانا مقصد نہ ہو۔ اسی طرح دعوت قبول کرنے کا مقصد بھی اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور اپنے مسلمان بھائی کی دلجوئی مقصود ہو۔ اگر کوئی شخص مہمان نوازی نہیں کرتا پھر بھی اس کی مہمان نوازی کی جائے۔ اسلام نہ صرف اطعام حنیف کا حکم دیتا ہے بلکہ اکرام حنیف کی بھی تائید کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اس مقالے کی تحقیق میں اسلامی ثقافت، قرآن و حدیث، تاریخ اور صحابہ کرام سلف صالحین کی زندگی سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے اور ان کی روشنی میں عصر حاضر سے غیر شرعی اور شیطان کی پیروی میں کی جانے والی رسومات کی مذمت کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفریح اور کھیلوں کا تصوّر اسوہ حسنہ ﷺ کے تناظر میں

ہمارے معاشرے میں دینی تعلیم وتربیت کی کمی کی وجہ سے بہت سے معاملات میں غلط فہمیاں اور الجھنیں پیدا ہورہی ہیں۔ یہ غلط فہمیاں اور الجھنیں ماضی میں پیدا نہیں ہوئیں، اس لیے کہ ماضی میں اس بات کا انتظام موجود ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہ صرف گھر سے شروع ہو، بلکہ گھر میں، بازار میں، مسجد اور مدرسے میں، دارالعلوم اور یونیورسٹی میں، کاروبار کے اداروں میں، تجارت کے مراکز میں ہر جگہ کا انتظام چوں کہ شریعت اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا، ہر شخص کا رویہ اور طرز عمل شریعت کے احکام کے مطابق تھا، اس لیے اس ماحول میں رہنے والا خود بخود دینی تعلیم اور دینی مزاج میں رنگ جاتا تھا۔ اس پر دینی تعلیم کا رنگ اتنا غالب آ جاتا تھا کہ کسی دوسرے رنگ کو قبول کرنا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب گزشتہ سوڈیڑھ سال کے دور انحطاط کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم ختم ہوگیا ہے، مسلم ماحول اور معاشرے سے وہ اثرات ایک ایک کرکے ختم ہوگئے جن کی وجہ سے نئے آنے والے افراد کی تربیت خود بخود ہوتی رہتی تھی۔ اس لیے اب یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ لوگوں کہ نہ صرف جزئی مسائل کی تعلیم دی جائے بلکہ یہ کوشش بھی کی جائے کہ عمومی طور پر لوگوں کے ذہنوں کی ساخت اور سانچہ شریعت اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق تشکیل پاجائے۔

تحقیق کا بنیادی سوال:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں نہ کسی تفریح کی گنجائش ہے نہ کھیل کا تصور اور نہ کوئی خوشی منانے کی گنجائش ہے۔ اسلام میں اگر کوئی داخل ہوگیا تو اس کا کام یہ ہے کہ خشک زندگی گزارے اور ہر قسم کی مسرت، خوشی اور سیر و تفریح کھیل سے بالکل الگ ہو کر ایک تارک الدنیا کے طور پر زندگی بسر کرے۔ یہ ایک رائے ہے جو کچھ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ افراد جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف عبادات اور نماز روزے کا نام ہے۔ نماز پڑھ لی تو گویا اللہ تعالیٰ پر بڑا احسان کر لیا۔ رمضان کے روزے رکھ لیے تو بہت بڑا احسان ہوگیا۔ اس کے بعد ہم جو جی چاہے کریں۔ ہمیں کھلی آزادی حاصل ہے تفریح کے نام پر جس مرضی قوم کی نقالی کریں، یہ ایک دوسری انتہا ہے۔ یہ دونوں انتہائیں شریعت اور سیرت رسول خاتم النبیین ﷺ کے مزاج اور تقاضوں کے خلاف ہیں، شریعت و سیرت کی تعلیم سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ تفریح اور خوشی اور مسرت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اور اسوہ نبویؐ سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفریح کا مفہوم:

تفریح کے لغوی معنی ہیں دل کو فرحت بخشنا۔ گرمی کے موسم میں کہیں دور سے آرہے ہوں، سخت تکان اور پیاس ہو اور کسی اچھے شربت کا ایک ٹھنڈا گلاس پی لیں تو دل کو ایک فرحت پہنچتی ہے، خوشی اور مسرت کا احساس ہوتا ہے۔اس کیفیت کے فراہم کرنے کو تفریح کہتے ہیں۔جس طرح جسم کی تفریح ہوتی ہے، عقل کی تفریح بھی ہوتی ہے، ذہن کی تفریح بھی ہوتی ہے، جذبات واحساسات کی تفریح بھی ہوتی ہے، دل کی تفریح بھی ہوتی ہے اور یہ تفریح انسانی مزاج، انسانی طبیعت، انسانی جذبات واحساسات کو regenerate کرنے کے لیے ہوتی ہے۔انسان ایک ماحول سے اکتا جاتا ہے، بعض اوقات ماحول کی یکسانیت اسے اکتاہٹ کا شکار کر دیتی ہے، وہ پریشان ہو جاتا ہے، اس بنا پر ماحول میں جدت پیدا کرنے کے لیے اسے کچھ کرنا پڑتا ہے۔عربی کا ایک جملہ ضرب المثل ہے: کل جدید لذیذ، ہر جدید لذیذ ہوتا ہے، ہر نئی چیز میں ایک لذّت ہوتی ہے۔انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر نئی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اس لیے کہ وہ نئی چیز میں لذت محسوس کرتا ہے۔اگر کسی پرانی چیز کو بھی نئے انداز سے پیش کیا جائے تو اس میں بھی ایک نیا پن محسوس ہوتا ہے۔گھر میں جائیں اور گھر کے فرنیچر کو ایک نئے انداز سے ترتیب دے دیں، اس کی تشکیل بدل دیں تو کمرہ نیا معلوم ہونے لگے گا۔پرانی کتابیں نکالیں، انہیں نئی ترتیب دے دیں، ان کی نئی جلدیں بنوالیں تو آپ کو اس میں ایک نیا پن اور اپنائیت محسوس ہونے لگے گی، ایک خوشی محسوس کریں گے۔لباس کی تیاری میں تھوڑی جدّت پیدا کر لیں تو اچھا لگے گا، خوشی محسوس ہو گی۔

جدّت میں انسان لذّت محسوس کرتا ہے اور نئے پن میں ایک تفریح محسوس ہوتی ہے۔عام معمول سے ہٹ کر انسان جب کوئی نئی چیز کرتا ہے تو اس کو خوشی ہوتی ہے، اس خوشی کی وجہ سے تفریح محسوس ہوتی ہے، اس تفریح سے جذبے اور احساس میں ایک نئی زندگی محسوس ہوتی ہے۔جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں، تفریح کے لیے پہاڑوں پر جاتے ہیں اور جو لوگ پہاڑوں پر رہتے ہیں، وہ تفریح کے لیے شہروں میں آتے ہیں۔ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقوں میں جا کر سیر و تفریح کرتے ہیں۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو آدمی جس ماحول میں رہتا ہے، اس سے ہٹ کر وہ نیا ماحول تلاش کرنا چاہتا ہے۔یہ ایک فطری بات ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔شریعت نے انسان کے تمام فطری تقاضوں کی تکمیل کا سامان کیا ہے، اس تقاضے کی تکمیل کا سامان اور اس سلسلے میں ہدایات بھی شریعت میں موجود ہیں۔لیکن اس کی شرائط کیا ہیں؟ اس کی حدود کیا ہیں؟ لیکن اس حد تک ہر شخص اتفاق کرے گا کہ لوگ اپنے مزاج اور طبیعت کو ایک جدت سے ہم آہنگ کریں، اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشیں، اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کارکردگی کو بہتر بنائیں، اپنی کارکردگی میں اگر کمی آرہی ہے، کوئی سستی واقع ہورہی ہے تو اس سستی کو دور کریں، یہ بات شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے، شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے۔

دنیا کی دیگر اقوام میں تفریح کا تصور:

اقوام عالم میں تہوار کا تصور یہ تھا کہ موسم کی تبدیلی کو نقطہ آغاز قرار دیا جائے۔ انسان تبدیلی سے خوش ہوتا ہے۔ جب تک سردی نہیں آئی ہوتی تو سردی کا منتظر رہتا ہے۔ سردی آجاتی ہے تو گرمی کا انتظار شروع ہوجاتا ہے۔ پھر گرمی آتی ہے تو اس سے پریشان ہوکر سردی کا منتظر رہتا ہے۔ یہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ انسان کا عام مزاج ہے، اس لیے مختلف اقوام نے موسم کی تبدیلی کو ایک تہوار قرار دیا۔ قدیم ایرانیوں نے اس مقصد کے لیے نوروز مقرر کیا۔ انہوں نے ایک خاص دن کو موسم بہار کا نقطہ آغاز قرار دیا اور یہ سمجھا کہ اس دن ایک نیاپن ماحول اور کائنات میں پیدا ہوا ہے، اس لیے اسے ایک خاص انداز سے مناتے ہیں۔ کچھ اور اقوام ہیں جو سردی کی آمد کو مناتی ہیں۔ کچھ اور اقوام ہیں جو کسی خاص موسم کی آمد کو مناتی ہیں۔ کوئی گرمی کی آمد کو مناتا ہے، کوئی ہولی کے نام سے جب گرمی آتی ہے تو ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں۔ لیکن تھوڑا سا غور کریں تو کسی خاص موسم کی آمدورفت سے کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ پھر موسم کی آمدورفت ہر علاقے کے لیے مختلف ہوگی۔ فرض کیجیے کہ موسم کی آمد پر جشن منانا اچھی بات ہو یا کم از کم بری بات نہ ہو تو موسم کی تبدیلی ہمارے پاکستان میں فرض کیجیے فروری میں ہوگی۔ لاہور میں فروری ہی میں ہوجاتی ہے، اسلام آباد میں مارچ میں ہوتی ہے۔ شمالی علاقہ جات میں اور آگے جائیں تو اپریل میں ہوتی ہے۔ مزید آگے جائیں تو جون میں ہوتی ہے۔ اور مزید آگے چلے جائیں تو پورا سال نہیں ہوتی۔ سال بھر برف باری رہتی ہے۔ ہمارے مغربی علاقوں میں چلے جائیں تو بلوچستان میں شاید جنوری ہی کے کچھ دن سردی رہتی ہو۔ یہ جغرافیائی حالات ہیں جس سے اندازہ کرلیں کہ ہر علاقے اور ہر ملک میں ایک نئے وقت میں موسم کی تبدیلی آتی ہے۔ اس لیے اگر موسم کی تبدیلی کو اسلام بطور جشن کے یا بطور تہوار کے مانتا تو یہ ایک عالم گیر برادری کے لیے قابل عمل نہ رہتا۔ ایک ایسی عالمی برادری جو دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشے میں پائی جاتی ہے، جو امریکہ سے لے کر چین تک اور سائبریا سے لے کر انتہائی جنوبی علاقوں سڈنی اور کیپ ٹاؤن تک میں موجود ہو، وہ کسی ایک دن کو موسم کی تبدیلی کا نقطہ آغاز قرار نہیں دے سکتی۔ اس لیے کوئی ایسا تہوار موسم سے وابستہ نہیں ہوسکتا جو پوری امت مسلمہ کے لیے ہو۔ اسی لیے اسلام نے موسموں کی تبدیلی کے ساتھ تہوار نہیں کیے۔

بعض اقوام نے یہ دیکھا کہ ان کے ہاں دیوتاؤں کے پرانے قصے مشہور ہیں کہ فلاں دیوتا سے یا فلاں دیوی سے یا فلاں بت سے وابستہ یہ واقعہ ہے، وہ قصہ ہے۔ یہ قصے فرضی تھے یا حقیقی، انہوں نے ان کی یاد منانی چاہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انہوں نے ان کے نام پر تہوار مقرر کر لیے۔ اکثر وبیشتر دیوتاؤں کے تہوار مشرکانہ ہیں ۔ مشرکانہ یادوں، مشرکانہ اعمال اور مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر یہ تہوار مقرر کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اولمپک گیمز کیا ہیں؟ یونانیوں میں اولمپک ایک دیوتا تھا جو کھیلوں کا دیوتا کہلاتا ہے، اس کے نام پر یہ اولمپک گیمز ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے مختلف دیوتاؤں کے ناموں پر تہوار ہوا کرتے تھے۔ یہ اکثر یونانیوں کے یا رومیوں کے تہوار ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی دیویاں وابستہ ہیں، ان کی یادیں وابستہ ہیں، ان کے ناموں سے یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں بر صغیر میں رام کی لیلا ایک تہوار ہوا کرتا تھا۔ رام لیلا کا تصور سمجھنے کے لیے پہلے اسی آیت مبارکہ پر غور کریں قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ[1] ہم نے آسمان اور زمین کو کسی کھیل میں پیدا نہیں کیا۔

ہم اس آیت کا ترجمہ پہلی بار پڑھیں تو خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ کھیل میں پیدا کیا ہے۔ ہم نے تو کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب نعوذ باللہ کھیل میں پیدا کیا ہے۔ مگر ہندو مذہب کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ رام پوری کائنات کا خالق اکبر ہے، جس کی یادگار کے طور پر وہ ایودھیا میں مندر بنانا چاہتے ہیں جو اس کی جنم بھومی ہے۔ خدا ان کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ پیدا ہوا تو وہ تنہا تھا۔ وہ اکیلے بیٹھے بیٹھے بور ہوتا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اس کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ نہایت فحش خرافات اور بے ہودہ چیزیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رام نے اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے کیا کیا؟ خلاصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے میل سے ایک لڑکی پیدا کی، دل بہلانے کے لیے اسے اپنے ساتھ رکھا۔ کچھ دن تو دونوں کا دل بہلا رہا، پھر یہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگے تو سوچا کہ کیا کریں؟ پھر انہوں نے کچھ کرنے کے لیے کائنات بنائی۔ تو یہ ساری کائنات انہوں نے دل بہلانے کے لیے بنائی ہے۔ لیلا کائنات کو کہتے ہیں، رام کی لیلا یعنی یہ پوری کائنات رام کی لیلا ہے۔ رام نے اپنے کھیل کود کے لیے، اپنی تفریح کے لیے یہ پوری کائنات یہ سارا سنسار سجایا ہے۔ جب اس کا دل بھر جائے گا تو وہ اسے توڑ دے گا۔ پھر کچھ اور شروع کر دے گا، یہ ہے رام لیلا اور قرآن مجید میں اس کی تردید ہے کہ ہم نے کائنات کو کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا۔

عرب میں کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اسلام ہندوستان میں جائے گا، وہاں ایک ایسی فضول قوم ہوگی جو اس طرح کے عقائد رکھتی ہوگی جس کی تردید قرآن مجید میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ ایک موحد انسان جو خالق کائنات پر ایمان رکھتا ہو اور قرآن مجید کے نظریہ توحید کو مانتا ہو، ایک لمحے کے لیے بھی مسلمان کا مزاج اور اس کی طبع سلیم برداشت نہیں کر سکتی کہ کسی بھی کلچر کے، کسی ثقافت کے نام سے وہ رام کی لیلا میں شرکت

---

[1]۔ الانبیاء: ۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے۔ اکثر و بیشتر تہواروں کا یہی حال ہے کہ وہ مختلف اقوام کے، بت پرستوں کے تہوار ہیں یا خاص واقعات جو قوموں کی تاریخ میں ہوئے ہیں، جن میں سے بیشتر واقعات کا تعلق ان کے فرسودہ عقائد اور بت پرستانہ تصورات سے ہے، ان کی یاد میں یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔

یہ بات کہ ہندوؤں میں مختلف چیزوں کے دیوتا ہیں، ہر شخص جانتا ہے۔ ہندو ہر اس چیز کو جو کسی طرح کا نفع یا نقصان رکھتی ہو، دیوتا مانتے ہیں۔ ان کے دیوتاؤں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہر فطری مظہر کا بھی ایک دیوتا قرار دیا ہے۔ ایک دولت کا دیوتا ہے، ایک غریبی کا دیوتا ہے، ایک بیماری کا دیوتا ہے۔ اگنی دیوی کا نام آپ نے سنا ہوگا جو دولت کی دیوی ہے۔ جب کہیں اترتی ہے تو وہ اندھی ہے، اس کی نگاہ کمزور ہے، اسے نظر نہیں آتا۔ جہاں زیادہ روشنی ہو، وہاں اتر جاتی ہے۔ جب اترنے کا وقت ہوتا ہے تو گھروں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ جب وہ اترتی ہے تو زیادہ چراغاں ہوتا ہے تاکہ جہاں زیادہ روشنی ہوگی، وہ وہاں اتر جائے گی، کیونکہ وہ آندھی ہے، اسے نظر نہیں آتا۔ جب وہ اترے گی تو دولت آجائے گی۔

ہندوؤں میں موسم بہار کی بھی ایک دیوی ہے۔ یہ دیوی زرد کپڑے پہن کر اترتی ہے اور ایسی جگہ اترتی ہے جہاں زیادہ زردی ہو۔ اس گھر میں زیادہ بہار آجاتی ہے۔ ہندوؤں میں اور ان سے متاثر پاکستانی مسلم معاشرہ میں ایک خاص دن ہی زرد کپڑے پہننے کا بڑا رواج ہے۔ گیندے کے زرد پھول، زرد کپڑے، زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے۔ ہم زعفران ضرور کھائیں، استعمال کریں۔ جو مرضی کریں، لیکن اگر ایک خاص دن میں ہم زعفران اس لیے استعمال کریں کہ اس کا رنگ پیلا ہے اور پیلے رنگ میں حکمت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس موسم بہار کی دیوی کو پیلا رنگ پسند ہے اور وہ اس روز اترتی ہے اور پیلا رنگ جہاں ہوتا ہے، وہاں وہ زیادہ اترتی ہے تو پھر یہ چیز ہمارے عقیدے کے خلاف ہے، اسلامی تعلیمات اور اسوہ نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔

جو مسلمان اللہ تعالیٰ واحد کو مانتا ہو اور ہر چیز اللہ کے حکم سے مانتا ہو، وہ کسی دیوی کے چڑھنے اترنے کا ایک لمحے کے لیے بھی تصور نہیں کر سکتا۔ بظاہر چیزیں ثقافتی اور کلچرل معلوم ہوتی ہیں اور کچھ لوگ سادہ لوحی میں یا زبردستی، دھونس اور دھاندلی میں اس کا کلچرل، ثقافتی یا معاشرتی پہلو سامنے رکھتے ہیں کہ موسم بہار کی آمد پر لوگ خوشی منالیں اور پتنگ اڑالیں تو آپ کا کیا نقصان ہے؟ پوری قوم کو پتنگ بازی پر لگا دیں اور پوری قوم کی ساری توجہ اس جانب لگ جائے، درجنوں آدمی اس روز مارے جائیں۔ ایک طرف انسانی جان کی قدر و قیمت کے نعرے لگائے جاتے ہیں، ایک جانب ڈگنٹی آف مین (Dignity of man) کی بات کی جاتی ہے۔ اگر کہیں اسلام کے حوالے سے کہا جائے کہ فلاں آدمی نے میری انگلی کاٹ دی، لہٰذا قصاص میں اس کی انگلی کاٹ دی جائے تو وہاں تو ڈگنٹی آف مین (Dignity of man) یاد آجاتی ہے کہ اس قاتل، ڈاکو یا چور کی، جس نے حملہ کر کے میری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگلی توڑ دی تھی، اس کی انگلی سلامت رہے، میری انگلی کی خیر ہے، لیکن جہاں درجنوں آدمی روزانہ موت کے گھاٹ اترتے ہوں، اور گلے پر ڈور پھرتی ہو اس کا کسی کو احساس نہ ہو، یہ افسوس اور دکھ کی بات ہے۔

مختلف اقوام میں تہوار کی یہ قسم بھی پائی جاتی ہے کہ کسی خاص حکمراں کو اس دن حکومت قائم کرنے کا موقع ملا، کسی خاص خاندان کو تخت نشین ہونے کا موقع ملا، کوئی خاص بادشاہ مر گیا، کوئی دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھ گیا تو اس دن سے تہوار شروع ہو گیا، اس روز کو یادگار کے طور پر منایا جانے لگا۔ یہ دنیا کی ہر قوم میں ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس طرح کے تہوار بدلتے بھی رہتے ہیں۔ جس بادشاہ کا عروج ہوتا ہے، اس کی تخت نشینی تہوار بن جاتی ہے۔ جب اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے تو اس کے تہوار کو بھی لوگ بھول جاتے ہیں۔ اس طرح کے تہوار ماضی میں ہزاروں آئے اور ہزاروں ختم ہو گئے جن کے بارے میں آج کسی کو معلوم نہیں۔ کچھ بادشاہ ایسے ہوتے ہیں جن کا تہوار کافی دن چلتا ہے۔ ملک مصر میں فرعون کا بڑا رواج تھا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ فرعون ان کی تاریخ کا بڑا فرماں روا گزرا ہے، لہٰذا وہ ان کے لیے ایک ہیرو اور رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں یہ بحث چلی، باقاعدہ تحقیقیں ہوئیں، یونیورسٹیز میں مقالے لکھے گئے کہ ان میں سے سب سے بڑا فرعون کون تھا جس کی یاد منائی جائے؟ فرعون تو لقب تھا، ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے، لیکن ان میں سے متعین فرعون جو ان میں سب سے بڑا ہوا، اس کی نشان دہی کی جائے۔ پتہ چلا کہ وہ وہی تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا، چنانچہ اس کو ہیرو بنانے کی کوشش شروع ہوئی۔ اب ہیرو تو بنالیا، اس کے نام کے بت بھی بنائے گئے، ہوٹل بنائے گئے، لیکن اس میں بڑی تحقیق کرنی پڑی کہ وہ پیدا کس تاریخ کو ہوا اور مرا کس تاریخ کو تھا، تاکہ اس تاریخ کو جشن منایا جائے، مگر کوشش کے باوجود اس کا پتہ نہ چلایا جا سکا۔

یہ بھی ایک انتہا ہے۔ جب کسی فرد کو رول ماڈل بنایا جائے اور اس کی ذات کو مرکز بنایا جائے تو یہ نتائج نکلتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں آپ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات گرامی کو کسی تہوار کا موضوع قرار نہیں دیا۔ نہ آپ کے یوم پیدائش کو صحابہ نے تہوار بنایا، نہ اسے ہجری کیلنڈر کا آغاز قرار دیا، نہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی وفات سے کیلنڈر شروع ہوا، نہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ذاتی فعل و عمل سے ہوا۔ آپ کی شادی بھی ہوئی، آپ کی اولاد بھی ہوئی، بہت سے واقعات ہوئے، لیکن صحابہ کرام نے بالاتفاق ان میں سے کسی واقعے کو اسلامی کیلنڈر کا آغاز قرار نہیں دیا۔ خود رسول اکرم ﷺ نے بھی ان میں سے کسی واقعے کو تہوار قرار نہیں دیا۔

بعض اقوام میں تہواروں کا ایک اور سبب پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی خاص جنگ میں کسی کو کامیابی ہوئی تو اس کی یاد میں تہوار منایا جانے لگا۔ مسلمانوں کو اللہ نے بڑی کامیابیاں دیں۔ غزوۂ بدر میں بڑی کامیابی ہوئی جسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید نے یوم الفرقان قرار دیا ہے۔ عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ۔[1] صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا ہے: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً [2] فتح مکہ جیسی کامیابی ہوئی، لیکن ان میں سے کسی بھی جنگ میں کامیابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا تہوار یا یادگار قرار نہیں دیا۔ صحابہ کرامؓ نے ان میں سے کسی کی یاد نہیں منائی۔ آپ نے سیرت، تاریخ یا صحابہ کرام کی سوانح عمری میں کہیں نہیں پڑھا ہوگا کہ انہوں نے یوم بدر منایا ہو، انہوں نے فتح مکہ کا دن منایا ہو، انہوں نے صلح حدیبیہ کی کامیابی کا جشن منایا ہو۔ اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا مزاج تفریح اور تہوار کے بارے میں کیا ہے؟

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کا مزاج کیسا بنایا ہے اور کس نظافت سے ان کی تربیت کی ہے۔ اس مختصر جائزہ کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت میں تفریح کا جو تصور ہے اس کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب و ثقافت میں تفریح کا تصور:

جتنے تہوار ہیں جن مواقع پر انسان تفریح مناتے ہیں، ان میں سے کسی موقع کو اللہ تعالیٰ نے تفریح کے لیے یا تہوار کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: لکل قوم عید وھذا عیدنا۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور ہماری عیدیں یہ دو ہیں یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ آپ دیکھیں کہ نہ کسی بادشاہ کی تخت نشینی سے ان کا تعلق ہے، نہ کسی جنگ میں کامیابی سے تعلق ہے، نہ کسی ریاست وسلطنت کے قیام سے تعلق ہے، نہ کسی خاندان کی حکمرانی سے تعلق ہے کہ فلاں خانوادۂ شاہی کا عہد شروع ہو گیا، نہ کسی بڑے آدمی کی پیدائش ووفات سے تعلق ہے۔ ان دونوں عیدوں کا تعلق دو خالص اصولوں سے ہے، دو ایسے اصول جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا ہمیشہ ممتاز ترین وصف رہے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی الٰہی کا نزول، قرآن مجید کی عطا جس کے شکر میں عیدالفطر منائی جاتی ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی بڑی قربانی کہ اس سے بڑی قربانی کسی انسان نے کبھی نہیں دی، اس کی یاد میں عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عزیز ترین چیز کی قربانی دینے کی جو مثال قائم ہوئی، عیدالاضحیٰ اس کی یادگار ہے۔ گویا تفریح کا تعلق بھی اور تہوار کا تعلق بھی نظریے اور اصول کے ساتھ ہے۔

نظریہ، اصول اور تفریح، یہ آپس میں اس طرح سے باہم مربوط ہیں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ بظاہر اس میں آپ کو کوئی خاص معنویت معلوم نہیں ہوگی۔ آدمی سوچ سکتا ہے چلیے مسلمان بڑے مذہبی قسم کے لوگ تھے، انہوں نے کسی حکومت کے قیام پر نہیں، قرآن کے نزول پر جشن منایا، اس میں

1۔ الانفال: 41
2۔ الفتح: 1

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کون سی خاص بات ہے؟ لیکن درحقیقت اس میں بڑی خاص بات پوشیدہ ہے۔ تفریح کرنے کے مواقع ہم نے دیکھ لیے کہ کیا کیا ہوتے ہیں۔ یہ تو قومی مواقع ہوئے۔ اس کے بعد انفرادی مواقع ہوتے ہیں کہ فرد کو خوشی ہوتی ہے۔ کسی کی شادی ہے، اس کو خوشی ہوئی۔ کسی کو اللہ نے بیٹا دیا، خوشی ہوئی۔ کسی کو کامیابی ہوئی، اچھی ملازمت مل گئی، کاروبار میں ترقی ہو گئی، اس طرح کے ذاتی مواقع بہت آتے رہتے ہیں اور ہر ذاتی موقع پر انسان خوشی کا اظہار کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کی تلقین فرمائی بلکہ خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ گویا مواقع دو طرح کے ہوئے: قومی، ملی اور اجتماعی مواقع جو شریعت نے دو رکھے ہیں، یعنی عید الفطر اور عیدالاضحیٰ جن کا تعلق دو بڑے اصولوں سے ہے۔ اس کے بعد انفرادی مواقع جو ہر فرد کی زندگی میں پیش آتے ہیں اور مشہور ہیں۔ شادی بیاہ ہے، پیدائش ہے، ملازمت ہے، کاروبار ہے، مکان نیا بنایا ہے، اس طرح کے اور کئی معاملات ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور مواقع بھی ہو سکتے ہیں جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو کسی بات پر خوشی ہوئی، مثلاً قیام پاکستان ہے، یہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خوشی کا موقع ہے۔ مصر کے مسلمان ہیں، انہیں 1973ء میں اللہ تعالیٰ نے اسرائیل پر فتح دی۔ 6/ اکتوبر کو وہ جشن مناتے ہیں۔ ایک بڑے دشمن پر اللہ نے انہیں کامیابی دی، اس پر وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ عارضی یا علاقائی قسم کے مواقع ہو سکتے ہیں، شریعت مطہرہ ایسے مواقعوں پر خوشی منانے سے منع نہیں کرتی۔

شریعت مطہرہ نے تفریح کے جو مواقع بتائے ہیں، ان میں ذاتی مواقع، ملی اور قومی سطح کے مواقع اور علاقائی سطح پر ہر خوشی اور جائز کامیابی کے مواقع شامل ہیں جو شریعت کی حدود کے اندر ہوں۔ ان کی خوشی منانے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کا اہتمام نہ صرف جائز ہے، بلکہ قرآن مجید کے بالواسطہ اشارے کے مطابق مسنون اور بہتر ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا [1] اللہ تعالیٰ کے فضل کو یاد کر کے خوشی کا اظہار کرو، فرحت کا اظہار کرو۔ یہی تفریح ہے۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ [2] اللہ تعالیٰ جو نعمت عطا کرے، اسے بیان کرو۔

کیونکہ جب نعمت کو بیان کرو گے تو نعمت کی قدر ہو گی، ورنہ بھول جاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہیں عطا کی ہے۔ اگر اللہ کی نعمت کا اظہار دوسروں کے سامنے نہیں کرو گے تو یاد نہیں رہے گا کہ اللہ نے بڑی نعمت دی تھی۔

---

[1]۔ یونس: 58
[2]۔ الضحیٰ: 11

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفریح اور تہوار جیسا کہ میں نے عرض کیا، ایک فطری ضرورت ہے اور ہر انسان کسی خاص موقع پر خوشی منانا چاہتا ہے، لیکن اگر خوشی اور تفریح حدود سے نکل جائے گی تو اس سے اخلاقی، معاشی، معاشرتی بہت سی قباحتیں پیدا ہوں گی۔ ایک قباحت کا ابھی ذکر ہوا۔ لاہور میں بسنت کے موقع پر چند سال پہلے 22 افراد ہلاک ہوئے اور چالیس پچاس کروڑ روپے ضائع ہوئے۔ اس طرح کا کوئی تہوار اسلام نے نہیں رکھا۔ اسلام نے تہوار اور تفریح کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے 15 اپریل 2020ء کو گلے پر ڈور پھرنے سے گورنمنٹ M.A.O کالج کے پروفیسر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ ایک تہوار تو وہ ہے جو ایک متعین دن منایا جائے اور ساری امت اور ساری قوم مل کر اس میں شریک ہو اور اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل قوم عید وھذا عیدنا ۔[1] ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، ہماری عید یہ ہے جو ہم منا رہے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں تفریح کی حدود، شروط، تقاضے:

دو تہواروں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ویسے بھی انسان کا کبھی کبھی یہ جی چاہتا ہے کہ اپنے عام معمولات اور ماحول سے نکل کر کسی نئے ماحول میں جائے، کسی نئی کیفیت کو محسوس کرے اور چوں کہ جدت کے احساس میں لذت ہے، اس لذت سے اپنی قوتوں، حوصلوں، اپنے مزاج کو تازہ کرے، دماغ کو تازہ ہوا دے، یہ ہر انسان چاہتا ہے۔ یہ بات اگر حدود کے اندر نہ ہو تو عملاً ممکن نہیں ہے۔ انسانوں کی ہر سرگرمی کے لیے حدود درکار ہیں۔ یہ ایسی واضح اور بدیہی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ہر مسلم، غیر مسلم اس کو تسلیم کرے گا کہ ہر انسان کی خواہش کی تکمیل کو حدود کا پابند ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ حدود کی پابندی ضروری نہیں ہے تو وہ غلط کہتا ہے۔ ہر خواہش کی تکمیل حدود کا تقاضا کرتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ مجھے مزیدار سے مزیدار کھانے ملیں، لیکن اس کی حدود ہونی چاہییں۔ اگر اس کی حدود نہ ہوں تو میں آپ کے گھر میں گھس جایا کروں اور جو اچھا کھانا ملا کرے، کھاجایا کروں۔ ظاہر ہے کہ اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس بڑی اچھی گاڑی ہو۔ اگر کوئی حدود کا پابند نہ ہو تو ہم میں سے ہر شخص باہر نکلے اور جو اچھی گاڑی نظر آئے، اسے ڈرائیو کر کے چلتا بنے۔ ظاہر ہے اس کو کوئی پسند نہیں کرے گا۔ اس لیے حدود ہونی چاہئیں، اخلاقی و سماجی حدود ہونی چاہئیں۔

ہر انسان اپنی خواہشات کو حدود میں رہ کر ہی پورا کرنے کا پابند اور مکلّف ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ حدود کیا ہیں اور ان حدود کو کون مقرر کرے گا؟ میں مقرر کروں گا یا آپ؟ اگر میں آپ کے لیے مقرر کروں تو

1۔ صحیح بخاری، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب، حدیث 3931

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کون ہوتا ہوں آپ کے لیے یہ حدود مقرر کرنے والا؟ مجھے آپ پر کیا فضیلت حاصل ہے کہ میں آپ کے لیے اس قسم کی حدود مقرر کروں؟ اور اگر آپ مقرر کریں تو یہی سوال میں کر سکتا ہوں کہ آپ کو یہ حدود مقرر کرنے کا کیا اختیار حاصل ہے؟ آپ کو کیا برتری حاصل ہے اور میں آپ کی مقرر کردہ حدود کا پابند کیوں ہوں؟ یا کوئی اور ہمارے لیے کرے تو کیوں کرے؟ اس لیے کہ جو شخص بھی یہ حدود مقرر کرے گا، اس کے اپنے خیالات ہوں گے، وہ اپنی تحدیدات سے محدود ہوگا، اس کا تجربہ محدود ہوگا، اس کا اپنا مخصوص پس منظر ہوگا، وہ کوئی بسنت کا رسیا ہوا تو بسنت کے بڑے احکام وضع کر دے گا اور کوئی رام لیلا کا رسیا ہوا تو اس کو منانے کی گنجائش پیدا کرے گا اور بہت خشک آدمی ہوا تو جائز تفریح کے راستے بھی بند کر دے گا، اس لیے کسی انسان کو یہ حدود مقرر کرنے کا فریضہ سونپنا بڑا خطرناک ہے۔ اگر وہ اچھی حدود بھی مقرر کر دے تو وہ حدود چند مہینے، چند سال، چند عشرے چلیں گی، اس کے بعد وہ از خود حالات سے غیر متعلق ہو جائیں گی، بے کار ہو جائیں گی۔ جب وہ حالات بدل جائیں گے، زمانہ تبدیل ہوا تو وہ حدود بھی بدلنی پڑیں گی۔ پھر کیا ہوگا؟ اس لیے بہتر ہے بلکہ ضروری ہے کہ یہ حدود کوئی ایسی قوت مقرر کرے جو موجودہ تحدیدات سے محدود نہ ہو، جو موجودہ قیود سے مقید نہ ہو، جو زمان ومکان سے ماورا ہو، جو کسی کے مفاد سے متاثر نہ ہو، جس کے پیش نظر کسی خاص گروہ یا فرد کی مصلحت نہ ہو، جو سب کو یکساں نظر سے دیکھتی ہو، جس کی نظر میں کالا اور گورا سب برابر ہوں، جس کی نظر میں غریب اور امیر میں کوئی فرق نہ ہو۔ وہ صرف خالق کائنات ہی ہو سکتا ہے، اس لیے اس طرح کی حدود جو سارے انسانوں کے لیے ہوں اور سارے انسان اس پر یکساں طور پر عمل کر سکتے ہوں، وہ حدود خالق کائنات ہی مقرر کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات عالیہ سے جو حدود متعین ہوتی ہیں آنے والی سطور میں ذکر کی جاتی ہیں۔

1۔ شرم وحیا:

سب سے پہلی حد جو کسی تفریح کو منانے کے لیے درکار ہے، جس کی حد سے آگے نہیں جانا چاہیے، وہ انسان کو حیا کا پابند ہونا چاہیے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں دریا کی سیر کو جاؤں۔ اچھی بات ہے، جانا چاہیے۔ وہاں خواتین بھی موجود ہوتی ہیں۔ اگر کوئی انسان کپڑے اتار کر دریا میں دوڑ لگانا شروع کر دے تو اسے کوئی پسند کرے گا؟ مشرق ومغرب کا کوئی سلیم الطبع انسان اس کو پسند نہیں کرے گا۔ دس مردوں کا کہیں اجتماع ہو، چار خواتین جا کر تیراکی کا لباس پہن کر وہاں تیرنا شروع کر دیں تو یہ اسلام کے تصور حیا کے خلاف ہے۔ حیا اور اخلاق بنیادی حد ہے جو شریعت نے مقرر کی ہے اور حیا کے آداب کی پاس داری کسی نہ کسی حد تک ہر انسان کرتا ہے۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توہو سکتا ہے کہ میں حیا کی حد کچھ اور مقرر کروں، دوسرا حد اور مقرر کرے۔اس پر تو بات ہوسکتی ہے کہ حیا کی حد کہاں مقرر کی جائے، لیکن حیا کی حد مقرر کرنے پر ہر انسان کا اتفاق ہے۔

2۔ دوسری بنیادی حد یہ ہے کہ تفریح یا خوشی منانے میں اسراف اور تبذیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔خوشی منائیں، اللہ تعالیٰ نے اچھے کپڑے دیے ہیں، آپ پہنیں۔اچھا کھانے کو دیا ہے، اچھا کھانا بھی کھائیں۔دوستوں، رشتے داروں، عزیزوں کو، اپنے پسندیدہ لوگوں کو بلا کر گھر میں تقاریب بھی منعقد کریں۔اللہ تعالیٰ کی شریعت نے ان چیزوں سے بالکل نہیں روکا، لیکن اسراف و تبذیر سے کام نہ لیں۔وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيراً [1] اسراف و تبذیر قرآنی اصطلاحات ہیں۔اسراف سے مراد کسی جائز کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا ہے اور تبذیر سے مراد ناجائز کام میں خرچ کرنا ہے، خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ناجائز کام میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا تبذیر ہے اور جائز کام میں اگر ایک لاکھ کی ضرورت ہے تو ایک لاکھ خرچ کرنا بھی اسراف نہیں ہے، لیکن اس صورت میں ایک لاکھ ایک روپیہ خرچ کرنا اسراف ہوگا۔اگر ایک لاکھ میں کام ہوتا ہے تو ایک لاکھ خرچ کریں، شریعت اس سے نہیں روکتی، لیکن اس سے اوپر اگر دس روپے بھی ہوں گے تو وہ اسراف ہو جائے گا اور اس کا ہر شخص اپنے طور پر فیصلہ کرے گا۔اس میں کوئی شخص باہر سے آپ کو نہیں بتاسکتا کہ آپ کے لیے اسراف کیا ہے۔تبذیر کی نشان دہی ہوسکتی ہے۔اگر کام حرام ہے تو اس میں ایک پیسہ خرچ کرنا بھی تبذیر ہے۔اسراف کیا ہے؟ یہ ہر شخص کے حالات پر منحصر ہے۔میرے لیے اسراف کچھ اور ہوگا اور آپ کے لیے کچھ اور ہوگا، کسی اور کے لیے کچھ اور ہوگا۔اپنے حالات کے حساب سے اسراف ہوگا۔

اس سے بھی کوئی شخص اختلاف نہیں کرے گا کہ اللہ نے جو وسائل دیے ہیں، جو مال و دولت دیا ہے، اس کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔وہ ہمارے مال و دولت کا بھی مالک ہے۔میری جیب میں جو پیسے ہیں اور آپ کی جیب میں جو پیسے ہیں، اس کا بھی مالک ہے۔آپ اس رقم کے امین ہیں۔آپ اس رقم کے ٹرسٹی ہیں اور رقم کو استعمال کرنے کی اللہ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ ہم اس کا جائز طریقے سے استعمال کریں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت دیا ہے، وہ جائز استعمال کے لیے دیا ہے، ناجائز استعمال کے لیے نہیں دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار ہے کہ وہ کہے کہ میری دی ہوئی دولت کو کہاں استعمال کرو اور کہاں استعمال نہ کرو۔یہ حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

لیکن اگر کچھ لوگ شریعت کے اصولوں سے دلچسپی نہ بھی رکھتے ہوں تو بھی وہ یہ بات تو تسلیم کریں گے کہ مال و دولت انسانوں کی دوسری اعلیٰ وبرتر ضروریات کے لیے ہے۔تفریح کے علاوہ بھی دوسری اہم ضروریات

[1] ۔ الاسراء: 26

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں، مال ودولت کی زیادہ ضرورت ان کے لیے ہے۔ خدانخواستہ آپ کے گھر میں کوئی شدید بیمار ہے، پیسے آپ کے پاس تھوڑے ہیں۔ اب آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اس کا علاج کروائیں، اور چھ ہزار کا Life saving انجکشن خرید لیں اور یہ بھی آپ کے اختیار میں ہے کہ چھ ہزار روپے خرچ کر کے آپ چھانگا مانگا چلے جائیں۔ لیکن کوئی معقول آدمی نہیں کہے گا کہ آپ اپنی ضعیف والدہ کا علاج تو چھوڑ دیں اور یہ چھ ہزار روپے جو آپ کے پاس ہیں، ان سے چھانگا مانگا کی تفریح کرنے چلے جائیں۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ اس سے علاج کرانا چاہیے۔ کسی کی تعلیم کا خرچہ ہے، وہ پورا کرنا چاہیے۔ مکان کی چھت گر گئی ہے، بارش سے پانی بہہ رہا ہے تو کوئی یہ نہیں کہے گا کہ جی، چھ ہزار روپے سے چھت کی مرمت کی ضرورت نہیں، تفریح کرنے جاتے ہیں۔ ہر معقول اور سلیم الطبع آدمی یہ کہے گا کہ یہ پیسہ تفریح کے بجائے فلاں بنیادی کام میں خرچ ہونا چاہیے۔ گویا جو بات شریعت نے کہی ہے، وہ ہر سلیم الطبع شخص مانتا ہے کہ تفریح کی ضرورت وہاں ہے جہاں باقی ضروریات آپ کی پوری ہوں، جہاں آپ کی ساری پریشانیاں دور ہو گئی ہوں اور اللہ نے جائز وسائل دیے ہوں جو آپ تفریح میں خرچ کر سکتے ہوں، ورنہ جائز ضروریات کو نظر انداز کر کے، اپنے فوری مسائل کو قربان کر کے تفریح کرنا کوئی معقول انسان پسند نہیں کرتا۔ نامعقولوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کی کہ جائز خوشی اور مسرت کے جو بھی جائز مواقع ووسائل موجود ہیں بغیر اسراف کے، بغیر تبذیر کے، بغیر اخلاقی، انسانی اور شرعی حدود کو توڑے جو بھی طریقہ ہو، اس کو اختیار کر سکتے ہیں، چنانچہ بتایا گیا کہ بہترین کپڑے جو انسان کے پاس موجود ہوں، ان کو پہنے، تحفے اور ہدیے کا تبادلہ کرے۔ دوست احباب کو گھر بلانا، تحائف کا تبادلہ کرنا خود آپ ﷺ کی تلقین ہے:

(تهادوا تحابوا)۔[1] " آپس میں تحفہ دو تو محبت بڑھتی ہے۔"

ایک دوسرے کو گھروں میں بلاؤ، ایک دوسرے کی خدمت میں ہدیہ پیش کرو، چاہے کوئی معمولی چیز ہو۔ ضروری نہیں کہ کوئی قیمتی چیز ہی ہدیہ میں پیش کی جائے تو محبت بڑھتی ہے اور معمولی ہو تو نہیں بڑھتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لا تحقرن جارة لجارتها ولو بفرسن شاة ۔[2]

یہاں نون تاکید ثقیلہ ہے جس میں زیادہ تاکید ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی یا اردو میں نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ایسے الفاظ اردو یا انگریزی میں موجود نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پڑوسی کسی پڑوسی کے ہدیے کو حقیر نہ جانے۔ اگر ایک بکری کا کھر بھی تحفے میں آئے تو اس کی قدر کرنی چاہیے، اس کو ہدیہ سمجھنا

1۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ج۵، ص ۲۵۴، رقم الحدیث ۷۲۴۰

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل، رقم ۲۳۷۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہیے، اسے قبول کرنا چاہیے، اس لیے کہ اگر قدر جذبے کی ہے تو جذبے میں قیمت نہیں دیکھی جاتی۔ قیمت اس گلاس کی پچاس روپے ہے یا وہ دو روپے کا مٹی کا پیالہ ہے، اگر کسی نے محبت سے پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کیا ہے تو اصل قدر اس محبت اور جذبے کی ہے اور اس احساس کی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوا کہ آپ کو وہ چیز پیش کرے، آپ کے ساتھ شیئر (Share) کرے۔ وہ ایک لاکھ روپے کی ہو، ایک روپے کی ہو، ایک پیسے کی ہو، دو پیسے کی ہو۔ اس لیے انسان کے جو بھی وسائل ہیں، کم ہیں یا زیادہ ہیں، اس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہدیے کا تبادلہ کرنا تفریح کا ایک حصہ ہے اور خوشی و مسرت کے اظہار کا اسلامی اور دینی طریقہ ہے۔

بعض مواقع ایسے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ خاندان میں یہ تفریح کا موقع ہوتا ہے۔ شادی ہوتی ہے تو لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، گھر میں جمع ہوتے ہیں، لیکن جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے اظہار کی تلقین فرمائی، وہاں اس میں ایک بڑے رجحان کو آپؐ نے روکا۔ بڑا رجحان ہوتا ہے اور یہ نفس کا ایک دھوکہ ہوتا ہے کہ جی، ایک ہی بیٹا ہے، اس کے ارمان نکالنے ہیں۔ ارمان بھی نکالنے ہیں اور ہر چیز کا جنازہ بھی نکالنا ہے۔ سب اکھڑ جاتا ہے، سب ختم ہو جاتا ہے کہ جی، ایک بچہ ہے، اس کے ارمان نکالنے ہیں۔ خاص طور پر بوڑھے لوگوں کا یہ خیال، نانی دادی ہوں کہ جی ہمارا ایک ہی پوتا تو ہے، اس کے بعد کیا ہے۔ اس میں جو بھی راز ہے، سب ظاہر ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے طرز عمل سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت سے ایسی مثال پیش کی کہ آج ہمارے قریب ترین لوگوں میں بھی کوئی کرے تو شاید لوگ ناراض ہو جائیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اول درجہ کس کا ہے؟ عشرہ مبشرہ کا ہے۔ دس وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو اس دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی گئی اور ان صحابہ کا جن کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی جانشینی کے لیے نامزد کیا کہ یہ چھ آدمی میرے جانشین ہو سکتے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو ہجرت حبشہ کے موقع پر چند سرداروں میں سے بنا کر بھیجے گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ آپ اس زمانے کا تھوڑا تصور ذہن میں لائیں۔ تیرہ سال اپنے گھر میں اپنے وطن میں Persecute ہو رہے ہیں اور پریشان کیا جا رہا ہے، کچلا جا رہا ہے۔ پھر ایک ٹھکانہ مل جاتا ہے، سب گھر بار چھوڑتے ہیں۔ کسی نے کاروبار چھوڑا، کسی نے جائیداد چھوڑی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ کے لکھ پتی آدمی تھے، صف اول کے پیسے والوں میں تھے۔ سب کاروبار چھوڑ کر تن تنہا مدینہ چلے آئے۔ وہاں جا کر ایک انصاری صحابی کے گھر میں بیٹھ گئے۔ اس صحابی نے کہا کہ میری زمین ہے، آدھی لے لو، کچھ یہ کرو، وہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، مجھے کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے بازار کا راستہ بتاؤ۔ دو چار دن بازار میں پھرے، کاروبار کیا۔ اللہ نے صلاحیت دی تھی، کاروبار شروع کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چند دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے۔ ایک دن آئے تو ذرا نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے، خوشبو لگی ہوئی تھی اور مہندی کا نشان شاید ہاتھ یا پاؤں میں یا جہاں بھی ہوگا، دکھائی دے رہا تھا۔ اثر صفرۃ (زردی کا نشان) کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے پوچھا، کیا بات ہے عبدالرحمٰن؟ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، میں نے شادی کر لی ہے۔ اب آپ ﷺ کو نہ صرف بلایا نہیں بلکہ بتایا بھی نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں کہ اچھا اتنی طوطا چشمی، اتنی بے وفائی کہ یہاں آکر میں نے سارا ٹھکانا دیا، میں لے کر آیا، میں نے لوگوں کے یہاں ٹھہرایا، مواخات کرائی، میرے کہنے پر لوگوں نے کاروبار میں شریک کیا اور ہمیں پوچھا بھی نہیں۔ آج اگر یہ ہو تو ری ایکشن ہوگا کہ اچھا جی، کاروبار میں اتنے مگن ہوئے کہ ہمیں بھول ہی گئے، لیکن رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے کچھ نہیں کہا۔ نہ انہوں نے محسوس کیا کہ بلانا ضروری ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے سمجھا۔ آپؐ نے فرمایا:

اولم ولو بشاۃ۔[1] ولیمہ ضرور کرنا، خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

خوشی کا حکم دیا کہ اس کو Celebrate کرو، خوشی مناؤ، چاہے ایک بکری ذبح کر لو۔ اس واقعے پر جتنا غور کریں، اسلام میں شریعت کی ساری حدود سامنے آتی ہیں۔ اعتدال اور توازن کہ جتنے وسائل ہیں، ان کے اندر رہو، غیر ضروری طور پر اس کو مت پھیلاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس ایک بکری ذبح کر لو اور اس ایک بکری میں جتنے لوگوں کو شریک کر سکتے ہو، کرو۔ ویسے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ دعوت کرو، لوگوں کو بلاؤ۔ اس میں بعض اوقات لوگوں کے وسائل ہوتے ہیں، بعض اوقات نہیں ہوتے۔ اگر اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ عبدالرحمٰن! مجھے بھول گئے، مجھے نہیں بلایا تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہ ہوتی، اس لیے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا کہ اپنے دینی قائد کو اپنی تقریب میں بلاؤ، یہ بلانا مستحب اور پسندیدہ ہے۔ اب کون مسلمان ایسا ہوتا مدینہ میں، مکے میں، اس کے قرب وجوار میں جس کے ہاں شادی ہوتی، تقریب ہوتی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بلاتا؟ ہر ایک بلاتا۔ کسی کے پاس اتنے پیسے بھی نہ ہوتے جتنے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس تھے، کسی کے ہاں پانی پلانے کے لیے مٹی کا پیالہ بھی نہ ہوتا تو وہ کیا کرتا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی لفظ بغیر وحی کے نکلتا ہی نہیں۔

1۔ سنن ابوداؤد، ۱/ ۳۲۳، رقم ۲۱۰۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى. اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ﴾ (1)

تو یہ بھی نہیں کہا کہ بلایا کیوں نہیں۔ اتنا کہنے سے بھی ایک طریقہ ایسا قائم ہو جاتا کہ آئندہ آنے والوں کے لیے اس لفظ سے بھی مشکلات پیدا ہو جاتیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں فرمایا۔

3۔ تیسری بنیادی حد یہ ہے کہ شریعت کے جو بنیادی مقاصد ہیں، وہ نظر انداز نہ ہوں۔ شریعت کے جو اہم Objectives ہیں، ان کو اگر نظر انداز کر کے تفریح کی جائے تو وہ تفریح شریعت کی حدود سے متجاوز ہے۔ اسلام نے انسان کو کائنات کے اندر سب سے اونچا مقام دیا ہے۔ اتنا اونچا مقام دیا ہے کہ خالق کائنات کے بعد سب سے اونچا مقام انسان کا ہے۔ انسان جسمانی طور پر تو بہت چھوٹی مخلوق ہے۔ آپ پوری کائنات میں ذرا غور کریں تو ہماری حیثیت وہ بھی نہیں ہے جو سمندر کے کنارے پر پڑے ریت کے کسی ذرے کی ہوتی ہے۔ جسمانی طور پر ہماری حیثیت وہ بھی نہیں، لیکن اللہ نے قوت بے شمار رکھی ہے، صلاحیتیں بے شمار دی ہیں۔ آزادی اور فیصلے کی نعمت سے نوازا ہے، اچھے اور برے کی تمیز کی صلاحیت دی ہے۔ یہ باقی مخلوقات کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کا درجہ اللہ نے اپنے بعد سب سے اونچا رکھا ہے۔ باقی ساری مخلوقات اس کے نیچے ہیں۔ یہ سب مخلوقات سے اوپر ہے اور خالق کائنات سے نیچے۔ ظاہر ہے جب درجہ اتنا اونچا ہے تو مقاصد بھی اتنے اونچے ہیں۔ خلافت ارضی سے اس کو نوازا ہے۔ خالق کائنات کی مرضی سے زندگی گزارنے کا یہ پابند ہے۔ اس کی مرضی کا عملی ترجمان بن کر اس کو دکھانا ہے کہ خالق کائنات جس طرح کا انسان چاہتا ہے، اس طرح کا انسان بننا ہے اور پھر دوسروں کے لیے اس کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔ جو حیثیت پیغمبر کی اپنی قوم میں ہوتی ہے، وہ حیثیت امت مسلمہ کی بقیہ اقوام میں ہے۔ یہ آپ نے قرآن پاک میں پڑھا ہو گا کہ:

﴿لِتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ﴾ (2)

"تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے"۔ یعنی جو Relationship کی نوعیت تمہاری اور پیغمبر کی ہے، وہی نوعیت تمہاری اور بقیہ انسانوں کی ہے۔ اب اتنے اونچے مقام کو چھوڑ کر آپ نے تفریح کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیا جس میں یہ سب بھول جائیں کہ آپ کس کام کے لیے آئے تھے، کس کام کے لیے بھیجے گئے تھے تو یہ چیز ایک عام عقل کے بھی خلاف ہے اور شریعت کے بھی خلاف ہے۔

ایک مثال آپ کو دیتا ہوں۔ کمانڈر ان چیف پاکستان نیوی ایک بہت بڑا منصب ہے۔ بھاری ذمہ داری ہے، پاکستان کے پورے سمندروں کی نگرانی اور بہت سے کام ان کے ذمے ہیں۔ ان کو تفریح کا حق ہے، تفریح

---

[1]۔ النجم: ۳۔۴

[2]۔ البقرۃ: ۱۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنی چاہیے، لیکن اگر نیوی کے دس جہاز تفریح کے لیے چلے جائیں اور دنیا کے سارے سمندروں کے بے آباد جزیروں میں جا کر شکار کھیلا کریں کہ جی شریعت نے تفریح کا حکم دیا ہے اور کچھ پتا نہ ہو کہ پاکستان میں پیچھے کیا گزر رہا ہے، تو ظاہر ہے وہ بھی اس تفریح کو ناجائز سمجھتے ہوں گے۔ وہ بھی اس کو تفریح نہیں سمجھیں گے، ذمے داریوں سے تجاوز سمجھیں گے اور ذمے داریوں سے فرار قرار دیں گے۔ تو جو ذمے داری حکومت پاکستان نے پاکستان نیوی کے چیف کو دی ہے، اس سے بڑی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو دی ہے، اس لیے ملت مسلمہ کی جو ذمہ داریاں ہیں، ان کو نظر انداز کر کے تفریح کرنا نامناسب و ناجائز ہے۔ مثال کے طور پر نماز سب سے بڑا مقصد ہے۔ قیامت کے دن اس میں سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا۔ اب کوئی ایسی تفریح جس میں یہ پتا نہ چلے کہ نماز کب آئی، کب گئی، یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، یہ جائز نہیں۔

یہ تین بنیادی شرطیں ہیں جو شریعت نے تفریح کے لیے رکھی ہیں۔ اسراف و تبذیر سے اجتناب ہو، حیا کے حدود کے مطابق ہو، مقاصد شریعت سے تجاوز اور تجاہل نہ کیا جائے۔ ان حدود کے اندر جو تفریح بھی ہو گی، وہ جائز ہے، بغیر کسی رد وقدح کے آپ اسے جائز سمجھیں۔ ہم میں سے بہت سے حضرات کے مزاج میں شدت اور تیزی ہوتی ہے۔ بعض لوگ خالص دینی جذبے سے، کسی برے جذبے سے نہیں، دینی ومذہبی جذبے سے ہر جائز چیز کو بھی ناجائز کہنے لگتے ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو اپنے فرائض کا احساس اتنا شدید ہوتا ہے کہ ان کو ہر تفریح بھول جاتی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن توازن کے خلاف ہے۔ اگر آپ امتحان دے رہے ہیں، فرض کیجیے آپ کا C.S.C کا امتحان ہو رہا ہے اور بارہ بجے پرچہ ہونے والا ہے اور میں کہوں کہ وحدت روڈ کے فلاں اسکول میں آپ کا امتحان ہوگا، آپ وہاں چلے جایئے۔ اب کوئی تفریح یاد نہیں آئے گی۔ کوئی کہے کہ چلیں ہوٹل میں کھانا کھالیتے ہیں، تکے کھالیتے ہیں یا فلاں جگہ چلتے ہیں تو آپ کو کچھ یاد نہیں آئے گا۔ آپ کو یہ خیال دامن گیر ہوگا کہ مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ کے ہاں جواب دہی کا احساس اتنا تازہ ہو جتنا کہ آپ کو پرچے کا احساس تازہ ہے تو تفریح یاد نہیں رہتی۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قابل احترام بات ہے۔ اس سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس کو امتحان کی جواب دہی کا احساس تازہ ہوگا، اسے کوئی چیز attract نہیں کر سکتی تو ایسے حضرات انتہائی احترام اور انتہائی عقیدت کے مستحق ہیں کہ جن کو آخرت کے امتحان کا احساس اتنا تازہ رہے کہ وہ ہر تفریح کو بھول جائیں، لیکن شریعت کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کا ذہنی رویہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ اگر کسی کا رہتا ہے تو اچھی بات ہے۔ ہر شخص کا رویہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی یادداشت میں امتحان تازہ ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔

حضرت حنظلہؓ کا مشہور واقعہ ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(عن حنظلة الاسیدی وکان من کتاب النبی صلی الله علیه وسلم: "انه مر بابی بکر وهو یبکی، فقال: ما لك یا حنظلة؟ قال: نافق حنظلة یا ابا بکر نکون عند رسول الله صلی الله علیه وسلم یذکرنا بالنار والجنة کانا رای عین فإذا رجعنا إلی الازواج والضیعة نسینا کثیرا، قال: فوالله إنا لکذلك انطلق بنا إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فانطلقنا فلما رآه رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ما لك یا حنظلة؟ قال: نافق حنظلة یا رسول الله نکون عندك تذکرنا بالنار والجنة کانا رای عین فإذا رجعنا عافسنا الازواج والضیعة ونسینا کثیرا، قال: فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لو تدومون علی الحال الذی تقومون بها من عندی لصافحتکم الملائکة۔)[1]

"حضرت حنظلہؓ پریشانی میں تیز تیز تشریف لے جارہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ملے، پوچھا کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ پوچھا، اچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی سامنے ہے، جنت بھی سامنے ہے، دوزخ بھی سامنے ہے۔ کوئی چیز یاد نہیں آتی، صرف اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ جب واپس جاتا ہوں، کاروبار میں، تجارت میں، باغ میں، گھر میں تو وہ کیفیت نہیں رہتی تو یہ تو نفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور ہے اور آپ کے پیچھے کچھ اور۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ کیفیت تو میری بھی ہوتی ہے۔ اگر یہ نفاق ہے تو بہت بری بات ہے۔ چلیں، پوچھتے ہیں۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! یہ مسئلہ ہے۔ آپ نے تسلی دی کہ ایسا نہیں ہو سکتا، یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ کبھی یہ کیفیت اگر رہے جو تم بتارہے ہو تو فرشتے آپ کے ہاتھ چومنے لگیں۔"

گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ چیز مطلوب نہیں کہ ہر وقت آپ پر یہ کیفیت طاری رہے اور نہ ایسا ہوتا ہے۔ اگر کسی پر طاری رہتی ہے تو یہ اللہ کا احسان ہے، اس کا معاملہ خالص اللہ کے ساتھ ہے، لیکن بقیہ انسان ایسے ہیں کہ ان میں جب تفریح کا جذبہ پیدا ہو تو تفریح بھی کریں۔ اس لیے میں یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ حضرات ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرز عمل کو جو انہوں نے اختیار کیا ہے، جو انتہائی استثنائی ہے، وہ ہر شخص اختیار کرے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ہر شخص تفریح بھی چاہتا ہے، ہر شخص کے بعض اور

[1] ۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب الورع، حدیث 2514

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقاضے ہیں، وہ ان کو بھی پورا کرنا چاہتا ہے۔اس کے جسمانی تقاضے بھی ہیں، مادی اور اقتصادی ہر قسم کے تقاضے ہیں، ان کے درمیان توازن ہونا چاہیے۔ توازن اور اعتدال کے بغیر شگفتگی ہو ہی نہیں سکتی۔ شگفتگی اعتدال کا لازمی تقاضا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر پر تشریف لے گئے۔

(عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ: فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي.)[1]

"حضرت عائشہؓ کے ساتھ چہل قدمی کرنے لگے تو دیکھا کہ کچھ نوجوان دوڑ لگا رہے ہیں اور مقابلہ کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ دوڑ کا مقابلہ کریں؟ آپ نے کہا چلو۔ مقابلہ کیا، دوڑ لگائی۔"

یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر کم ۵۷، ۵۸ سے کم نہیں تھی اور دنیاوی اعتبار سے آپ دیکھیں کہ مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار کے کم از کم ایک تہائی پر آپ کی حکومت تھی اور آپ کے پیروکاروں کی تعداد، جو اپنی زندگی کا محور ومرکز آپ کو مانتے تھے، اگر لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور تھی۔ اس اعتبار سے دیکھیں کہ ایک معمولی مسجد کا مولوی، ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر، ایک کلاس کا ٹیچر اس طرح کرنے لگے تو سمجھتا ہے کہ میرا بھرم ختم ہو جائے گا اور لوگ کیا کہیں گے۔ میری ایک پہچان Dignity ہے یعنی پچاس چیزیں آدمی سوچتا ہے، ایک تصنع کا ہالہ اپنے اوپر طاری کر دیتا ہے۔ لیکن یہ فطرت کے خلاف ہے، گھر والوں کے ساتھ ایک بے تکلفی کا تعلق ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو دوڑ لگاتے ہیں۔ آپ نے دوڑ لگائی۔ سیدہ عائشہؓ کا بدن ہلکا تھا، عمر بھی کم تھی، وہ آگے نکل گئیں اور کہا کہ دیکھا، ہرا دیا! اس کے کچھ عرصے بعد پھر ایک مرتبہ سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ پھر ایسے موقع پر دیکھا کہ لوگ دوڑ لگا رہے ہیں تو کہا کہ آو دوڑ لگائیں۔ اب سیدہ عائشہؓ سے رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ آگے نکل گئے تو آپ نے فرمایا: هذه بتلك۔ یہ اس دن کا بدلہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں حس مزاح (Humor) بھی رکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حس مزاح تو ضرب المثل ہے۔ رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کے واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ امام ترمذیؒ کی بڑی اچھی کتاب شمائل ترمذی ہے جس کا اردو اور انگریزی ترجمہ دستیاب ہے اور کئی ایک لوگوں نے کیا ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور شخصیت کے بارے میں، آپ کے حلیہ مبارک، لباس، عادات، خصائل کے بارے میں بڑی معلومات جمع کی ہیں اور ایک بڑے مستند ترین محدث وقت

[1] ۔ ابوداؤد، السنن، کتاب المسافر، حدیث 3251

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس میں جتنے اقوال وواقعات جمع کیے گئے ہیں، بڑے مستند ہیں۔ اگر آپ مدینہ منورہ کے دس سال بلکہ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال دیکھیں تو یہ انتہائی مشکلات کا زمانہ ہے۔ مشکلات اور بحران کے جو بھی پہلو آپ کے ذہن میں آتے ہیں، کسی علاقے میں ہنگامی حالات کے جو بھی اسباب آپ کے ذہن میں آتے ہیں، وہ سارے کے سارے بیک وقت موجود تھے کہ چاروں طرف سے دشمن حملہ آور ہے، ہر تین چار مہینے بعد حملہ ہو رہا ہے، ہر تین چار ماہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوج لے کر نکلنا پڑتا ہے اور اوسطاً ہر چار ماہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے باہر فوج لے گئے ہیں، دفاع کرنے یا فتنے یا خطرے کا سد باب کرنے کے لیے۔ کبھی باہر سے کوئی سازش ہو رہی ہے، رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کوئی آرہا ہے، کچھ لوگ آپ کو شہید کرنے آرہے ہیں، لیکن ان سارے ہنگامی حالات اور خطرات کے باوجود آپ کی جو حس مزاح ہے، وہ اسی طرح موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک شخص توازن اور اعتدال کی معراج پر بیٹھا ہوا ہے کہ اس سے اوپر توازن اور اعتدال کا تصور انسان کے ذہن میں نہیں آتا۔ بعض اوقات بچوں سے گفتگو ہو رہی ہے۔ بچے دوڑ لگا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوڑ لگا رہے ہیں۔ کبھی صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں جاکر دیکھا کہ شعر وشاعری ہورہی ہے تو رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شعر وشاعری سننی شروع کردی۔ کبھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ یہ کیا لغو حرکت ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ہم آگئے ہیں، تب بھی شعر وشاعری ہورہی ہے! آپ بھی شعر سن رہے ہیں، لیکن اگر اس میں کوئی بات شریعت کے خلاف ہوگئی تو آپ نے فوراً منع کردیا کہ یہ ٹھیک نہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شادی میں تشریف لے گئے تو وہاں دیکھا کہ لوگ خوشی منا رہے ہیں، بچیاں خوشی مناتے ڈھولک پر گا رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاکر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک بچی نے گاتے گاتے ایک جملہ کہا کہ:

" وفينا نبي يعلم ما في غد۔ اور ہم میں ایک نبی بھی ہیں جو کل کا حال جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں نہیں، یہ بات مت کہو۔ کل کا حال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ " [1]

یعنی عقیدے پر بات آئی تو فوراً اسی وقت روک دیا، لیکن وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ آئے تو بیٹھے رہے اور وہ گاتی رہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ آئے تو بچیاں اٹھ کر چلی گئیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ دیکھو تمہارے آنے پر شیطان بھی بھاگ جاتا ہے۔ یعنی سیدنا عمر فاروقؓ کو نہیں روکا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تم اتنے سخت کیوں ہو؟ اور ان بچیوں کو نہیں روکا کہ تم کیوں بھاگتی ہو؟ آپ دیکھیں کہ جس

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، 4001

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آدمی کے مزاج میں شدت ہے، وہ شدت دین کے لیے استعمال ہو رہی ہے تو اس شدت کو نہیں روکا۔ اس میں اگر رسول اکرم ﷺ فرماتے کہ مت روکو تو پھر وہی بات ہوتی کہ ہمیشہ کے لیے ممکن ہے۔ آگے چل کر کوئی اعتدال سے بڑھ جانے والا ہو تو ممکن ہے بعض اوقات آپ کسی مصلحت سے روک دیں۔ یہ چیز جائز ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز جائز ہوتی ہے، لیکن آپ ماں ہیں، آپ سمجھتی ہیں کہ اگر اس وقت بچے کو اس میں لگنے دیا گیا تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ اس وقت اس جائز کام کو روک دینا چاہیے، ممکن ہے اس سے غلط عادت پیدا ہو جائے۔ فرض کیجیے محلے میں کبوتر باز رہتے ہیں، کبوتر بازی کرتے ہیں۔ آپ کا بچہ ایک کبوتر لے آیا، چھوٹا کبوتر پالنا گناہ نہیں ہے، لیکن آپ اس کو اس وقت روک سکتے ہیں کہ خدشہ ہے کہ محلے والوں کے ساتھ مل کر غلط عادت پڑ جائے گی۔ تو اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت رسول کریم ﷺ سیدنا عمر فاروقؓ کو روک دیتے کہ دیکھو منع مت کرو تو یہ ہمیشہ کے لیے قانون اور شریعت کا حکم بن جاتا کہ اگر کوئی جائز تفریح کے کسی کام میں مصروف ہو، کسی بھی مصلحت سے اس کو روکا نہیں جاسکتا۔ اب مصلحت سے آپ روک سکتے ہیں، سیدنا عمرؓ کی سنت بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بچیوں کو گانے سے روکا اور نہ سیدنا عمر فاروقؓ کو منع کرنے سے روکا۔ دونوں کو اپنی اپنی حالت پر رکھا۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے جو سو فیصد مزاج شناسِ رسول تھے، انہوں نے نہیں روکا۔ سیدنا عمر فاروقؓ جن کے مزاج میں سختی تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ واشدھم فی امر اللہ عمر، اللہ کے معاملے میں میرے صحابہ میں سب زیادہ سخت عمرؓ ہیں۔ انہوں نے روکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں کیا۔ اسی طرح کے واقعات اور مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اظہار مسرت اور خوشی کے جتنے بھی جائز طریقے ہیں، جب تک وہ شریعت کے حدود کے اندر ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نہیں روکا۔ انسان خوشی کے موقع پر چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو۔ انسان خوشی کے موقع پر چاہتا ہے کہ اس کی خوراک اچھی ہو، اپنے دوستوں کو بلائے، اپنے احباب کو بلائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کی تعریف کی ہے، لیکن اب اس بات کا امکان موجود تھا کہ جب لوگ خوشی و مسرت کے موقع پر دوست واحباب کو بلائیں گے تو انسان کا مزاج آپ نہ بھولیے، انسان کا مزاج بدلتا نہیں ہے۔ انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ مادی مفادات چاہتا ہے، ،انسان کا مزاج یہ ہے کہ دولت چاہتا ہے، صاحبان اقتدار کے قریب ہونا چاہتا ہے۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو شہ کا مصاحب ہوتا ہے، وہ اِتراتا بھی ہے۔ تو اس میں یہ رجحان بھی موجود ہے کہ جی بڑے آدمیوں کو بلاؤ، چھوٹے آدمیوں کو نظر انداز کر دو تو آپ نے جہاں خوشی کے اظہار کی اجازت دی اور تلقین کی کہ لوگوں کو بلاؤ، دوستوں کو بلاؤ، لوگوں کو جمع کرو، وہاں یہ بھی فرمایا کہ بدترین دعوت ہے وہ جس میں امیر لوگوں کو بلایا جائے، لیکن غریبوں اور ناداروں کو چھوڑ دیا جائے۔

عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا حکم دیا۔ اس میں آپ دیکھیں توازن کیا ہے۔ ایک تہائی اپنے لیے رکھو، ایک تہائی دوست احباب کو بھیجو اور ایک تہائی آس پاس کے جو ضرورت مند ہوں، نادار ہوں، چاہے دوستی رشتے داری نہ ہو، ان کو بھیجو۔ تو آپ دیکھیں کہ تینوں یکساں سطح پر ہیں۔ اپنی ذات بھی، دوست احباب بھی اور شہر کے نادار اور کمزور لوگ بھی۔ یہ خوشی کے موقعے پر اجتماعیت پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تفریح جس سے طبقاتیت کو فروغ ملے، اسلام کے مزاج کے خلاف ہے اور وہ تفریح جس سے طبقات ہم آہنگ ہوں، مسلمانوں میں ہم آہنگی پیدا ہو، بستی میں یکجہتی پیدا ہو، وہ تفریح اسلام کے تصور کے مطابق ہے، اسلام کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔

دوسری چیز جو یاد رکھنے کی ہے، اس کو ذرا غور سے سماعت فرمائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی یہ تو ثقافتی چیز ہے، اس کا اسلام سے کیا تعلق؟ یہ بات کہ یہ ثقافتی چیز ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ بڑی غلط چیز ہے۔ اسلام کا ہر چیز سے تعلق ہے۔ اسلام تو ہر چیز کے بارے میں راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ثقافت کے بارے میں بھی کرتا ہے۔ اگر ثقافت میں کوئی ایسی چیز ہے جو مشرکانہ اور کافرانہ پس منظر رکھتی ہے، جیسا کہ میں نے مثالیں دیں کہ پیلے رنگ میں ویسے تو کچھ نہیں ہے، لیکن اگر پیلے رنگ میں یہ عقیدہ ہو کہ اس میں دیوی اترتی ہے، لہٰذا مجھے پیلے رنگ کے کپڑے پہننے ہیں تو پیلے رنگ میں بہت کچھ ہے۔ اگر ویسے ہی کسی کو پیلا رنگ اچھا لگتا ہے اور وہ بسنت کے علاوہ بھی پیلے رنگ کے کپڑے پہنتا ہے یا پہنتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر بسنت کے ہی دن پیلا رنگ پسند آتا ہے، اور کسی دن پسند نہیں آتا پھر معلوم ہوتا ہے کہ بات محض پسند کی بات نہیں، کچھ اور ہے۔ اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مقامی ثقافت ہے، اس کا جو مظہر ہے جس کو آپ کہتے ہیں کہ محض ثقافتی چیز ہے، وہ کیا ہے؟ اگر اس کے پیچھے محض کسی قوم کا رواج ہے، اس کے پیچھے کسی غیر مذہب کا کوئی عقیدہ نہیں ہے، اس کے پیچھے کوئی مشرکانہ، جاہلانہ اور کافرانہ تصور نہیں ہے تو اس ثقافت کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مثال کے طور پر عید کے موقع پر لوگوں میں سویاں بنانے کا رواج ہے تو سویاں بنانے کا نہ کوئی مذہبی پس منظر ہے، نہ کوئی عقیدہ ہے، نہ کوئی ملحدانہ، مشرکانہ اور کافرانہ تصور ہے۔ یہ محض رواج ہے۔ ممکن ہے شروع میں کسی طبی ضرورت کے تحت اختیار کیا گیا ہو۔ ہمارے یہاں رمضان میں افطار کے وقت پکوڑے بنانے کا رواج ہے، کئی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکوں میں نہیں ہے۔ اب یہ طبی ضرورت ہے۔ ہندوستان کے ایک خاص موسم میں پورا دن بھوکا رہنے کے بعد چنا شاید مفید رہتا ہو، اس طرح رواج ہو گیا۔ بعض عرب ملکوں میں اس کا رواج نہیں، کسی اور چیز کا رواج ہے۔

اس طرح کی ثقافت ظاہر ہے، ہر قوم میں الگ الگ ہوتی ہے۔ اسلام اس کو پسند کرتا ہے، مسلمانوں نے کبھی اس کو ختم نہیں کیا۔ یہ ثقافتیں آج تک چلی آرہی ہیں۔ اسلام جس علاقے تک گیا، وہاں کے رسم ورواج کو صحابہ نے بھی اختیار کیا، وہاں کے اچھے طریقوں کو صحابہ نے بھی اپنایا۔ کبھی کسی صحابی یا تابعی نے نہیں کہا کہ اہل شام، تم فلاں قسم کا کھانا بند کر دو اور ہمارے جیسا کھانا کھانا شروع کر دو یا ہمارے جیسا لباس اپنا لو۔ لباس الگ الگ رہے۔ اہل شام کا الگ تھا، سینٹرل ایشیا والوں کا الگ تھا، اب بھی الگ ہے۔ جزیرہ عرب والوں کا الگ تھا، ایرانیوں کا الگ تھا۔ اس میں اگر کوئی چیز شریعت کے خلاف تھی تو اس کی نشان دہی کر دی گئی کہ یہ حصہ شریعت کے خلاف ہے۔ مثلاً مرد ریشم پہنتے ہیں، یہ درست نہیں ہے یا آپ کا لباس مکمل طور پر ساتر نہیں ہے تو ستر کا تقاضا ہے کہ اسے پورا کریں۔ اس طرح ضروری تبدیلی تو ہوتی رہی، لیکن اس طرح کی مقامی روایات کو جو شریعت کے متصادم نہیں تھیں، کبھی کسی نے ختم نہیں کیا، بلکہ ان کو اختیار کیا اور ان کو ترقی دی (Promote) کیا۔ سب سے پہلی شرط تو مقامی ثقافت کے بارے میں یہ ہے۔

دوسری شرط مقامی ثقافت کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کی وحدت سے متصادم نہ ہو۔ ابھی میں نے عرض کیا کہ اسلام میں تہوار موسم کی وجہ سے نہیں ہوتا کہ موسم ہر جگہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ کہیں سردی ہو گی، کہیں گرمی ہو گی، کہیں بہار ہو گی۔ اگر موسم کے حساب سے اسلام میں تہوار ہو گا تو پوری دنیا میں نہیں ہو سکتا، اس لیے کوئی ایسا تہوار یا مقامی ثقافت یا مقامی رواج جس سے ملت مسلمہ کی وحدت ختم ہو جائے، وہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔ امت مسلمہ کی وحدت قرآن کریم کی نص قطعی کی رُو سے ضروریات دین میں سے ہے:

﴿إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً﴾ [1]

"یاد رکھو، بلاشک وشبہ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔"

جگہ جگہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہے کہ امت کی وحدت میں خلل نہ پڑنے پائے۔ لہٰذا کوئی مقامی ثقافت جو امت مسلمہ کی وحدت متاثر کرے، شرعاً قابل قبول نہیں ہے۔

تیسری اور اہم چیز یہ ہے کہ جس چیز کو ثقافت کہتے ہیں، اس کا تعلق عقائد، عبادات اور ان معاملات سے نہ ہو جن کے بارے میں شریعت نے واضح ہدایات دی ہیں۔ شریعت نے جن چیزوں کی تعلیم دی ہے، وہ چار ہیں:

---

[1]۔ الانبیاء: 92

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ کچھ وہ ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہے۔ عقائد میں کوئی مقامی یا غیر مقامی ثقافت قابل قبول نہیں ہے۔ عقیدہ وہی قابل قبول ہے جو قرآن پاک اور سنت میں ہے۔

۲۔ عبادات ہیں۔ عبادات میں کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔ صرف وہ عبادت قابل قبول ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کی ہر قسم بالکل بدعت ہے۔ اس میں کوئی تامل کی بات نہیں ہے۔ ہر وہ عبادت جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں دی یا جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے نہیں ملتی، وہ عبادت، عبادت نہیں ہے۔ یہ دو چیزیں جن کے بارے میں اسلام بہت حساس ہے، اس میں کوئی External element داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اضافے کی اجازت نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ میرا تو اللہ کے آگے جھکنے کو بڑا جی چاہتا ہے۔ دو سجدوں سے تشفی نہیں ہوتی، میں دس دس سجدے کیا کروں گا۔ اگر ایسا کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، قابل قبول نہیں ہو گی۔

تیسری چیز ہے معاملات اور لین دین۔ لین دین میں شریعت نے جو احکام دیے ہیں، عمومی احکام ہیں، عمومی ہدایات ہیں۔ تفصیلات انسانوں پر چھوڑ دی ہیں۔ لیکن اگر مقامی ثقافت کا تعلق معاملات سے ہے تو وہ شریعت کی ان حدود کے اندر ہونی چاہیے۔ جن معاملات کی تعلیم شریعت نے دی ہے، اس کے اندر وہ مقامی ثقافت ہو، اس کے باہر نہ ہو۔ مثال کے طور پر شریعت نے کہا ہے کہ کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر نہ خریدو۔

﴿لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ۔[1]

یہ قرآن پاک کی نص قطعی ہے، شریعت کا حکم ہے، لہٰذا کوئی ایسا مقامی رواج جس سے زبردستی کسی سے پیسہ نکالا جائے یا اس کے مال وجائداد کو ہتھیا لیا جائے، جائز نہیں ہے۔

میں مثالیں دوں گا تو بات بہت لمبی ہو جائے گی، لیکن شادی ہوتی ہے تو لڑکیاں گھیر لیتی ہیں کہ بہنوئی سے جوتا چھپائی لینی ہے۔ بے چارہ پتہ نہیں پیسے لایا کہ نہیں لایا۔ شوق سے اور خوشی سے دے رہا ہے کہ نہیں دے رہا۔ جوتا چھپائی کے نام سے دے یا ٹوپی چھپائی کے نام سے دے۔ مجھے پتہ نہیں جوتا چھپائی کا کیا پس منظر ہے، کیا بیک گراؤنڈ (Background) ہے! ممکن کہ اس کا بھی کوئیبیک گراؤنڈ ہو، لیکن بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں زبردستی یا کسی شخص کی مرضی کے خلاف اس سے پیسے یا رقم لی جاتی ہے تو یہ شریعت میں جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب نفس منه ۔[2]

[1]۔ النساء: 29
[2]۔ احمد بن حنبل، امام، مسند، 309/6، رقم 20971۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لیے جائز نہیں، سوائے اس کے وہ اپنی خوشی سے، باہمی رضامندی اور طیب نفس سے دے رہا ہو۔"

اپنی پوری خوشی کے ساتھ دے رہا ہو تو وہ جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ اب یہ یقین کرنا کہ کہاں خوشی سے دے رہا ہے، کہاں مجبوری میں دے رہا ہے، یہ اس میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، للذا کوئی ایسا رواج جس میں زبردستی کسی کی رقم ہتھیالی جائے، یہ شریعت کے خلاف ہے۔

۴۔ چوتھی چیز عادات ہے۔ عادات میں شریعت میں بہت آزادی ہے۔ کھلا چھوڑا ہے۔ ہر قوم کی عادات ورواج ہوتے ہیں۔ کسی کے یہاں چادر اوڑھنے کا رواج ہے، کسی کے ہاں تہ بند باندھنے کا رواج ہے، کسی کے ہاں چارپائی پر سونے کا رواج ہے، کسی کے ہاں فرش پر سونے کا رواج ہے، کسی کے پاس کوئی کھانا مروّج ہے، کسی کے پاس کوئی کھانا مروّج ہے۔ کوئی چاول کھاتا ہے، کوئی کدو کھاتا ہے۔ یہ سب عادات ہیں۔ مختلف قوموں کی عادات ہیں جن کا تعلق جغرافیے سے، تاریخ سے، مقامی حالات سے، اقتصادی وسائل سے ہوتا ہے۔ اس میں شریعت نے بالکل آزادی دی ہے کہ اگر کوئی چیز شریعت کی نص قطعی کے خلاف نہیں ہے تو آپ جو جی چاہے کریں، آپ کو کھلی آزادی ہے کہ اسے اختیار کریں۔ مقامی ثقافت اور عادات کے باب میں اس کی کھلی گنجائش ہے، جیسا کہ میں نے عید کے موقع پر سویوں کی مثال دی۔

یہ وہ بنیادی ہدایات اور اصول ہیں جو شریعت نے تفریح کے بارے میں دیے ہیں۔ ان حدود کے اندر جو تفریح یا تہوار ہوگا، وہ منانا جائز ہوگا۔ اب دیکھیں کہ اسلام میں تفریح اور تہوار منانے کے بارے میں مثبت ہدایات کیا ہیں؟ یہ تو وہ ہیں جن میں منفی چیزوں سے روکا گیا ہے۔ جو چیز شریعت نے خود بتائی ہے، وہ کیا ہے؟ اس میں دو چیزوں کو الگ الگ دیکھیں۔ پہلے دیکھیں تفریح اور اس کے بعد دیکھیں تہوار۔ تفریح سے مراد وہ سرگرمی ہے جو وقتاً فوقتاً انسان انفرادی طور پر کرتا ہے۔ آپ آؤٹنگ (outing) کے لیے چلے گئے، پکنک (Picnic) کے لیے چلے گئے۔ یہ تفریح ہے۔ دوستوں کی دعوت کرلی، مہمانوں کو بلالیا، یہ چیزیں تفریح ہیں۔ تہوار سے مراد عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہے۔

پہلے تفریح کو دیکھ لیں۔ تفریح کے بارے میں شریعت نے جو ہدایات دی ہیں، پہلے ان کے بارے میں وہ تین ہدایات سامنے رکھیں جو میں نے ابھی بتائی ہیں۔ ان ہدایات کی روشنی میں یہ دیکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریح کو مقاصد عالیہ سے ہم آہنگ کرلیا۔ اسلام کے جو مقاصد عالیہ ہیں، امت مسلمہ کے جو مقاصد عالیہ ہیں، ان کو اور تفریح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکجا کرلیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفریح کی تین عام شکلیں ہیں۔ ان میں پھر مختلف ورائیٹیز ہیں، لیکن بڑی بڑی شکلیں تین چار ہیں۔ تفریح کی ایک شکل یہ ہے کہ لوگ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ کسی اور ملک میں تفریح کے لیے چلے گئے، شہر کے کسی مقام پر چلے گئے، شہر والے گاؤں کی تفریح کے لیے چلے گئے، گاؤں والے شہر میں گئے، ریگستان گئے، پہاڑوں پر گئے، دریا یا سمندر کے کنارے گئے۔ یہ ایک عام تفریح ہے جو ہر شہری کرتا ہے اور ہر انسان کا جی چاہتا ہے کہ اپنے علاقے سے باہر نکل کر سیر و تفریح کرے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید نے کیا کہا؟ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ گونگے، اندھے، بہرے آدمی کی طرح جیسے گئے تھے، ویسے واپس آگئے۔ نہ کسی اچھائی کا پتہ چلا، نہ کسی برائی کا پتہ چلا۔ انسان کو تو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ایک تفریح یہ ہے کہ جیسے مکھی ہوتی ہے، اس کو گندگی ہی نظر آتی ہے، اچھائی نظر نہیں آتی۔ خوشبو، تازہ پھول رکھے ہوں تو مکھی وہاں نہیں بیٹھے گی۔ ایک نکتہ گندگی کا ہو تو ساری مکھیاں وہاں جمع ہو جائیں گی۔ ایک انسان وہ ہوتا ہے جس کو سیر و تفریح میں گندگی نظر آتی ہے، اچھائی نظر نہیں آتی۔ اسلام نے ایسی تفریح کو پسند نہیں کیا۔ جاتے ہیں تو نامحرم عورتوں کو ہی تاڑتے ہیں کہ یہاں کوئی نامحرم عورت ملے۔ یہی دیکھتے ہیں کہ یہاں کوئی خلاف شریعت کام اور سرگرمی ہو تو پتہ لگائیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ منفی تفریح ہے جسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ مکھی کا مزاج ہے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ جب تفریح کے لیے جاؤ تو: ﴿ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ [1] جب جاؤ تو ہر چیز کو عبرت کی نظر سے دیکھو۔ یہ دیکھو کہ پچھلی اقوام کا عروج و زوال کیسے ہوا۔ جو قومیں مٹ گئیں، ان کے آثار باقی ہیں۔ ان کے آثار محض تاریخی چیز کے طور پر نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ ان کو زوال کیوں ہوا؟ ان کی غلطیاں کیا تھیں؟ ان کی کمزوریاں کیا تھیں؟ گویا تاریخ کو سیر سے وابستہ کر دیا کہ اس سیر کو تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بنا دیا۔ اسی نظریے کے ساتھ سیر کے لیے جاؤ، ہر جگہ جاؤ۔ بعض جگہ ایسے تاریخی اور عبرت انگیز مقام نہیں ہوتے تو مظاہر کائنات کو دیکھو۔ (الی الارض کیف سطحت)۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کیسے بچھایا۔ شہر میں آپ دیکھیں تو اس کو احساس نہیں ہوگا کہ الی الارض کیف سطحت۔ لیکن ریگستان میں کسی پہاڑ کے قریب جا کر دیکھیں تو وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ اللہ نے کیسے بچھایا۔ واقعی پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے بچھایا۔ الی الابل کیف خلقت۔ اور نہیں تو کسی جانور پر غور کرو کہ اللہ نے اسے کیسا پیدا کیا۔ اللہ کی حکمت کیا ہے۔ کسی بھی چیز پر غور کرنا شروع کر دیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

1۔ النمل: ۶۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک مرتبہ میرے ایک دوست نے مجھے ایک کتاب دکھائی جو ایک ماہر شخص نے پی ایچ ڈی کے تھیسس کے طور پر ایک آلو پر لکھی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے پہلے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ اللہ کی ہر چیز پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت سامنے آتی ہے۔ آلو کو سامنے رکھ کر ایک بڑی موٹی کتاب لکھی تھی کہ آلو میں کیا کیا ہوتا ہے؟ آلو میں پوری کائنات موجود تھی۔ اس کو مائیکرو اسکوپ کے ذریعے دیکھا تو جیسے دنیا کے اندر نہریں، سمندر اور جانور موجود ہیں، اس آلو کے اندر موجود تھے۔ چھوٹے مائیکرو اسکوپ کو اس آلو کے اندر لگا کر دیکھا تو پورا کرۂ ارض اس آلو میں موجود ہے۔ اللہ کی مخلوقات اور ان میں تعارض اور تناسل، نہریں، پانی اور غذائیں اور پودے، سب کچھ اس چھوٹے سے آلو میں موجود تھا۔ جب انہوں نے مجھے وہ کتاب دکھائی اور مجھے اس کے بارے میں بتایا تو سچی بات یہ ہے کہ غیر معمولی انداز میں مجھے قرآن مجید کی وہ آیتیں یاد آئیں کہ جس چیز میں غور کرو گے، اللہ کی قدرت کو پاؤ گے۔ یہ قرآن پاک کی پہلی تعلیم ہے۔ اس لیے جب انسان سیر کے لیے جائے گا تو ایک لمحہ بھی مقاصد عالیہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہیں گے۔ مقاصد عالیہ اس کی نظروں میں رہیں گے۔ اللہ کی قدرت اور اس کی توحید، کائنات کی عظمت، اپنا مقام اور ذمے داری اس کو یاد رہیں گی۔ تفریح بھی ہو رہی ہے، مقاصد عالیہ سے بھی وابستگی ہے اور خود بخود ایک سبق بھی مل رہا ہے۔

دوسری چیز جو تفریح کے طور پر انسان کرتا ہے، وہ آپس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ہر انسان ایک مثبت چیز میں مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ شریعت نے تعلیم دی ہے کہ مقابلہ اچھی چیز ہے، لیکن مقابلہ کسی برائی میں نہ ہو، کسی منفی چیز میں نہ ہو، مقابلہ کسی تباہ کن چیز میں نہ ہو۔ مقابلہ کسی مثبت اور خیر کی چیز میں ہو: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾[1]۔ خیر کے کاموں میں مقابلہ کرو، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص خطاط ہے۔ آپ اس سے بڑھ کر خطاط بننا چاہیں۔ ایک شخص اچھا قاری ہے، آپ اس سے بڑھ کر اچھا قاری بننا چاہیں۔ ایک شخص اچھا ماہر ریاضیات ہے، آپ اس سے بڑھ کر ماہر ریاضیات بننا چاہیں۔ ایک شخص اچھا معمار ہے، آپ اس سے اچھا معمار بننا چاہیں۔ جو چیزیں بھی مثبت ہیں، تعمیری ہیں، اس دنیا کے بارے میں ہوں یا آخرت کے بارے میں ہوں یا دین کے بارے میں ہوں، ان میں مقابلہ اچھی بات ہے۔ ایک بہن اچھی cook ہے، دوسری بہن اس سے اچھی cook بننا چاہتی ہیں۔ ایک بہن کو بریانی اچھی بنانی آتی ہے، دوسری بہن اس سے اچھی بریانی بنانا سیکھ لے۔ اس میں مقابلہ کرنے میں حرج نہیں، مقابلہ کرنا چاہیے۔ ہر اچھی، مثبت اور تعمیری سرگرمی میں صحت مندانہ مقابلہ، یہ قرآن مجید کی تعلیم کے بالکل مطابق ہے۔

---

[1]۔ المطففین:۲٦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نوجوان صحابہ میں اس طرح کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ہر وقت دشمنوں کا خطرہ تھا، ہر وقت مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار رہنا پڑتا تھا۔ آٹھ سالوں میں 82 غزوات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکلنا پڑا۔ اب اگر calculate کریں تو ہر ماہ یا ڈیڑھ ماہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو نکلنا پڑا۔ اسی طرح ایمر جنسی کی بھی کیفیت تھی اور یہ کیفیت تھی کہ رات کو اگر کہیں سے شور کی آواز آئے تو لوگ سمجھتے تھے کہ باہر سے کسی نے حملہ کر دیا ہے۔ آٹھ سال کا عرصہ تقریباً ہر لحہ ایمر جنسی کا زمانہ رہا۔ اس لیے اس کی ضرورت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت صحابہ کرامؓ کو جہاد کی تربیت دیں، چنانچہ نوجوانوں میں جب مقابلے ہوتے تھے تو تیر اندازی کے ہوتے تھے یا گھوڑ دوڑ کے ہوتے تھے یا اونٹ دوڑ کے ہوتے تھے یا تلوار بازی کے ہوتے تھے یا اسی طرح کے مردانہ مقابلے ہوتے تھے کہ جس میں کھیل بھی ہو، تفریح بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیتنے والے کو انعام بھی دیا کرتے تھے کہ جو جیتے گا، اس کو انعام بھی دیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تعمیری کاموں میں صحت مندانہ مقابلہ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش، یہ قرآن مجید کے مطابق بھی ہے، سنت کے مطابق بھی ہے اور رسول کریم ﷺ نے ان مقابلوں کا اہتمام کیا ہے۔

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور صحابیات رضی اللہ عنہن میں اور قسم کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ کھانا پکانے کے، سینے کے، گنتی سیکھنے کے، حساب سیکھنے کے یا اس زمانے کے گھریلو حساب سے ہوم اسٹڈی (Home study) یا ہوم اکنامکس (Home Economic) کہہ سکتے ہیں، وہ صحابیات میں رائج تھی اور وہ صحابیات سیکھتی تھیں۔ ایک دوسرے سے علم قرآن کا مقابلہ تو تھا ہی۔ علم حدیث کا مقابلہ بھی تھا، لیکن اس زمانے کے لحاظ سے جو خالص دنیوی علوم کی چیزیں تھیں جیسے کھانا پکانا یا سینا، ان میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا سلسلہ تھا۔

ایک تیسری چیز ہوتی ہے، کھیل کود۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمیں اجازت دیں۔ ہم باہر پکنک کے لیے جارہے ہیں، اپنے بھائی کو بھی ساتھ لے لیں۔ **یرتع ویلعب** (سورۃ یوسف :۱۲) ہمارے ساتھ کھیلے کودے اور جنگل میں کھائے پیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ قرآن پاک کی تفسیر کا یہ اصول ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی جو شریعت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے اور اس کی منسوخی کی کوئی ہدایت یا Indication نہیں ہے، وہ ہمارے لیے شریعت ہے۔ یہ قرآن کا اصول ہے۔ ہر وہ حکم جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے قرآن پاک میں یا سنت میں اور صرف قرآن وسنت میں آیا ہے، اس کی یہ حیثیت ہے۔ قرآن مجید میں اور سنت میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بارے میں جو فرمودات نقل ہوئے ہیں، اگر وہ فرمودات کسی منسوخی کی ہدایت کے ساتھ نہیں ہیں تو وہ ہماری شریعت کا حصہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ [1]

---

[1] المائدۃ: 45

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ہم نے یہودیوں پر فرض کیا تھا تورات میں کہ نفس کے بدلے نفس، جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ۔"

یہ بعینہٖ ہمارے لیے حکم ہے، حالانکہ تورات کے حوالے سے قرآن مجید میں آیا ہے، لیکن چونکہ منسوخ نہیں آئی، اس لیے ہمارے لیے حکم ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی سنت ایک پیغمبر کی سنت ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو کھیل کود کی اجازت دے دی۔ اس لیے کہ بارہ تیرہ سال کی عمر میں ایک خاص اسٹیج ہوتا ہے جس میں زیادہ فلسفہ آپ ان کے دماغ پر لاد نہیں سکتے۔ یہ بھی غلط ہوتا ہے۔ بعض ماں باپ چھ یا سات سال کا بچہ ہے، اس کے دماغ میں ٹھونس رہے ہیں کہ آپ کو کیا بننا ہے۔ یہ بچے کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس کو کھیلنے دیں۔ کھیل کود سے جسمانی طور پر اس کی صحت میں اضافہ ہوگا۔ یہ چیز انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔ البتہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس میں بچے کی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے جتنی تربیت دی جاسکتی ہے، اتنی تربیت آپ دیں۔ بچیوں کی تربیت اور انداز کی ہوگی، لڑکوں کی اور انداز کی ہوگی۔ یہ ہر ماں باپ اپنے طور پر طے کرلیں۔ اپنے بچوں کے لحاظ سے طے کریں کہ ان کے بچے کا بیک گراؤنڈ کیا ہے، ان کا پس منظر کیا ہے، ان کے ذہن میں بچے کے مستقبل کے بارے میں کیا آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اور اس کے حساب سے بچے کو تیار کریں۔

یہ تین تفریحیں ہیں جن کو اسلام نے اپنے تمام مقاصد سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ ان تفریحوں پر آپ بقیہ تمام تفریحوں کو قیاس کر سکتے ہیں۔ تفریح کی جو بھی شکل آپ ایجاد کریں یا جو بھی قوم ایجاد کرے، وہ انہی حدود کی پابند اور اسی نقشے کے مطابق ہو۔

تہوار کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لکل قوم عيد وهذا عيدنا۔[1] "ہر قوم کی ایک عید یا تہوار ہوتا ہے اور یہ ہماری عید اور تہوار ہے۔" تہوار کے بارے میں، میں نے عرض کیا کہ مختلف اقوام میں مختلف چیزوں کا رواج ہے۔ کہیں بادشاہ تخت پر بیٹھا تو تہوار ہے، کہیں جنگ میں فتح ہوئی تو تہوار ہے، کوئی دیوتا کے نام پر تہوار ہے، کہیں موسم کے بدلنے پر تہوار ہے۔ اسلام نے کوئی ایسی چیز نہیں رکھی۔ اسلام نے جو تہوار رکھے ہیں، وہ ایسے تہوار ہیں، ان کی Timing ایسی ہے کہ پوری امت مسلمہ اس کو ایک وقت میں منا سکتی ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ یہاں تو بہار شروع ہوگئی، وہاں بیس دن کے بعد شروع ہوگی، فلاں جگہ سرے سے بہار کا موسم آئے گا ہی نہیں۔ صرف سردی کا موسم ہے یا گرمی کا۔ سائبیریا میں نہ خزاں کا تصور ہے، نہ سردی کا نہ گرمی کا۔ تو فرض کیجیے کہ اسلام بہار سے نوروز کو تسلیم کرتا ہے کہ نوروز سے عید ہوا کرے گی تو سائبریا کے مسلمان کیا کرتے؟ ان کے لیے تو نہ نوروز ہے نہ تین روز، کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے اسلام نے ایسی کوئی چیز نہیں رکھی جو سارے مسلمانوں کے لیے قابل عمل نہ ہو۔ یہ دو تہوار جو اسلام نے رکھے ہیں (تہوار کا لفظ میں صرف مناسبت سے بول رہا ہوں، ورنہ عید کا لفظ بولنا چاہیے) اس میں سے ایک عید الفطر ہے اور ایک عید الاضحیٰ۔ یہ دو وہ تہوار ہیں جو اسلام نے مسلمانوں کو دیے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، رقم الحدیث 3931

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بحث کا خلاصہ :

اسلامی شریعت نے تفریح کی اجازت دی ہے۔ اسلام نے دو تہوار فراہم کیے ہیں۔ اسلام نے تفریح کو اخلاقی اور دینی حدود کا پابند قرار دیا ہے، تفریح کے وہ آداب دیے ہیں جو انسانوں کی فلاح اور بہبود کے ضامن ہوں۔ تفریح میں ان حدود سے تجاوز کرنے سے منع کیا ہے جو دینی اعتبار سے، اخلاقی اعتبار سے، معاشرتی اعتبار سے، معاشی اعتبار سے، کسی بھی اعتبار سے انسانوں کے لیے نقصان دہ ہوں۔ جو تہوار دوسری قوموں میں رائج ہیں، وہ سارے کے سارے ایسی بنیادوں پر استوار ہیں جو ملت مسلمہ کی عالمگیریت کے خلاف ہیں یا عقیدۂ توحید کے خلاف ہیں، اسی لیے اسلام نے ان تہواروں کو قبول نہیں کیا۔ ان سے یا عالمگیریت متاثر ہوتی ہے یا عقیدہء توحید متاثر ہوتا ہے، اس لیے ایسے تہوار دیے ہیں جن سے عقیدۂ توحید بھی بدرجہ اتم مکمل رہتا ہے اور عالمگیریت بھی بدرجہ اتم emphasize ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان غیر اسلامی تہواروں سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے بہن بھائیوں کو سمجھانا چاہیے کہ جب وہ خوشی منائیں تو شریعت کے حدود کے اندر منائیں، جب کسی تفریح کا بندوبست کریں تو شریعت کے حدود کے مطابق کریں۔ اس میں دنیا کی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی ہے۔

سفارشات :

1. پیش کردہ موضوع کو سامنے رکھ کر حکام اور عوام کے لیے چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔
2. اسلامی تہذیب و شریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے تفریح اور کھیلوں کو ترقی دینے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔
3. تفریح اور کھیلیں کسی بھی قوم کے لیے تعمیری کردار ادا کرتی ہیں اس لیے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کی سطح پر اس کا خصوصی اہتمام کیا جائے باقاعدہ نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
4. کھیلوں کے لیے یونین کونسل، ڈسٹرکٹ کی سطح پر کھیل کے میدان بنائے جائیں تفریحی مقامات پارکس وغیرہ کے لیے باقاعدہ منظم انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور باقاعدہ قانون سازی کی جائے۔
5. کھیلوں کے اداروں میں جو سفارشی کلچر پروان چڑھ رہا ہے اس کے خاتمہ کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں کہ Tallent نکھر کر سامنے آئے اور کسی حوصلہ شکنی نہ ہو سکے۔
6. Tourists کے شعبہ کو موثر بنایا جائے اور تفریحی مقامات کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا جائے۔
7. یونیورسٹیز میں اس شعبہ کو زیادہ منظم بنایا جائے اور تعلیمی اداروں میں سٹڈی Tours کو یقینی بنایا جائے۔
8. حکومت کو چاہیے کہ شعبہ Tourism کو فعال بنانے کے لیے پرائیویٹ پبلک پارٹنرشپ کی بنیاد پر معاشی معاونت مہیا کرے۔
9. سفر وسیلہ ظفر کے فارمولے کو Promote کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں Awareness کے پروگرامز ہونے چاہئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماجی ترقی میں امن و صلح کا کردار سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبائع کو مختلف بنایا ہے، اس لیے ان کے مابین اختلاف اور جھگڑوں کا ہو جانا فطری بات ہے۔ مگر جب یہ اختلافات شدت اختیار کر جائیں تو فتنہ انگیزی اور خون ریزی معاشرہ میں عام ہو جاتی ہے۔ اسلام امن و امان کا دین ہے، اس لیے اس نے اپنے ماننے والوں کو اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے اور ہر قسم کے اختلاف و انتشار سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ اسلام کا معنی ہی سلامتی ہے اور ایمان کے مادے ہی سے امن و امان کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اسلام اور ایمان شریعت کی دو بنیادی اصطلاحات ہیں۔ ایک کا مادہ "سلم" ہے اور دوسرے کا "امن" اور ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی امن و سلامتی۔ اسی طرح مسلمانوں کے تعارف کے لیے بھی دو لفظ استعمال کیے جاتے ہیں: مسلم اور مومن، جو پہلے دو لفظوں ہی سے مشتق ہیں اور ان کے معنی بھی تقریباً وہی ہیں، یعنی امن اور سلامتی۔ گویا جو شخص خود اپنی اور دوسروں کی سلامتی چاہتا ہے وہ مسلمان ہے اور جو خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے امن کا خواہاں ہے وہ مومن ہے۔ جس مذہب کی لفظی بنیاد تک امن و سلامتی پر مبنی ہو اور جس کے ماننے والوں کو امن و سلامتی کا علمبردار کہا جائے تو غور کیجیے کہ امن و سلامتی کو اس کی تعلیمات اور احکام میں کتنا دخل ہوگا۔ اسی بات کو اقبال نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان فرمایا ہے:

مزدکی ہو کہ فرنگی ہو مس خام میں ہے
امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے

اسلامی تعلیمات اور سیرت رسول ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی نزاع اور جھگڑے کی اتنی بھی گنجائش نہیں کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلّق کرے۔[1] بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ باہمی تنازعات کو حسب طاقت مٹانے کی کوشش کریں اور آپس میں صلح اور امن سے رہیں۔ حدیث مبارکہ میں اس نقصان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو باہمی نااتفاقی کی وجہ سے مسلمانوں کو پیش آسکتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو روزہ، نماز اور صدقہ خیرات سے افضل درجہ والی چیز نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باہمی اتفاق سب سے افضل ہے کیونکہ آپس کی نااتفاقی (دین کو) مونڈنے والی ہے (یعنی جیسے استرے سے سر کے بال صاف ہو جاتے ہیں ایسے ہی آپس کی لڑائی سے دین ختم ہو جاتا ہے)۔[2]

---

(1) صحیح مسلم،

(2) جامع ترمذی:۲۵۰۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی لیے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے چغلی، غیبت، حسد، بغض، کینہ، بدگمانی اور تجسّس جیسی غیر اخلاقی عادات کی بے حد مذمت کی ہے جو باہمی اختلاف و انتشار کا سبب بنتی ہیں۔اسی طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

«المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده»[1]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان امن میں رہیں۔''

قرآن میں اللہ تعالیٰ کے جو اسمائے حسنیٰ ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے ایک ''السلام''[2] یعنی امن وسلامتی۔ گویا اللہ کی ذات خود صفت امن کا مظہر ہے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ «ان الله هو السلام»[3] اسی طرح الہ کی ہدایت کو قرآن میں سبل السلام کہا گیا ہے۔[4] یعنی امن کے راستے۔اسلام کے مطابق جنت مسلمانوں کے قیام کی معیاری جگہ ہے۔قرآن میں جنت کو ''دارلسلام'' کہا گیا ہے۔[5] یعنی امن کا گھر۔قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ اہل جنت کا قول آپس میں سلامتی سلامتی ہوگا۔[6]

اسلام میں صلح کی اہمیت پر کس قدر زور دیا گیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ فریقین کے مابین صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾[7]

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ

(1) صحیح بخاری:۶۴۸۴
(2) الحشر:۲۳
(3) صحیح بخاری:۶۲۳۰
(4) المائدہ:۱۶
(5) یونس:۲۵
(6) الواقعہ:۲۶
(7) الحجرات۴۹ :۹

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: ﴿ وَ الصُّلۡحُ خَیۡرٌ ﴾[1] یعنی صلح کی روش اپنے نتیجے کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے مصالحانہ طریق عمل پر وہ کامیابی مقدر کر دی ہے جو اس نے غیر مصالحانہ یا متشددانہ طریق عمل پر مقدر نہیں کی۔

اسلام میں نہ صرف مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کو صلح کے ذریعے حل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، بلکہ غیر مسلم بھی اگر مسلمانوں سے صلح کی اپیل کریں تو ان کی پیش کش کو قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا﴾[2]

"اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں دشمنانِ اسلام کی طرف سے صلح کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے ان کے ساتھ صلح کر لینے کا حکم دیا ہے، تاکہ وہ مسلمانوں کے قریب ہوں اور انھیں اسلام کے بارے میں جاننے کا موقع ملے، اس سے اسلام کی اشاعت میں بھی مدد ملے گی، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں صلح حدیبیہ کو "فتح مبین" قرار دیا گیا ہے۔

موجودہ حالات میں پوری دنیا میں ایک اسلامو فوبیا کی صورت حال ہے اور سازش کے ذریعے اسلام کو دہشت گردی کا دین اور مسلمانوں کو امن وسلامتی کے دشمن کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ حالانکہ اگر تعصّبات سے بالاتر ہو کر اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے اور خلوص دل سے کسی نتیجہ پر پہنچے کی کوشش کی جائے تو اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو امن وسلامتی کی ضمانت دیتا ہے، جو ہر سطح پر دہشت گردی، تخریب کاری اور فتنہ فساد کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ آج بھی اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اسلام کے حصار رحمت میں داخل ہو کر ہر شخص اللہ کی پناہ میں آسکتا ہے۔

---

(1) النساء۴: ۱۲۸

(2) الانفال۸: ۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلح کی اہمیت سے اس لیے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر Society میں لوگوں کے مابین مختلف معاملات میں جھگڑے اور تنازعات سامنے آتے رہتے ہیں، جن میں خاوند بیوی کے جھگڑے، دیت ،قصاص وغیرہ کے مسائل، مالی معاملات میں جھگڑوں کی مختلف صورتیں شامل ہیں، جو معاشرے کی فضا کو پرامن بنانے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے حل کے لیے صلح کے بارے میں اسلام اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کو جاننا بہت ضروری ہے۔

صلح کی قانون میں بھی اہمیت واضح ہے، اس لیے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ 'صلح' فقہ اسلامی شریعہ اور قانون کا ایک بہت بڑا موضوع ہے۔ حدیث مبارکہ اور فقہ کی تمام کتابوں میں ''کتاب الصلح'' موجود ہے، ان میں صلح کے مسائل بکھرے ہوئے ہیں، جنھیں یک جا کرنے کی ضرورت ہے۔

ملکوں میں پھیلی ہوئی قتل وغارت ، خون ریزی اور دوسروں کے حقوق کا استحصال، ان سب کی وجہ باہمی تنازعات ہیں، جن کا حل اسلام کا تصور صلح ہے۔ عالمی حالات کے تناظر میں جب کہ دنیا میدان جنگ کا منظر پیش کر رہی ہے، ان حالات میں صلح کی آواز کو بلند کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

صلح کی اہمیت قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے احکامات:

صلح ایمان کے عظیم اصولوں میں سے ایک اصول ہے اور دین اسلام نے لوگوں کو صلح کے اندر رغبت دلائی ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ماحول کو بہتر سے بہتر بنانے کی خاطر صلح کی تلقین کی ہے الغرض اللہ رب العزت نے تمام لوگوں کو صلح کروانے کی تلقین وترغیب بڑے واضح اور مؤثر انداز میں کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾[1]

''ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں سوائے اس شخص کے جو کسی صدقے یا نیک کام یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے اور جو بھی یہ کام اللہ کی رضا کی طلب کے لیے۔ تو ہم جلد ہی اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔''

دوسری جگہ اللہ کا کلام کچھ اس طرح ہے:

﴿وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾[2]

---

(1) النساء4: 114

(2) ایضا4: 128

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی بے زیادتی یا بے رخی سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے، اور تمام طبیعتوں میں حرص رکھی گئی ہے۔ اور اگر تم نیکی کرو اور ڈرتے رہو تو بے شک اللہ جو تم کرتے ہو ہمیشہ بے باخبر ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ سورۃ حجرات میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[1]

"یقیناً مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرواؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے صلح کی طرف انتہائی بلیغ انداز میں رہنمائی کی ہے کیونکہ صلح میں انسانوں کی اصلاح، معاشرے کا امن اور دنیاوی وآخروی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بے شمار ارشادات میں صلح کی تلقین کی ہے اور صلح کو دین کے عظیم اصولوں میں سے ایک اصول اقرار دیا ہے کیونکہ صلح اتفاق و اتحاد، خاندانوں کا پر امن رہنا اور ملک و ملت کے سکون اور اطمینان کا باعث اور سبب ہے۔ سیدنا ابودرداء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تم کو روزہ، نماز اور صدقے کے درجے سے افضل عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کیوں نہیں اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْحَالِقَةُ»[2]

"رنجش اور جدائی کی اصلاح کرنا، کیونکہ لوگوں کے درمیان فساد ڈالنا (دین کو) مونڈنے والا کام ہے"

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جھگڑے، رنجش اور قطع تعلّقی کی اصلاح کی طرف رغبت دلائی ہے کیونکہ ان چیزوں کی اصلاح مسلمانوں کے درمیان اتفاق واتحاد کی علامت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[3]

"پس تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔"

---

(1) الحجرات 49: 10

(2) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، فی اصلاح ذات بین، رقم الحدیث: 4919

(3) الانفال 8: 1

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صلح کی اس قدر تلقین کی ہے کہ صلح کو تکمیل ایمان کے لیے لازمی اقرار دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، إِلاَّ صُلْحًا حَرَّمَ حَلاَلاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ، إِلاَّ شَرْطًا حَرَّمَ حَلاَلاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا)

"صلح ہر حال میں مسلمانوں کے درمیان جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کر دے یا پھر حرام کو حلال کر دے۔"

نیز فرمایا:

"اور تمام مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں سوائے وہ شروط جو کہ حلال کو حرام یا پھر حرام کو حلال کر دے۔"[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ كُلَّ يَوْمِ اثْنَيْنِ، وَخَمِيسٍ فَيُغْفَرُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمَيْنِ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا مَنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا»[2]

"اور سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو ان دونوں دنوں میں معاف کر دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ مگر وہ شخص جس کی دوسرے ناراضگی ہے، ان دونوں کو معاف نہیں کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے صلح کی تلقین اس قدر کی کہ لوگوں کو ان تمام کاموں سے روک دیا جو فساد اور فتنہ کی بنیاد بنتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کی خرابی کا باعث بنتے ہیں، جن کی وجہ سے انسانی زندگی کا چین، سکون اور اطمینان برباد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حسد، بغض، عدوات، شقاوت، اعراض اور غصہ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دنوں سے زائد ہم کلام نہ ہو۔ یعنی ان کو اگر تین دن ہوگئے ہیں کہ وہ آپس میں کلام نہیں کرتے اور ایک دوسرے سے اعراض کر رہے ہیں تو گویا کہ وہ حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

---

[1] ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماذکر عن رسول اللہ فی الصلح بین الناس، رقم الحدیث:1352

[2] ابوداود، کتاب الادب، باب فیمن اخاہ المسلم، رقم الحدیث:4916

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابو ایوب انصاری ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لاَ يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ: فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ)[1]

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زائد چھوڑے رکھے۔ اس سے کلام نہ کرے۔ کہ وہ آپس میں ملتے ہیں تو ہر کوئی دوسرے سے منہ پھیر لیتا ہے۔ ان میں سے بہتر وہ ہے جو دوسرے ساتھی کو سلام میں پہل کرتا ہے۔"

صلح دین اسلام کا ایسا فریضہ ہے جس کی انجام دہی کے لیے اگر انسان کو جھوٹ جیسا کبیرہ گناہ بھی کرنے پڑے تو دین اسلام نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ اگر اس ایک جھوٹ کو نہ بولا جائے تو کئی آفات کا سامنا کرنا پڑے گا اور صلح کی خاطر بولا جانے والا ہر جھوٹ حقیقت میں فساد کی جڑ کو اکھیر دے گا۔

سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ ؓ بیان کرتی ہیں:

(لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا)[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی جھوٹ بولنے کی اجازت کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی مگر دوران جنگ، لوگوں کے مابین صلح کرواتے وقت اور میاں بیوی کو رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ بولنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔"

لوگوں کے دلوں میں صلح کی رغبت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ نے خاص طور پر مسلمانوں کے لیے صلح کے کئی ایک فوائد و ثمرات کا تذکرہ کتاب و سنت میں کیا ہے جن میں سے مندرجہ ذیل فوائد انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

(الف) جھگڑوں اور فسادات کا خاتمہ صلح ہی کے ذریعے ممکن ہے۔
(ب) شر اور خرابی کا خاتمہ۔
(ج) انسانوں کا اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارنا۔
(د) اتفاق و اتحاد کا حصول۔
(س) اللہ تعالیٰ کی معافی کا حاصل ہونا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الہجرۃ وقول رسول اللہ لا یحل یرجل، رقم الحدیث:6077

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الکذب وبیان ما یباح منہ، رقم الحدیث:2605

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ش) مسلمانوں اور غیر مسلموں کے خون کی حفاظت۔

قرآن و سنت نے صلح کی تلقین کرتے ہوئے کچھ خاص طبقات میں انسانوں کا نام لے لے کر صلح کروانے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ میاں، بیوی کے درمیان نزاع و اختلاف کے وقت صلح کروانا، ظلم و تشدد کرنے والے افراد کے مابین صلح کروانا، مسلمان کے آپس کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروانا اور اگر مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کریں تو ان کے مابین مصالحت کرنا وغیرہ۔

الغرض اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صلح کی طرف رغبت دلاتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تم صلح کروانے میں حرص کرو۔

"اگر وہ دونوں صلح کا ارادہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت اور توفیق کو پیدا کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب علم رکھنے والا، جاننے والا ہے۔"[1]

صلح کو اختیار کرنے کے اسباب:

قرآن اور احادیث مبارکہ میں جس طرح صلح کی طرف ترغیب دی ہے اسی طرف ان اسباب کو اختیار کرنے کی تلقین بھی کی ہے۔ جن کے ذریعے صلح جیسے عظیم فریضے کو سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ جن کی فہرست دی جاتی ہے۔

سلام کو عام کرنا۔ کھانا کھلانا۔

خوش اخلاقی۔ تحائف دینا اور قبول کرنا۔

لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے اور فسادات کو ختم کرنے کے لیے کچھ مشروع وسائل ہیں جو کہ شریعت اسلامیہ سیرت رسول ﷺ سے ثابت ہیں جن کے ذریعے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کا انعقاد آسانی سے پایا تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔

(1) فریقین کے درمیان صلح کی ترغیب دینا:

(2) حاکم مقرر کرنا:

(3) صلح کی وجہ سے جھوٹ کی رخصت:

(4) صلح کے لیے ایک دوسرے کو سفارش کرنا:

---

[1] النساء4: 35

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختلف قسم کے سماجی نوعیت کے جھگڑے اور صلح کا کردار:

سوسائٹی میں مختلف قسم کے جھگڑے پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے امن وامان کو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں ایسے معاملات میں صلح کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے ایسے جھگڑوں کی فہرست پیش کی جارہی ہے تاکہ صلح کے کردار کو نمایاں کیا جاسکے۔

- زوجین کے مابین جھگڑے اور صلح کا کردار
- مالی معاملات میں تنازعات اور صلح کا کردار
- جنایات کے مقدمات میں صلح کا کردار
- مسلمانوں کی جماعتوں کے مابین صلح کا کردار
- مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین صلح کا کردار

تجاویز وسفارشات:

قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ سے مستنبط امن و صلح کے احکامات کے تناظر میں اہل حکام عوام الناس (حل وعقد) عدلیہ کے سربراہان کے لیے چند تجاویز وسفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

- اسلامی ممالک میں ایسے علمی مراکز کی بنیاد رکھی جائے جن میں اہل علم کی خدمات حاصل کی جائیں جو لوگوں میں صلح کی ترغیب و تلقین کے لیے لٹریچر شائع کریں اور اسی طرح صلح کی ضرورت واہمیت سے آگاہی کی خاطر عوامی سطح پر سیمینارز کا انعقاد کیا جائے تاکہ عوام الناس میں شعور پیدا ہو اور وہ معمولی جھگڑوں کو لمبا کرنے بجائے صلح، ایثار اور عفوودر گزر کو اختیار کریں۔
- اخبارات ورسائل میں عموماً اور دینی جرائد میں خصوصاً صلح کی اہمیت اور ترغیب کے عنوان پر لٹریچر شائع کیا جائے جس میں ایک طرف تو جھگڑوں سے بچنے کی اسلامی تعلیمات اور سیرت رسول ﷺ سے رہنمائی شامل ہو اور صلح کے فوائد سے آگاہی حاصل ہو۔
- الیکٹرانک اور سوشل میڈیا پر ایسے مواد اور پروگراموں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو افراد اور قوم میں جھگڑے اور فساد کے پھیلاؤ کا باعث بنتے ہیں۔اس کی بجائے ہر ممکن کوشش کی جائے کہ افراد اور قوم باہمی اختلافات کے باوجود صلح صفائی سے رہیں اور ہر فرد دوسرے کی رائے کا احترام کرے۔
- یونین کونسل کی سطح پر "مراکز صلح" کا قیام عمل میں لایا جائے جن کی طرف لوگ اپنے جھگڑوں کی صورت میں رجوع کرسکیں۔ خصوصاً خاندانی جھگڑوں کو عدالتوں تک پہنچانے کی بجائے انھی مراکز میں حل کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے۔

- گاؤں کی سطح پر پنچایت کے نظام کو مضبوط کیا جائے تا کہ مسائل کو مقامی سطح پر حل کیا جائے جس کے لیے اس علاقے میں موجود پولیس چوکی، تھانہ اپنا اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔
- عدالتوں میں پیش ہونے والے مقدمات میں فریقین کے مابین پہلے صلح کی کوشش ہونی چاہیے اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ ایسے وکلاء، علماء، اساتذہ، سماجی کارکن مقرر کیے جائیں جن کا کام ہی فریقین میں صلح کی تحریک پیدا کرنا ہو۔
- اعلی عدلیہ کے ایسے جج صاحبان کے لیے حکومتی سطح پر انعامات کا اعلان کیا جائے جو لوگوں کے جھگڑوں میں زیادہ سے زیادہ صلح کروانے میں کامیاب ہوں تا کہ عدلیہ میں صلح کروانے کی ترغیب عام ہو اور وہ ہر مقدمے میں اولاً فریقین کو صلح کی طرف راغب کریں۔
- سکولز، کالجز، یونیورسٹیز، مدارس کی سطح پر صلح اور امن پر مبنی مضامین کو باقاعدہ سماجیات کے مضمون میں شامل کیا جائے۔
- رواداری، باہمی عزت واحترام کے کلچر کو فروغ دینے کے لیے عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماحولیات کا تحفظ اور سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی

یہ حسین و جمیل کائنات ایک خاص مقصد اور انسانیت کے فائدے کے لیے ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾[1]

"وہی تو ہے جس نے زمین میں موجود ساری چیزیں تمہاری خاطر پیدا کیں۔ پھر آسمان (بلندی۔ فضائے بسیط) کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان استوار کر دیئے۔ اور وہ ہر چیز کے متعلق خوب جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ساری چیزیں انسان کے فائدے کے لیے ہیں اور خاصی مقدار میں ہیں، نیز ان میں حد درجہ توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾[2]

"بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار سے پیدا کیا ہے۔"

دوسری آیت میں ہے:

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ۝۲۰ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ؗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾[3]

"اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اسی میں سلسلہ ہائے کوہ جما دیئے اور اس میں سے ہر مناسب چیز کو ہم نے اگایا۔ اور اسی زمین میں ہم نے تمہارے لئے بھی سامان معیشت بنا دیا اور ان کے لئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔ کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور اسے ہم ایک جانی پہچانی مقدار کے مطابق ہی نازل کرتے ہیں۔"

---

(1) البقرہ2: 29

(2) القمر54: 49

(3) الحجر15: 19۔21

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان اس کائنات میں اللہ کا خلیفہ ہے، یعنی اللہ کے احکام کو قائم رکھنے اور اس کے حکموں کے نفاذ میں اس کا نائب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کائنات کا مالک نہیں، بلکہ امین اور محافظ ہے۔ وہ یہاں خود مختار نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے اسے حق حاصل ہو، بلکہ وہ اللہ کے احکام کا پابند ہے اور اس نے اس کائنات میں جس موزونیت اور تناسب کو قائم کیا ہے اس کو باقی رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسا کوئی بھی کام جس کی وجہ سے توازن اور تناسب میں خلل واقع ہو، روئے زمین پر فساد پھیلانے کے مترادف اور دنیاوی مصیبت اور اخروی عذاب کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[1]

"اور زمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد اس میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔ یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔"

لیکن آج کا انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اپنی مفسدانہ حرکتوں سے کائنات کے توازن کو بگاڑ دیا ہے اور کوئی چیز اپنی اصلی اور طبعی حالت پر باقی نہیں رہی، جس کے نتیجے میں خود اس کا اپنا وجود خطرے میں ہے، بلکہ اس کے کرتوتوں کی وجہ سے چرند، پرند، نباتات و جمادات ہر ایک کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ گویا آج کے حالات پر یہ آیت پوری طرح سے صادق آ رہی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾[2]

"بحر و بر میں فساد پھیل گیا ہے جس کی وجہ لوگوں کے اپنے کمائے ہوئے اعمال ہیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کچھ اعمال کا مزا چکھادے۔ شاید وہ ایسے کاموں سے باز آ جائیں۔"

اس آیت میں انسان کے فکر و عمل کے فساد کا ذکر ہے۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے نتیجہ میں خشکی اور تری ہر جگہ فساد کا ظہور ہو رہا ہے اور اس کا سبب انسانوں کی غلط حرکتیں ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان ان مفسدانہ کاموں سے باز آ جائے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان کو فکر و عمل کی آزادی دی گئی ہے، لیکن یہ آزادی مشروط ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو

---

(1) الاعراف 7: 85

(2) الروم 30: 41

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقصان اور تکلیف نہ پہنچے۔ اگر اس کی آزادی سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے، خواہ یہ نقصان اجتماعی ہو یا انفرادی، تو اس روکنا ایک دینی فریضہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَثَلُ القَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ وَالوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلاَهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ المَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا، وَنَجَوْا جَمِيعًا»[1]

”اللہ کی مقرر کردہ حدوں پر قائم رہنے والے اور اس میں مبتلا ہونے والے کی مثال اس قوم کی ہے، جس نے ایک جہاز میں قرعہ اندازی کر کے اپنے حصے تقسیم کر لئے، بعض کے حصہ میں بالائی حصہ آیا اور دوسروں کے حصہ میں نیچے کا حصہ، نیچے کے لوگ اوپر والوں کے پاس پانی لینے گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے حصہ میں یعنی نچلے حصہ میں شگاف پیدا کر لیتے (تاکہ پانی لینے میں آسانی ہو) اور اوپر والوں کو ہم لوگوں (کی بار بار آمدورفت سے تکلیف نہ ہو، پس اگر لوگ اس کو چھوڑ دیں اور ان کے ارادے کے مطابق کرنے دیں، تو سب ہلاک ہو جائیں اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں، تو خود بھی نجات پائیں اور سب لوگ نجات پائیں۔“

اس حدیث مبارکہ میں کشتی کے نچلے حصے میں رہنے والوں کو ان کی نیک نیتی اور سہولت کی تلاش کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا گیا، کیونکہ ان کی حسن نیت اور آسانی کا نتیجہ تمام لوگوں کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہے، اس لیے 'عمومی مصلحت' اور ”ضرر عام' کو رفع کرنے کے لیے روکنا ضروری ہے۔ لہٰذا ایسی کوشش کی حوصلہ شکنی لازمی ہے جس سے ماحولیات کو نقصان پہنچے اور اس کا نتیجہ جسم، عقل اور نسل کی ضرر اور تباہی کی شکل میں سامنے آئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»[2]

”نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔“

علامہ ابن عبد البر وغیرہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

'ضرر' یہ ہے کہ انسان اپنے فائدے کے لیے کسی کو نقصان پہنچائے اور 'ضرار' یہ ہے کہ بلاوجہ اور بے فائدہ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب هل يقرع في القسمة والاستفهام فيه، رقم الحديث: 2493

(2) سنن ابن ماجہ: 2340؛ مؤطا مالک: 1429؛ مسند احمد، رقم الحديث: 2867؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث: 2345

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کسی کو نقصان پہنچائے۔[1]

غرض یہ کہ ہر طرح کے ضرر اور نقصان سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا ضروری ہے۔ اس کے لیے کائنات میں موجود توازن کی حفاظت اور ماحول کی آلودگی سے بچانا ناگزیر ہے۔

پانی کی حفاظت:

پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے۔ یہ ہر جان دار کے لیے ذریعہ وجود اور سبب حیات ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[2]

"اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔"

پانی کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں اور متعدد جگہوں پر تقریباً تریسٹھ (63) مرتبہ پانی کا ذکر کیا اور اس کی یہ صفات بیان کی ہیں: الطھور (پاک)، المبارک (بابرکت)، الغدق (کثیر، الفرات (میٹھا)، الثجاج (بہت بہنے والا)۔

پاک و صاف پانی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُورًا﴾[3]

"اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی نازل کیا۔"

کہا جاتا ہے کہ ایک انسان کھائے بغیر تقریباً ایک ماہ تک زندہ رہ سکتا ہے، مگر پانی کے بغیر ایک ہفتہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ پانی کی اس لازمی اور بنیادی ضرورت کے پیش نظر اسے مشترکہ ملکیت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْكَلَإِ، وَالْمَاءِ، وَالنَّارِ»[4]

"پانی، گھاس اور آگ میں تمام مسلمان شریک ہیں۔"

---

(1) ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ص:304

(2) الانبیاء21: 30

(3) الفرقان25: 48

(4) سنن ابی داوٗد، رقم الحدیث: 3477؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2467؛ مسند احمد، رقم الحدیث: 23132

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بوقت ضرورت لوگوں کوپانی سے محروم رکھنے پر شدید وعید بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِطَرِيقٍ، يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا لاَ يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفَى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ، وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ العَصْرِ، فَحَلَفَ بِاللَّهِ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا كَذَا وَكَذَا فَأَخَذَهَا»[1]

”تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) گفتگو نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر اٹھائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور مسافروں کو نہ دے دوسرے وہ شخص جو کسی سے بیعت صرف دنیا کی خاطر کرے اگر وہ اس کی مرضی کے مطابق دیتا ہے تو قائم رہتا ہے ورنہ بیعت کو توڑ دیتا ہے تیسرے وہ شخص جو کسی سے عصر کے بعد کسی سامان کا مول کرے اور اللہ کی جھوٹی قسم کھائے کہ اس کو یہ چیز اتنے اتنے داموں میں ملی ہے اور خریدار اس کو خرید لے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے:

«فَيَقُولُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ: اليَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ»[2]

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ آج میں تجھ سے اپنا فضل روک رکھتا ہوں جس طرح تو نے ضرورت سے زائد چیز روک رکھی تھی جو تیرے ہاتھوں نے نہ بنائی تھی۔“

پانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک مسلمان کے لیے نماز اور تلاوت قرآن جیسی اہم عبادت کے لیے بھی ناگزیر ہے، اس لیے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں اس سے متعلق تفصیلی بحث ملتی ہے، جس سے پانی کی طہارت و نظافت اور نجاست کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾[3]

(1) صحیح بخاری، رقم الحدیث: 2527؛ صحیح مسلم، رقم الحدیث:108
(2) صحیح بخاری، رقم الحدیث: 7008
(3) الانفال8: 11

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”اور آسمان سے تم پر بارش برسادی تاکہ تمہیں پاک کردے، اور شیطان کی (ڈالی ہوئی) نجاست تم سے دور کردے، اور تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور تمہارے قدم جمادے۔“

حدیث میں ہر ایسی کوشش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کی بشارت دی گئی ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے لیے پانی کا نظم کیا جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَبْعٌ يَجْرِي لِلْعَبْدِ أَجْرُهُنَّ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ، وهُو فِي قَبْرِهِ: مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا، أَوْ كَرَى نَهْرًا، أَوْ حَفَرَ بِئْرًا، أَوْ غَرَسَ نَخْلا، أَوْ بَنَى مَسْجِدًا، أَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا، أَوْ تَرَكَ وَلَدًا يَسْتَغْفِرُ لَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ»[1]

”سات چیزوں کا فائدہ مرنے کے بعد بھی ملتا ہے: جو کسی کو علم سکھادے، یا نہر یا کنواں کھودے یا درخت لگادے یا مسجد بنادے، یا قرآن چھوڑ جائے، یا اس کا کوئی لڑکا ہو جو اس کی مغفرت کی دعا کرے۔“

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر کو جب بلوائیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو انہوں نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا:

«أَنْشُدُكُمُ اللَّهَ، وَلاَ أَنْشُدُ إِلَّا أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ حَفَرَ رُومَةَ فَلَهُ الجَنَّةُ»؛ فَحَفَرْتُهَا»[2]

”میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں اور یہ قسم میں صرف اصحاب رسول اللہ کو دیتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا جو شخص رومہ نامی کنویں کو مول لے لے اسے جنت ملے گی میں نے اسے مول لے لیا ہے۔“

آبی ذخائر کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾[3]

”اے بنی آدم! جب بھی کسی مسجد میں جاؤ تو آراستہ ہو کر جاؤ اور کھاؤ، پیو لیکن اسراف نہ کرو کیونکہ

[1] مسند بزار، رقم الحدیث: 7289؛ صحیح الجامع للالبانی، رقم الحدیث: 3602

[2] صحیح بخاری، رقم الحدیث: 2626؛ جامع ترمذی، رقم الحدیث: 3699؛ سنن نسائی، رقم الحدیث: 3182؛ مسند احمد، رقم الحدیث: 420

[3] الاعراف 7: 31

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

فضول خرچی درحقیقت فساد کی ایک شکل ہے، اس لیے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾[1]

"اللہ کے عطا کردہ رزق سے کھاؤ، پیو، مگر (ایک دوسرے کی چیزیں غصب کرکے) زمین میں فساد نہ مچاتے پھرنا۔"

سورۃ الشعراء میں کہا گیا ہے:

﴿وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾[2]

"اور حد سے آگے گزرنے والوں کی بات نہ مانو۔ جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے۔"

اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ کیسی فضول خرچی ہے ؟ انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں زیادہ پانی استعمال فضول خرچی ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ»[3]

"ہاں اگرچہ تم بہتے ہوئے دریا کے کنارے وضو کررہے ہو۔"

پاکی حاصل کرنا ایک عبادت ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے تصور سے یہ بالاتر تھا کہ عبادت کے لیے پانی استعمال کرنے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس میں حد سے تجاوز کرنا فضول خرچی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس خیال خام کو ختم کرنے کی کوشش کی اور فرمایا کہ ہاں، عبادت کے لیے بھی حد سے زیادہ پانی خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی میں فضول خرچی ممنوع ہے ، اگرچہ وضو کرنے والا سمندر کے کنارے ہو۔"[4]

---

(1) البقرہ2: 60
(2) الشعراء26: 151-152
(3) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 425؛ مسند احمد، رقم الحدیث: 7065؛ السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی، رقم الحدیث: 2843
(4) المنہاج، 4/2

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانی کو آلودہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ اس کو ڈھانک کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ اس میں بیماری کے جراثیم سرایت نہ کریں۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«غَطُّوا الْإِنَاءَ، وَأَوْكُوا السِّقَاءَ، فَإِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيهَا وَبَاءٌ، لَا يَمُرُّ بِإِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ، أَوْ سِقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ، إِلَّا نَزَلَ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ الْوَبَاءِ»[1]

”تم اپنے برتنوں کو ڈھانک کے رکھو اور مشکیزوں کا منہ بند کرو کیونکہ سال میں ایک ایسی رات ہوتی ہے کہ جس میں وباء نازل ہوتی ہے اور پھر وہ وباء جو برتن یا مشکیزہ کھلا ہوا ہو اس میں داخل ہو جاتی ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُشْرَبَ مِنْ فِي السِّقَاءِ»[2]

”نبی کریم ﷺ نے مشکیزہ میں منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔“

اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ پانچ وجہوں سے آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے:

1۔ ہو سکتا ہے کہ مشکیزہ میں کوئی کیڑا یا تنکا ہو اور وہ حلق میں چلا جائے۔

2۔ یک بارگی بڑی مقدار میں پانی جانے کی وجہ سے گلے میں پھانس لگنے کا اندیشہ ہے۔

3۔ پانی چوس کر پینا منع نہیں اور یک بارگی منہ بھر کر پینے کی وجہ سے جگر کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

4۔ اس سے مشکیزہ میں بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

5۔ دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ پینے والے کے منہ سے کچھ پانی واپس مشکیزہ میں چلا گیا اور وہ اس سے پانی پینے میں گھن محسوس کریں گے۔[3]

جدید اکتشافات کی روشنی میں ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح پانی پینے سے متعدی جراثیم دوسروں تک منتقل ہو سکتے ہیں۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

---

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث : 2014؛ مسند احمد، رقم الحدیث : 14871

(2) صحیح بخاری، رقم الحدیث : 5305

(3) کشف المشکل من حدیث الصحیحین، ص:574

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"مشکیزہ سے پانی پینے کی بعض روایتیں حالت ضرورت پر محمول ہیں۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ، فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُودَ، فَلْيُنَحِّ الْإِنَاءَ، ثُمَّ لِيَعُدْ إِنْ كَانَ يُرِيدُ»[1]

"جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اگر دوبارہ پینا چاہے تو پہلے برتن منہ سے الگ کر دے، پھر دوبارہ پیے۔"

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِي الشُّرْبِ فَقَالَ رَجُلٌ: الْقَذَاةُ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ؟ قَالَ: أَهْرِقْهَا، قَالَ: فَإِنِّي لاَ أَرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: فَأَبِنِ الْقَدَحَ إِذَنْ عَنْ فِيكَ»[2]

"نبی کریم ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر برتن میں تنکا نظر آ جائے؟ آپؐ نے فرمایا: پانی گرا دو۔ اس نے کہا: میں ایک سانس میں آسودہ نہیں ہوتا۔ فرمایا: برتن اپنے منہ سے الگ کر دو۔"

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"برتن میں سانس لینے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سانس میں پانی پینا علمائے طب کے یہاں ناپسندیدہ ہے، کیونکہ اس سے جگر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے، کیونکہ برتن میں سانس لینے کی وجہ سے اس کے ذریعہ تھوک اور لعاب اس میں منتقل ہو سکتا ہے اور یہ بے ادبی ہے کہ کوئی ایسی چیز اپنے ہم نشیں کو دے جس میں اس کے لعاب کی آمیزش ہو۔"[3]

علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ممکن ہے کہ اس کے منہ سے کوئی چیز نکل کر اس میں شامل ہو جائے جس سے دوسروں کو گھن محسوس ہو، اس لیے ایسا کرنا گویا دوسروں کے لیے پانی کو خراب کرنا ہے، کیونکہ دوسرے کی طبیعت

---

(1) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3427

(2) جامع ترمذی، کتاب الاشربہ، باب ماجاء فی کراھیۃ النفخ فی الشراب، رقم الحدیث: 1887؛ مسند احمد، رقم الحدیث: 11219

(3) ابن عبد البر، التمہید، 1/397

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے پینا گوارا نہیں کرے گی۔" (1)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"پانی کو صاف رکھنے کے مقصد سے یہ ممانعت بطور ادب ہے، اس لیے کہ سانس کے ساتھ تھوک، ناک کی ریزش، یا خراب ہوا پانی میں منتقل ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے اس میں بدبو پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے وہ خود یا کوئی دوسرا اسے پینے میں گھن محسوس کرے گا۔"(2)

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ برتن میں سانس لینے کی وجہ سے منہ میں موجود بعض جراثیم اس میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سے امراض دوسروں تک متعدی ہو سکتے ہیں۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے ہی ایک حدیث میں کہا گیا ہے:

«اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ: الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَالظِّلِّ» (3)

"لعنت کی تین جگہوں سے بچو: یعنی پانی سے، عام گزر گاہوں پر اور سایہ کی جگہوں میں پاخانہ کرنے سے۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ» فَقَالَ: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ. قَالَ: «يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا» (4)

"تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں، جو بہتا ہو، پیشاب نہ کرے کہ بعد میں ممکن ہے وہ اس میں غسل کرے۔"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"پانی میں پیشاب کرنا ہر حال میں ممنوع ہے، خواہ اس میں اس کے بعد غسل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ پیشاب کی طرح اس میں پاخانہ کرنا بھی ممنوع ہے، بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ کسی برتن میں پیشاب کرنے اور پھر اسے پانی میں ڈال دے، یا

---

(1) احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، 1/46

(2) فتح الباری، 1/253

(3) سنن ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ، باب المواضع التی نہی النبی ﷺ، رقم الحدیث: 26؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 238

(4) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء، رقم الحدیث: 281؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 343

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی تالاب کے کنارے پیشاب کرے اور وہ بہہ کر پانی میں پہنچ جائے۔"[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ایک دوسری حدیث میں ہے:

«لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ» فَقَالَ: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: «يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا»[2]

"تم میں سے کوئی اگر ناپاک ہو تو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ ایک صاحب نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا: پھر وہ غسل کیسے کرے؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں سے پانی لے کر غسل کرے۔"

اسلام اس سلسلے میں کس درجہ حساس ہے، اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ»[3]

"جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھولے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔"

یعنی محض شک کی بنیاد پر پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے ہاتھ دھونے سے پہلے اسے پانی کے برتن میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ممانعت کی وجہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہوئی ہے جو پانی کو خراب کر دے؟ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ اگر کسی کو بیداری کی حالت میں بھی اس طرح کا شک پیش آ جائے تو اسے بھی ہاتھ دھائے بغیر اسے برتن میں نہیں ڈالنا چاہیے۔"[4]

آج کے دور میں پانی کی آلودگی کا مسئلہ محض پیشاب پاخانے تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان سے بھی

---

(1) المنہاج، 3/188

(2) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب النہی عن الاغتسال فی الماء، رقم الحدیث: 283؛ سنن نسائی، رقم الحدیث: 220

(3) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب کراہۃ غمس المتوضی وغیرہ، رقم الحدیث: 278؛ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یدخل یدہ فی الاناء، رقم الحدیث: 103

(4) جامع ترمذی، رقم الحدیث: 24؛ مسند احمد، رقم الحدیث: 10093

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ خطرناک اور زہریلے مادوں کے ذریعے پانی کو مسلسل آلودہ کیا جارہا ہے۔ صنعتی اور کیمیاوی فضلات اور دیگر آلودگی پیدا کرنے والی چیزوں کے ذریعے ندی، تالاب اور دریا کو آلودہ کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے آبی جانوروں اور خود انسانوں کی زندگی ایک بڑی مصیبت اور ایک زبردست خطرے سے دوچار ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس معاملے میں بیدار ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ خود اپنے ہاتھوں لگائی گئی آگ میں جل کر ختم ہو جائیں گے۔

ہوا کی آلودگی سے بچانا:

ہوا بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِنَّهَا مِنْ رَوْحِ اللهِ، وَسَلُوا اللهَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَتَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ»[1]

”ہوا کو برا بھلا نہ کہا کرو کیونکہ وہ تو رحمت اور زحمت دونوں کے ساتھ آتی ہے البتہ اللہ سے اس کی خیر مانگا کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگا کرو۔“

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”تم ہوا کے بارے میں غور کرو کہ وہ سب سے پہلے ناک میں داخل ہوتی ہے اور وہاں اس کی ٹھنڈک ختم ہو جاتی ہے، پھر حلق تک پہنچ کر اس کا مزاج متدل ہو جاتا، پھر ایک پاکیزہ لطیف ہوا پھیپھڑوں میں پہنچتی ہے۔ پھر وہاں سے دل کے ذریعہ تمام رگوں سے ہوتے ہوئے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر ہوا گرم ہو جاتی اور انتفاع کے لائق نہیں رہتی تو پھیپھڑے کے ذریعے حلق اور ناک کے راستے سے جسم سے خارج ہو جاتی ہے، پھر دوبارہ اسی طرح سے صاف ستھری ہوا داخل ہو جاتی ہے۔ اس مختصر سی مدت میں جسم میں ہم سانس لیتے اور چھوڑتے ہیں۔ اس عمل میں اللہ کی بے شمار نعمتیں پنہاں ہیں۔“[2]

جدید سائنس میں کہا جاتا ہے کہ سانس کے ذریعے آکسیجن جسم میں داخل ہوتی ہے اور جسم کے ہر حصے میں

(1) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 5097؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3727

(2) ابن قیم، التبیان فی اقسام القرآن، 1/28190

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہنچ کر غذا کو تحلیل کرنے اور توانائی بنانے کا کام انجام دیتی ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ تیار ہوتی ہے جو جان دار کے لیے ایک زہریلی گیس ہے۔ خون اسے جسم کے ہر حصے سے لا کر پھیپھڑوں میں چھوڑ دیتا ہے، جہاں سے یہ سانس کے ذریعہ باہر نکل جاتی ہے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ہوا کا بہتر اور خوشگوار ہونا انسانی صحت کو برقرار رکھنے میں سب سے زیادہ معاون ہے اور ہوا کا خراب ہونا جسم کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس کی وجہ سے بیماری بہت جلد قدم جمالیتی ہے۔"(1)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"آفات و بلیات اور امراض سے حفاظت اور سلامتی کے لیے ہوا کا خوش گوار ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اگر وہ ٹھہری ہوئی اور ناگوار ہو، یا خراب پانی اور بدبودار جگہ سے قریب ہو تو اس میں بھی بدبو پھیل جاتی ہے اور اس کی وجہ سے کسی بھی جان دار کا بیمار ہونا یقینی ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ جن شہروں میں اچھی ہوا کی رعایت نہیں کی گئی وہاں کثرت سے بیماریاں پائی جاتی ہیں۔"(2)

اسلامی شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد جسم و جان کی حفاظت ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی لکھتے ہیں: پوری امت، بلکہ تمام مذاہب کے لوگ اس پر متفق ہیں کہ شریعت اور قانون پانچ ضروری چیزوں کی حفاظت کے لیے بنایا جاتا ہے: دین، نفس، مال اور عقل۔" (3)

حدیث میں کہا گیا ہے:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ» (4)

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان (بہتر طریقہ اختیار کرنے) کو فرض کیا ہے۔"

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

---

(1) معالم السنن، 236/4
(2) مقدمہ ابن خلدون، ص:148
(3) شاطبی، الموافقات، 31/1
(4) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الامر باحسان الذبح....، رقم الحدیث: 1955

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اس حدیث میں احسان کے ضروری ہونے کی صراحت ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[1]

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔“

اور ایک دوسری آیت میں ہے:

﴿وَ اَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[2]

”اور احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

احسان کا یہ حکم کبھی واجب ہو گا اور کبھی مستحب۔ مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر عمل میں احسان ضروری ہے، لیکن ہر چیز کا احسان اس کے اعتبار سے ہے۔[3]

یعنی اگر فعل واجب ہے تو احسان بھی واجب ہو گا اور اگر فعل مستحب ہے تو احسان بھی مستحب ہو گا۔

علامہ عزبن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”احسان منحصر ہے مصلحت کو حاصل کرنے اور مفسدہ کو دور کرنے میں اور یہی تقویٰ اور پرہیز گاری کی انتہا اور مقصود ہے۔ اس کا سب سے اعلیٰ درجہ عبادات میں احسان ہے .... دوسرا درجہ مخلوقات کے ساتھ احسان ہے اور اس کی شکل مصلحت کو حاصل کرنا اور مفسدہ کو دور کرنا ہے... اور یہ احسان انسان کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ملائکہ کے حق میں بھی ضروری ہے، کیونکہ وہ بھی انسان کی طرح تکلیف دہ چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں، بلکہ ہر طرح کے جان دار کے ساتھ اس کا لحاظ رکھنا ہو گا۔“[4]

ان عمومی دلیلوں سے ہوا اور فضا کی حفاظت کے سلسلے میں اسلامی شریعت کے نقطہ نظر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فضائی آلودگی کے سلسلے میں آج ہم جس خطرناک صورت حال سے دوچار ہیں، ماضی میں اس کا تصور

---

(1) النحل16: 90

(2) البقرہ2: 195

(3) الجامع العلوم والحکم، 1/152 باختصار

(4) الفوائد فی اختصار المقاصد، 88

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تاہم بعض روایتوں کے اشارات سے اس سلسلے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

«أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ إِذَا رَقَدْتُمْ، وَغَلِّقُوا الأَبْوَابَ»(1)

"جب تم سونے جاؤ تو چراغ کو بجھادو اور دروازہ بند کر دو۔"

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«لاَ تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ»(2)

"سوتے وقت اپنے گھروں میں جلتی ہوئی آگ نہ چھوڑو۔"

گزشتہ ادوار میں اس حدیث کی تشریح میں یہی کہا جاتا تھا کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے گھر میں آگ لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے آگ بجھا کر سونے کا حکم دیا گیا، لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ آگ جلنے کی وجہ سے آکسیجن ختم ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ میں اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان اور دیگر حیوانات کی زندگی خطرے سے دوچار ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث میں جلتی ہوئی آگ چھوڑ کر سونے سے منع کیا گیا۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایسا عمل نادرست ہے جس کی وجہ سے فضائی آلودگی میں اضافہ ہو اور زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔

متعدد حدیثوں میں میت کو جلد دفنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ پھٹنے اور سڑنے سے پہلے ہی اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس کی بے حرمتی نیز بدبو کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو گی۔ بہت سی حدیثوں میں پیڑ پودے لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی ایک مصلحت فضائی آلودگی سے حفاظت بھی ہو سکتی ہے۔

بعض فقہی عبارتوں سے بھی ہمیں اس مسئلے میں رہنمائی ملتی ہے جیسا کہ ہوا کے سلسلے میں علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"اگر کسی نے درخت کی شاخوں نے دوسرے کے گھر کی ہوا کو روک رکھا ہے اور گھر کے مالک نے ان شاخوں کو کاٹ دیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر شاخیں ایسی ہوں کہ انہیں رسی سے باندھ کر ہوا کی

(1) صحیح بخاری، رقم الحدیث: 5301؛ مسند احمد، رقم الحدیث 15057

(2) صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب لا تترک النار فی البیت، رقم الحدیث: 5935؛ صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2015

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جگہ کو فارغ کیا جا سکتا ہے تو کاٹنے والا ضامن ہو گا اور اگر ایسا نہ ہو تو ضامن نہیں ہو گا، جبکہ ایسی جگہ سے کاٹا ہو کہ اگر معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا تو قاضی اس جگہ سے کاٹنے کا حکم دیتا۔"[1]

اسی طرح کی بات علامہ ابن رشد، امام نووی اور علامہ ابن قدامہ نے بھی لکھی ہے۔[2]

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ہوا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جسے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تنور، حمام، لوہار یا سنار کی بھٹی لگا لے، جس کے دھویں سے پڑوسیوں کو تکلیف ہو تو اسے اس سے منع کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ دھوئیں کو زائل کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے۔[3]

بعض شافعی علماء کی رائے اس کے بر خلاف ہے، لیکن ان میں بہت سے لوگوں نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے، چنانچہ فقہ شافعی کی بعض کتابوں میں ہے:

"«مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ»[4] کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ ضرر کی تمام صورتیں حرام ہوں، خواہ اس سے کم نقصان ہو یا زیادہ، الا یہ کہ کسی دوسری دلیل سے اس کا جائزہ ہونا معلوم ہو۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ بالکل عام ہیں، لہٰذا کسی شخص کے لیے اپنے گھر میں کوئی ایسا روشن دان کھولنا حرام ہے جس کے ذریعہ وہ پڑوسی کی عورتوں کو دیکھ سکے۔ اسی طرح تنور، حمام، چکی وغیرہ لگانا بھی حرام ہے، کیونکہ دھوئیں اور چکی آواز سے دوسروں کو تکلیف ہو گی۔"[5]

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے:

"کسی شخص کا ایسا عمل جو پڑوسی کے لیے ضرر رساں ہو، جائز نہیں ہے" اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں کہا گیا ہے: "لا ضرر و لا ضرار" چونکہ اس کی وجہ سے پڑوسی کو نقصان پہنچ رہا، لہٰذا جائز نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح سے کوٹتا ہے کہ اس سے

---

(1) البحر الرائق، 7/147

(2) البیان والتحصیل، 9/409؛ المجموع، 13/410؛ المغنی، 5/22

(3) الفقہ الاسلامی وادلتہ، 6/465؛ الموسوعۃ الفقہیہ، 20/241

(4) جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الخیانۃ والغش، رقم الحدیث : 1940

(5) تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب، 3/411

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑوسی کی دیوار ہل رہی ہے اور کم زور ہو رہی ہے، یا اس کی دیوار کی جڑ میں کھاد یا پانی لا کر رکھ دے، جس سے اس کی دیوار کو نقصان پہنچے، یا کسی نے پانی کا حوض بنا رکھا ہے اور اس کے پڑوسی نے قریب میں انجیر وغیرہ کا درخت لگا دیا ہے جس کی جڑیں پانی کے حوض کی دیوار میں شگاف ڈال رہی ہیں تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں اور اس درخت کے لگانے سے منع کیا جائے گا اور اگر لگا دیا ہے تو اکھاڑ دینا درست ہے۔"[1]

علامہ عبد الرحمان بن نصر شیر ازی نے تنور وغیرہ کے سلسلے میں محتسب کے فرائض کے بیان میں لکھا ہے:

"مناسب ہے کہ روٹی پکانے کی دوکان کی چھتیں اونچی ہوں، ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور چھتوں میں دھواں نکلنے کے لیے بڑی اور کشادہ چمنی ہو، تاکہ اس کی وجہ سے لوگوں کو ضرر نہ پہنچے۔"[2]

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں:

1۔ اگر کوئی پکوان کے لیے ایندھن کے طور پر ایسی چیز کے استعمال پر قادر ہو جس سے کم دھواں پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ زیادہ دھواں پیدا کرنے والے ایندھن سے قدرے مہنگی ہو تو اجتماعی ضرر سے بچنے کے لیے اسے کم دھواں چھوڑنے والے یا دھواں نہ پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال کرنا ضروری ہو گا۔

2۔ اگر حکومت کی طرف سے کسی خاص گاڑی کے لیے گیس کے استعمال کو لازم کر دیا جائے تو اس قانون کی پابندی شرعاً واجب ہو گی، نیز اگر حکومت کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ہو، جب بھی اس کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ لوگوں کو ضرر سے بچانے، ماحول کو پاک وصاف رکھنے، ضروریات زندگی کو فساد سے بچانے اور جسم وجان اور عقل و نسل کی حفاظت کے لیے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کو اختیار کرے۔

3۔ اگر حکومت کی طرف سے جنریٹر کے لیے ہوا کی آلودگی سے بچانے کے مقصد سے ڈیزل اور مٹی کے تیل کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی ہے تو اس کی تعمیل لازم ہے، تاکہ ماحول کو نقصان سے بچایا جا سکے اور اگر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو تو بھی حسب استطاعت ایسے ایندھن کو استعمال کرنا چاہیے جس سے کم سے کم دھواں پیدا ہو۔

4۔ لوگوں کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے وہ روشنی اور دیگر سہولیات کے لیے آلودگی سے محفوظ توانائی کا استعمال کریں، مثلاً شمسی توانائی وغیرہ۔

---

[1] المغنی، 202/6
[2] نہایۃ الرتبۃ الظریفۃ فی طلب الحسبۃ الشریفۃ، ص:22

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

5۔کارخانے وغیرہ کو آبادیوں سے باہر ہونا چاہیے اور ان کی چمنیوں کو ایک خاص سطح تک اونچا رکھا جائے اور ان میں ایسا ایندھن استعمال کیا جائے جس سے کم سے کم آلودگی پیدا ہو۔یہ ہر ایک کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔اور اگر حکومت کی طرف سے اس کے متعلق کوئی قانون بنا دیا جاتا ہے تو اس کی پابندی ضروری ہے۔کیونکہ قرآن حکیم میں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔اور اللہ سے ڈرتے رہو۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔“

قرآن مجید میں اس سلسلے میں کسی فرد یا جماعت کو معیار نہیں بنایا گیا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور کن لوگوں کے ساتھ نہیں؟ بلکہ ان چیزوں کو معیار بنایا گیا ہے جن میں تعاون کرنا مطلوب ہے اور جن میں تعاون کرنا درست نہیں ہے۔اس لیے غیر مسلم حکومت کی طرف سے بھی مفاد عامہ سے متعلق کسی حکم کا پابند بنایا جائے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔کسی ملک کی شہریت کو قبول کرنے میں اس بات کا معاہدہ ہوتا ہے کہ شہریت قبول کرنے والا اس ملک کے قوانین کا پابند ہو گا، اس لیے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان قوانین کی پابندی کریں جن سے کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ایسا نہ کرنے کی صورت میں معاہدہ کی خلاف ورزی اور معصیت ہو گی۔اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾[2]

”ایمان والو!عہد و پیمان پورے کرو۔“

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾[3]

”اور عہد و پیمان پورا کرو، کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہو گی۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ»[4]

---

(1) المائدہ5: 2

(2) المائدہ5: 1

(3) الاسراء17: 34

(4) صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب اجر السمسرۃ، 1277

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"مسلمانوں کو شرط پر عمل کرنا ہو گا۔"

نیز ایک مسلمان سے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت بھی مطلوب ہے، جو حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں ضائع ہو سکتی ہے۔

سفارشات:

1. ماحول کو پاکیزہ اور صاف رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ عوام الناس کی خصوصی تربیت کے پروگرام رکھے جائیں۔ خصوصا مدارس و مساجد کے ائمہ و معلمین اس میں مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں۔
2. وعظ و نصیحت کے لیے ایسے موضوعات اختیار کیے جائیں جس میں صحت و صفائی کے متعلقہ سیرتی مباحث اور احادیث نبویہ ؐ کی روشنی میں رہنمائی کی جائے۔
3. سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے نصاب میں ماحولیات (Enviarmental Sciences) کے عنوان سے باقاعدہ کورسز متعارف کروائے جائیں۔
4. یونیورسٹیز میں (ماحولیات کے شعبہ کو مضبوط کیا جائے) ماہرین کو دعوت دے کر لیکچرز کا اہتمام کروایا جائے اور ریاست سے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے مختلف تحقیقی منصوبہ جات کیے جائیں اور اس کے عملی نفاذ کے لیے پالیسیاں مرتب کر کے حکومت کے اداروں کو دی جائیں۔
5. فصل کی کٹائی کے دوران دیہاتوں میں جا کر (Community outreach Programe) کے تحت کسانوں کی خصوصی تربیت کی جائے۔
6. معاشرے و ریاست میں رہنے والے ایسے افراد جو ان پیشوں سے وابستہ ہیں ان کی تربیت کے لیے اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے اس سلسلہ میں مختلف فلاحی ادارے اور کمپنیاں بھی اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔
7. ماحولیاتی تبدیلیوں کے حوالہ سے عالمی طور پر ہونے والے اہم اجلاسات و معاہدات میں شرکت کرنی چاہیے اور عالمی اداروں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔
8. موجودہ صورت حال میں امریکی صدر جو بائیڈن نے 23-22 اپریل 2021ء ورچوئل اجلاس کی صورت میں ایک کانفرنس میں 40 عالمی رہنماؤں کو شرکت کی دعوت دی ہے۔ جس میں پاکستان کو دعوت نہیں دی گئی اس کے باوجود کہ پاکستان ان 195 ممالک میں شامل ہے جو 2015ء میں پیرس معاہدہ جو گلوبل ورمنگ کے متعلقہ تھا، میں دستخط کر چکا ہے اس پر اپنی بات نوٹ کروانے کی ضرورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گلوبل وارمنگ (Global warming) شجرکاری کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے ذریعے نہ صرف عبادات کا حکم دیا ہے بلکہ سماجی، اخلاقی، اقتصادی اور خدمت خلق کے متعلق ہر قسم کی تعلیمات کے ذریعہ انسانیت کو جلا بخشی ہے۔ اس کائنات میں جہاں ماحول کو آلودہ کرنے والے قدرتی وسائل پائے جاتے ہیں وہیں اللہ تعالیٰ نے ماحولیاتی کثافت کو جذب کرنے والے ذرائع پیدا کیے ہیں زمین، سمندر، دریا، درخت، نباتات اس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کھینچا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ. يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭاِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[1]

"وہی ہے جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا، تمہارے لیے اسی سے پینا ہے اور اسی سے پودے ہیں جن میں تم چراتے ہو۔ وہ تمہارے لیے اس کے ساتھ کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دیگر آیات میں بیان کیا ہے:

﴿ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭاِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[2]

"پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھا، پھر اپنے رب کے راستوں پر چل جو مسخر کیے ہوئے ہیں۔ ان کے پیٹوں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں، اس میں لوگوں کے لیے ایک قسم کی شفا ہے۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ﴾[3]

"اور اللہ نے تمہارے لیے ان چیزوں سے جو اس نے پیدا کیں، سائے بنا دیے اور تمہارے لیے

1۔ النحل:10۔11
2۔ ایضا: 69
3۔ ایضا: 81

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہاڑوں میں سے چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کچھ قمیصیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ قمیصیں جو تمہیں تمہاری لڑائی میں بچاتی ہیں۔اسی طرح وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے، تاکہ تم فرمان بردار بن جاؤ۔"

دین اسلام صفائی ستھرائی اور طہارت و پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا ہے تاکہ ہر قسم کی نجاست کے سبب ماحول آلودہ ہونے سے محفوظ رہے اور انسان صحت افزا آب و ہوا میں زندگی بسر کر سکے۔آلودگی چاہے زمینی ہو یا فضائی ، انسانی صحت کے لیے انتہائی ضرر رساں ہے،جس کا حل بھی ہمیں دین اسلام نے بتلایا ہے کہ ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کا ایک بڑا ذریعہ شجر کاری ہے۔جس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک کس قدر اہمیت کا حامل اور ہمیں خبردار کرنے والا ہے۔

سیدنا انس بن مالکؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(إن قامت الساعة وفي يد أحدكم فسلة، فإن استطاع أن لا تقوم حتى يغيرسها ،فليغرسها)[1]

"اگر قیامت قائم ہونے لگے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا پودا ہو تو اگر وہ قیامت برپا ہونے سے پہلے اسے لگا سکتا ہے تو لگا دے۔"

اگرچہ اس حدیث میں نیکی کے مواقع کو غنیمت جاننے کی تاکید ہے لیکن بے شمار نیکیوں میں سے آپ نے پودا لگانے کا انتخاب کر کے شجر کاری کی افادیت اور اہمیت کو قیامت تک کے لیے اجاگر فرمادیا ہے۔

نباتات اور پودے جہاں انسان وحیوانات کی مختلف ضرورتوں کے کام آتے ہیں،وہیں انسانی صحت پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔پیغمبر رحمت ﷺ اس دنیا میں سراپا رحمت بن کر تشریف لائے اور آپ کی تعلیمات سراپا رحمت اور انسانیت کی فلاح و بہبود پر مشتمل ہیں۔آج کے دور میں حفظان صحت اور ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے لیے شجر کاری پہلے سے زیادہ اہم اور ضروری ہو گئی ہے۔اگر ہم شجر کاری کریں گے تو اس سے انسانیت ہی نہیں بلکہ تمام جانداروں کو فائدہ پہنچے گا۔

عالمی درجہ حرارت اور شجر کاری:

بڑھتے ہوئے عالمی درجہ حرارت دوسری بڑی موسمی تبدیلیوں نے پوری زمین سیارے کا نظام درہم برہم کر دیا ہے۔یہ تبدیلیاں کبھی بھیانک طوفان کی صورت میں، کبھی موسلادھار بارشوں اور سیلاب کی صورت میں جوں جوں سامنے آرہی ہیں،پوری دنیا کے لئے تباہی اور خطرے کی گھنٹی ہے۔

1۔بخاری،الأدب المفرد، حدیث،479؛السلسلة الصحيحة،حدیث 9

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماہرین نے مستقبل میں گلوبل وارمنگ کے باعث دنیا میں آنے والی تبدیلیوں کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے جو کہا ہے،اختصار کے ساتھ ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

عالمی درجہ حرارت کے اسباب:

گلوبل وارمنگ کے دو پہلو ہیں،ایک طرف یہ حال ہے کہ ہر سال گرمی کی شدت،قحط سالی، غذائی قلّت اور خشکی میں اضافہ ہو رہا ہے۔جب کے دوسری طرف اگر بارش ہوتی بھی ہے تو تباہی اور سونامی بن کر برستی ہے۔

جس کی مثال کراچی 21 اگست 2019 کو چند گھنٹوں کی بارش کی وجہ سے پچاس ملی لیٹر بارش سے پچیس افراد جان بحق ہوئے، پھر ایک ہفتے کے اندر یہ بارش 130 ملی لیٹر تک پہنچ گئی،جس سے زندگی معطل،کاروباری سرگرمیاں تھم گئیں، پورا شہر بند کر دیا گیا، 23 افراد مزید ہلاک ہوگئے اور کروڑوں روپے کا نقصان الگ ہوا۔

تھر کے علاقے کی گرمی ہو یا 2010 کا سیلاب،جس میں ایک اندازے کے مطابق دو کروڑ لوگ متاثر ہوئے،اس قسم کے بے شمار واقعات دنیا بھر میں رونما ہو رہے ہیں۔فصل تباہ ہو رہی ہیں، عمارتیں گر رہی ہیں، راستے منقطع ہو رہے ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی کی مختلف شکلیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔موسم سرما میں سموگ کی کثرت، فیکٹریوں کا دھواں، گاڑیوں کی آلودگی اور شہری زندگی میں انتظامی نااہلی کی وجہ سے بیماریاں عام اور ہر دوسرا بندہ سانس کے مرض میں مبتلا ہے۔

آج گلوبل وارمنگ کے متعلق جو سائنسی تحقیقات سامنے آرہی ہیں کہ ہر سال عالمی درجہ حرارت بڑھ رہا ہے ، جس کے نتیجے میں زیر زمین پانی گرم ہو رہا ہے ، پانی کے ذخائر کم ہوتے جا رہے اور موجودہ ذخائر آلودہ ہو رہے ہیں۔بڑی تیزی سے گلیشیر پگھل رہے ، سمندروں میں تیزی ی ساتھ شدت آرہی، طوفان اور سونامی بھی اسی کا باعث ہیں ۔سائنس دان عرصہ دراز سے گلوبل وارمنگ اور ماحول میں تیزی سے رونما ہونے والی غیر متوقع تبدیلیوں کا بغور جائزہ لے رہے ہیں۔ بعض سائنسدانوں کے مطابق تو گلوبل وارمنگ کا نظریہ ابھی تک متنازعہ ہے لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ماحولیاتی تبدیلیاں سیاہ زمین کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ ہیں جنہیں کوئی بھی ملک انفرادی طور پر حل نہیں کر سکتا۔ موسمی تغیرات سے نمٹنے کے لیے عالمی کوششوں کا آغاز اقوام متحدہ کی انسانی ماحول سے متعلق کانفرنس سے ہوا جو 1972ء میں 3 سے 14 جون تک سویڈن کے شہر سٹاک ہوم میں ہوئی۔اس کے بعد کئی ایک معاہدہ ہوئے جس میں میلینیم ڈویلپمنٹ گول پروگرام۔ کینیڈ کانفرنس

www.KitaboSunnat.com

2005ء، بالی کانفرنس 2007ء میں ۔ عالمی ماحولیاتی کانفرنس2008ء، بون کانفرنس2009ء کوپن ہیگن کانفرنس2009ء، کانکون کانفرنس2010ء، پیرس معاہدہ، پولینڈ کانفرنس2018ء۔

گلوبل وارمنگ اور موجودہ حالات یہ سب انسانی بدانتظامی اور خالق کائنات کی نافرمانی وسرکشی کا نتیجہ ہے، اس فساد کا انسان خود ذمہ دار ہے، حالانکہ قرآن مجید میں فساد فی الارض سے سختی سے روکا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[1]

"اور جب واپس جاتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے، تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے، اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔"

حرث ونسل دو اہم عناصر ہیں جن پر انسانی معاشرے کا انحصار ہے ۔ یعنی کھیتوں کی پیداوار ، اور حیوانی دولت ۔ جن پر انسانی زندگی کا دارو مدار ہے ۔ ان کی تباہی دراصل انسان اور پورے معاشرے کی تباہی کا سامان ہے۔ جس کا بنیادی حل شجرکاری مہم کو اپنے ماحول میں فروغ دینا ہی ہے۔

گلوبل وارمنگ کا حل، شجرکاری:

گلوبل وارمنگ پوری دنیا کا اہم مسئلہ بنتا جارہا ہے آخر اس کو حل کرنے کے لیے کونسی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

1. بجلی کی بچت، توانائی کا محتاط استعمال، تیل وگیس کے استعمال کی بچت اور پلاسٹک کے تھیلے پر پابندی لگانا اس سمت میں ہمارا پہلا مثبت قدم ہوگا۔
2. ماحولیاتی آلودگی سے بچنے کے لیے ہمیں کثیر تعداد میں شجرکاری کرنا ہوگی، جس سے ہم نمایاں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ درخت نہ صرف فضا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر لیتے بلکہ آکسیجن بھی مہیا کرتے ہیں، جس سے زندگی کی روانی وابستہ ہے۔
3. تیسرا بڑا اقدم ہے تجدیدی توانائی، یعنی اگر ہم پن بجلی گھر واٹر بائن یا سولر پینل سے بجلی حاصل کریں تو اس سے فضا آلودہ ہونے سے محفوظ رہے گی اور کی زہریلے مادے کا اخراج ہوا میں شامل نہیں ہوگا۔
4. اس مسئلے کا ایک حل عمومی آگاہی ہے، یعنی انفرادی اور اجتماعی سطح پر گلوبل وارمنگ کی حقیقت کو اجاگر کرنا اور اس کے مدمقابل اقدامات کی اہمیت کو واضح کرنا ہے۔

1۔البقرۃ:205

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس، ماحولیاتی آلودگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جس کا حل بھی درخت لگانے اور شجر کاری کرنے میں چھپا ہوا ہے۔ اسی لیے پوری دنیا میں پاکستان کو ایک ارب درخت لگانے کی وجہ سے نوازا جا رہا ہے اور اس اہم قدم کو اس سلسلہ میں تحسین کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔

﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ﴾۔ (1)

"اور وہ درخت بھی جو طور سینا سے نکلتا ہے، تیل لے کر اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی۔"

قرآن مجید میں پودوں کا ذکر:

اسلام جہاں دیگر چیلنجز کا حل پیش کرتا ہے وہاں اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے اللہ تعالی سے قرآن مجید میں ایک بار نہیں بلکہ انسٹھ (59) بار متفرق مقامات پر اشجار (درختوں) کا خوب صورت انداز میں تذکرو بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں درختوں، اشجار، نباتات پھلدار پودوں کا تذکرہ موجود ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالی نے اسے اپنی نشانی قرار دیا ہے۔

کھجور، انجیر، زیتون، انار، انگور، کیلا اور بیری کے درختوں کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ انجیر اور زیتون کی قرآن میں قسم اٹھائی گئی ہے، اور اس سے بڑھ کر زیتون اور اس کے تیل کو مبارک قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی بارش کو آسمان سے نازل کرتا ہے، پھر اس سے کھیتوں اور تمام اقسام کے پھل اور سبزیوں کو اگاتا ہے۔ جن سے انسانیت اپنے فوائد و منافع حاصل کرتی ہے۔ یقینا یہ سب اللہ تعالی کے وجود، اس کی قدرت، علم، حکمت اور رحمت کے واضح دلائل ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ﴾ 2

"وہی ہے جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا، تمہارے لیے اسی سے پینا ہے اور اسی سے پودے ہیں جن میں تم چراتے ہو۔"

ایک جگہ تمام مظاہر قدرت اور شجر کاری کو آرائش کائنات قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (3)

1۔ المؤمنون: 20

2۔ النحل: 10

3۔ الکہف: 7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے کہ ہم انہیں آزمالیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے۔"

مسلمان کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ نے ان کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کھجور کے درخت کا گودا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(ان من الشجر لما بر کته کبر کة المسلم)

"بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن کی برکت مسلمان کی برکت کی طرح ہوتی ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے خیال کیا کہ آپ کا اشارہ کھجور کے درخت کی طرف ہے۔ میں نے سوچا کہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا ہے۔ لیکن پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو مجلس میں میرے علاوہ نو آدمی اور تھے اور میں ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس لیے میں خاموش رہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

(ھی النخلة)[1] "وہ درخت کھجور کا ہے۔"

کلمہ طیبہ کی مثال، شجرہ طیبہ کے ساتھ: کھجور کے درخت کو مومن سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کی ہر چیز لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اور وہ ہر وقت اپنا پھل اپنے رب کے حکم سے دیتا ہے، ہر وقت فائدہ پہنچاتا رہتا ہے، سائے کی صورت میں، خوشبو کی صورت میں، عمارتی لکڑی یا ایندھن کی صورت میں، پتوں اور ٹہنیوں اور گوند کی مصنوعات کی صورت میں اور دوا کی صورت میں، اگر کچھ بھی نہ ہو تو ہوا کو آلودگی سے صاف کر کے آکسیجن بنانے کی صورت میں ہر وقت وہ اپنا فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔

سیدانس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہاں کلمہ طیبہ (کشجرۃ طیبۃ) سے مراد کھجور کا درخت ہے۔[2]

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾[3]

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ایک پاکیزہ کلمہ کی مثال کیسے بیان فرمائی (کہ وہ) ایک پاکیزہ درخت کی طرح (ہے) جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی چوٹی آسمان میں ہے۔"

1۔ بخاری، الجامع الصحیح: 5444

2۔ جامع ترمذی: 3119

3۔ ابراہیم: 24

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شجر کاری، اسوہ نبوی ﷺ سے رہنمائی:

رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ریاست مدینہ کی تشکیل کے وقت زیادہ سے زیادہ درخت لگانے میں ترغیب دلائی اور عملی اقدامات کیے۔آپ کا فرمان ہے:

من نصب شجرة فصبر على حفظها والقيام عليها حتى تثمر فان له في كل شيي يصاب من ثمرها صدقة عند الله۔[1]

"جو کوئی درخت لگائے پھر اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہے یہاں تک کہ وہ درخت پھل دینے لگے اب اس درخت کا جو کچھ نقصان ہو گا وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ کا سبب ہو گا۔"

ایمازون جنگل کو دنیا میں زمین کے پھیپھڑے کہا جاتا ہے،جس طرح انسان بھی پھیپھڑوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے اسی طرح درخت بھی زمین کے پھیپھڑے ہوتے ہیں، جو قدرتی طور پر آکسیجن فراہم کرنے کے ساتھ ہمیں صاف فضا بھی مہیا کرتے ہیں۔آئیں! سنّت پر عمل کرتے ہوئے شجر کاری کریں اور صدقہ جاریہ بھی کریں۔

صحابہ کرامؓ کا شجر کاری کی مہم میں باضابطہ حصہ لینا:

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں درخت لگا رہے تھے کہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک آدمی نے کہا:

(أتفعل هذا وأنت صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال: لا تعجل علي)

"کیا تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہو کر ایسا کر رہے ہو؟ تو آپ نے کہا: مجھ پر بات کرنے میں جلدی نہ کرو"

بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

(من غرس غرسالم يأكل منه آدمي، ولا خلق من خلق الله عزوجل إلا كان له صدقة)[2]

"جس نے کوئی درخت لگایا، پھر اس میں سے کسی آدمی یا مخلوق میں سے کسی نے کچھ کھالیا، تو وہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔"

1۔ مسند احمد، 61/4

2۔ ایضا: 2550

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جناب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ سیدہ ام معبد کے پاس آئے اور فرمایا:

(یا أم معبد، من غرس ھذا النخل؟ امسلم أم کافر؟ فقالت: بل مسلم، قال: فلا یغرس المسلم غرسا، فیاکل منه إنسان، ولا دابة، ولا طیر، إلا کان صدقة إلی یوم القیامة)[1]

"اے ام معبد! یہ کھجور کا درخت کس نے لگایا ہے؟ کسی مسلمان نے یا کافر نے؟ تو انھوں نے جواب دیا مسلمان نے لگایا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: جو کوئی مسلمان درخت لگائے، پھر اس سے کوئی انسان، حشرات الارض یا کوئی پرندہ کچھ کھالیتا ہے، تو یہ کھانا اس کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔"

شجر کاری سے زمین کی آباد کاری:

موسم کی تبدیلی اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، جس پر ہمیں بے حد اللہ کریم کا شکر کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ موسم گرما میں گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے لوگ شمالی علاقہ جات اور گلیات کی طرف سفر کرتے ہیں۔ وہاں جنگلات اور سر سبز ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہمیں اس نعمت کا احساس کرتے ہوئے اسے ضائع کرنے سے بچنا چاہیے۔ تاکہ زمین پر زندگی بسر کرنا آسان ہو اور گرمی کی شدت سے بچا جا سکے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾[2]

"اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کیا۔"

جناب سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ما من مسلم یغرس غرسا، أو یزرع زرعا، فیاکل منه طیر أو إنسان أو بهیمة إلا کان له به صدقة)[3]

"کوئی بھی مسلمان جو پودا لگائے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرندے، انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں، وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔"

شجر کاری ماحولیاتی صفائی اور صدقہ کا سبب ہے:

جناب سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ صحیح مسلم: 1552

2۔ ھود: 61

3۔ بخاری، الجامع الصحیح: 2320

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ما من مسلم يغرش غرسا إلا كان ما أكل منه له صدقة، وما سرق منه له صدقه، وما أكل السبع منه فهو له صدقه، وما أكلت الطير فهو له صدقه، ولا يرزؤه أحد إلا كان له صدقة)[1]

"جو مسلمان درخت لگائے پھر اس میں سے کوئی کھائے تو لگانے والے کو صدقہ کا ثواب ملے گا اور جو چوری کیا جائے گا اس میں بھی صدقے کا ثواب ملے گا اور جو درندے کھا جائیں اس میں بھی صدقے کا ثواب ملے گا اور جو پرندے کھا جائیں اس میں بھی صدقہ کا ثواب ملے گا اور جو بھی استعمال کرے گا مگر صدقہ کا ثواب ہو گا۔"

جناب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن درخت لگا رہے تھے کہ رسول ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا: اے ابوہریرہ! تم کیا لگا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں درخت لگا رہا ہوں، تو آپ ﷺ فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر درخت نہ بتاوں؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ ضرور بتلایئے اللہ کے رسول! آپ ﷺ فرمایا:

(سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، يغرس لك بكل واحدة شجرة في الجنة)[2]

"تم سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ، کہا کرو، تو ہر ایک کلمہ کے بدلے تمہارے لیے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔"

جناب سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میری ملاقات سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، انہوں نے کہا: اے محمد! اپنی امت کو میری طرف سے سلام پیش کرنا اور انہیں خبر دینا:

(ان الجنة طيبة التربة عذبه الماء، وأنها قيعان، وأن غراسها سبحان الله والحمد الله ولا إله إلا الله والله أكبر)[3]

"جنت کی مٹی پاکیزہ اور عمدہ ہے، اس کا پانی میٹھا ہے اور وہ ایک چٹیل میدان ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر کہنا وہاں درخت لگانا ہے۔"

1۔ صحیح مسلم: 1552
2۔ ابن ماجہ، سنن، 3807
3۔ جامع ترمذی: 3462

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنت بھی درختوں کے ساتھ ہی اچھی اور خوبصورت لگے گی۔اس سے زمین کو جنت نظیر بنانے کے لیے شجر کاری کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

بلاوجہ درخت کاٹنے کی ممانعت:

ماہرین کا کہنا ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کا بڑا سبب درختوں کی بے دریغ کٹائی ہے۔اس لیے اسلام میں کسی عذر اور تکلیف کے بغیر کسی سایہ دار یا پھل دار درخت کو کاٹنا منع ہے، بلکہ اس پر جہنم کی وعید ہے۔

سیدنا عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(من قطع سدرة صوب الله رأسه في النار)[1]

"جو شخص (بلاضرورت) بیری کا درخت کاٹے، اللہ اسے سر کے بل جہنم میں گرادے گا۔"

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نے فرمایا:

(إن الذين يقطعون السدر يصبون في النار على وجوههم صبا)[2]

"بے شک جو لوگ بیری کے درخت کو (بلاوجہ) کاٹتے ہیں، وہ جہنم میں اوندھے منہ میں ڈالے جائیں گے۔"

سایہ دار جگہ کو آلودہ کرنے کی ممانعت:

درخت لگانے کی اہمیت وافادیت کے ساتھ اسلام نے سایہ دار جگہ کو آلودہ کرنے سے بھی منع کیا ہے۔جس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بلاوجہ درخت کاٹنا، سایہ دار جگہ یا لوگوں کے فائدے کی کسی بھی چیز کو ختم کرنا حرام ہے۔ مزید یہ کہ لوگوں کو اذیت دینے اور ماحولیاتی آلودگی کا باعث بننے والے تمام امور لعنتی اور قابل مذمت ہیں۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل)[3]

"تین لعنت والی چیزوں سے بچو: پانی کے چشمے، عام گزرگاہ اور سائے میں بول وبراز کرنا"

شجر کاری کے فوائد:

شجر کاری کرنا کو دنیوی کام نہیں کہ اس کو دنیاوی کام سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ درخت لگانا اجر و ثواب کا ذریعہ ہے بلکہ درخت لگانا نیک اعمال اور صدقہ جاریہ میں سے ہے، لیکن اکثر لوگ اس کی اہمیت وافادیت سے غفلت کا شکار ہیں۔اسلام نے شجر کاری کے متعلق بہت ترغیب دی اور اس کے فوائد بیان کیے ہیں۔

1۔ سنن ابوداؤد: 5239
2 ۔الطبرانی، المعجم الأوسط: 5/379، ح: 5615؛ السلسلۃ الصحیحۃ، ح: 614
3۔ سنن ابوداؤد: 26

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- شجر کاری، ایک مسنون عمل، باعث اجر و ثواب، ملک و ماحول کے لیے تزئین و آرائش کا ذریعہ اور اپنے تمام تر مادی و روحانی فوائد کے ساتھ انسانیت کی ایک عظیم خدمت بھی ہے۔ شجر کاری کرنا بلاشبہ ایک مبارک عمل ہے، جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور کسی بھی طرح سے نقصان نہیں۔
- ایک بڑا درخت 18 افراد کو سال بھر کی آکسیجن مہیا کرتا ہے، جب کہ دس بڑے درخت ایک ٹن ایئر کنڈیشنر جتنی ٹھنڈک پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی فضائی آلودگی اور شور کم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
- شجر کاری کا عمل زمین کو سیلاب سے بچاتا ہے۔ آکسیجن مہیا کرتا ہے۔ درجہ حرارت کو کم کرتا ہے۔ زمین کے کٹاؤ کو روکتا ہے۔ گرمی کی شدت بڑھنے سے گلیشیر تیزی سے پگھلتے جارہے ہیں، جو تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ گویا انسان اپنے ہاتھوں سے خود قدرت کی نعمتوں کو ضائع کر رہا ہے۔
- شجر کاری کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی سے ملک اور معاشرے کو بچایا جاسکتا ہے۔ اس لیے اسلام نے سایہ دار اور پھل دار درختوں کو کاٹنے سے منع کیا ہے۔
- درخت انسان کو سانس لینے کے لیے صاف و شفاف فضا فراہم کرتے اور زمینی اور فضائی آلودگیوں سے پراگندہ ہونے والی ہواؤں کے لیے فلٹر کا کام کرتے ہیں۔
- درخت سایہ فراہم کرتے اور سینکڑوں اقسام کے پھل اور پھول دیتے ہیں۔ قدرتی آفات سے بچانے کے لیے ڈھال کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔
- درخت گلوبل وارمنگ یعنی عالمی درجہ حرارت کی زیادتی سے ہمیں نجات دیتے ہیں۔
- زمین کو کٹائی سے بچاتے ہوئے اس کی زرخیزی بحال رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔
- درخت فضائی جراثیموں کو اپنے اندر جذب کرنے اور ذہنی ڈپریشن اور تناؤ کو کم کرتے ہیں۔
- درخت بہت سارے پرند، چرند اور جانوروں کا مسکن بھی ہیں اور اس کے ساتھ شجر کاری کے عمل سے ریگستان، نخلستان میں بدل جاتے ہیں۔

تجاویز و سفارشات

1. شجر کاری کی معاشی اہمیت کے پیش نظر بطور معاشی پالیسی اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں اس کی ضرورت ہے پاکستان اس کے ذریعے زرمبادلہ کما سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2. صنعت کاری کو فروغ دینے کے لیے بھی اہم ہیں جس طرح کہ شمالی امریکہ میں موجود جنگلات سے سوادج کا شربت تیار کیا جاتا ہے اسی طرح ادویات میں اس کے استعمال کو مؤثر بنانے کے لیے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

3. ورلڈ انرجی فورم 2019ء کے مطابق پاکستان میں200 بلین ٹن کوئلے کے ذخائر موجود ہیں۔ مگر پاکستان میں بجلی کی پیداوار 22ہزار میگاواٹ ہے جس میں سے صرف 2/3 فی صد ہی کوئلے سے حاصل کی جارہی ہے۔ انٹر نیشنل ایجنسی کے مطابق اگر پاکستان نے اس بحران سے نکلنا ہے تو اسے بڑے پیمانے پر کوئلے سے بجلی پیدا کرنا ہوگی۔ ماہرین کو بٹھا کر اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ہوگا۔

4. ہربل میڈیسن میں اس کے استعمال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے کے لیے عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے اس کے ذریعے بھی ذرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔ اور اس کے طبّی فوائد سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ میڈیکل میں اس کی ترقی کو رواج دینا چاہیے۔ پیپل کا درخت، بکائن کا درخت ہے۔ بیری کا درخت زیادہ لگانے کی ترغیب دینا ہوگی۔

5. اشتہارات، پمفلٹ، اخبارات، فورم کا قیام، تعلیمی اداروں، ورکشاپس کے ذریعے تشہیر کرنے کی ضرورت ہے۔

6. درختوں کی کٹائی کی ممانعت پر باقاعدہ قانون سازی کی ضرورت ہے۔

7. پاکستان میں اگر تجارتی بنیادوں پر زیتون کے اعلیٰ نسل کے پودوں کی کاشت کی جائے تو موسمی تغیرات کا تدارک بھی ممکن ہے اور خوردنی تیل کی پیداوار میں خود کفالتی بھی ہو جائے گی۔

8. بنجر اور ناقابل کاشت زمینوں کو درخت لگا کر قابل کاشت بنایا جاسکتا ہے۔

9. وزارت قومی تحفظ خوراک و تحقیق پاکستان آئل سیڈ ڈویلپمنٹ بورڈ کو اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

10. گلوبل وارمنگ اور ماحول کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی معاہدات کرنے کی ضرورت ہے اور پھر ممالک کو ان پر پابندی بھی کرنا چاہیے۔

11. ایسی فیکٹریاں اور کارخانے جو کاربن ڈائی آکسائیڈ میتھین، نائٹرس آکسائیڈ، سلفر ہیکسافلورائیڈ، ہائیڈرو فلورو کاربن خارج کرتے ہیں یا جو ماحول دشمن زہریلی گیسوں کا اخراج کرتے ہیں شہر سے باہر دور لگانی چاہئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ثقافتی ڈھانچہ؛ تشکیل وارتقاء مکی دورِ نبوی کا تجزیاتی مطالعہ

تمہید:

مکہ مکرمہ کثیر القوی (قریش، عرب قبائل اور غیر عرب لوگوں کی آبادی) شہر ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف مذہبوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کا بھی مرکز رہا۔ اس وقت جہاں مکہ میں مادی ضروریات کے وافر ذرائع تھے وہاں روح کی تسکین کے لیے موسیقی، شعر و شاعری، مصوری، بت تراشی اور مذہبی اعتقادات کا انتظام بھی تھا۔ ان کی یہ سرگرمیاں کسی خارجی مقصد، موسمی تبدیلی یا کسی اور عرض کے لیے نہیں ہوتی تھیں بلکہ اس سے وہ اپنی مقصود بالذات مذہبی ضروریات کی تکمیل اور روحانی سرور حاصل کرتے تھے۔

انسان کو بہترین تہذیبی و ثقافتی روایات سے آشنا کرنے والی شخصیت کا پہلا دور مکہ ہی تھا۔ مکی دور میں شرائع ما قبل کی روایات موجود تھیں۔ مختلف انبیائے کرام کا مسکن اور دعوتی مرکز بھی رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی کریم ﷺ تک ایک لمبا عرصہ بغیر نبی کے گزرا تو اس دوران شرائع ما قبل اور وقت کے نبی کی تعلیمات میں لوگوں نے ردوبدل سے کام لیا، اپنے مزاج کے مطابق دین کو تبدیل کیا۔ تحریفات کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا تو لوگوں کا مزاج مذہب کے بارے میں یہ بنا کہ مذہب کو زندگی کے پیچ و خم میں ایک حاشیے کا درجہ دیا گیا۔ مذہب کی اہمیت صرف اس حد تک رہی کہ اسے اخروی نجات تک محدود رکھا، دنیاوی زندگی اپنی مرضی سے بسر کرنا اور اخروی زندگی میں فقط نجات کا تصور قائم کر کے محدود اعمال انجام دینا۔ یہی سوچ مذہب سے مکی مزاج کا یہی رویہ ان کے رگ میں بسا تھا۔ انہوں نے دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا تھا۔ اسی تقسیم نے ان کی زندگی کو بھی منقسم کر رکھا تھا۔

جب ان کے سوچ کے دھارے اور دین کے بارے میں منقسم ہوں تو ظاہری بات ہے کہ زندگی کے تمام شعبے اسی طرح غیر منظم اور منقسم رہیں گے، معاشرتی رویوں پر مذہب کی چھاپ کا تاثر مختلف ہو گا اور اسی طرح دنیا کی چھاپ کا اثر الگ نوعیت کا ہو گا۔ دین و دنیا کی دوہری حیثیت، سماج و تمدن اور ثقافتی حدود کو بھی منقسم و منتشر کر دیتا ہے۔ جس سے معاشرے میں ایک بڑا خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں افراط و تفریط کا رجحان بڑھ جاتا ہے، جو زوال کی پہلی نشانی ہوتی ہے۔

مکی دور کبھی بھائیوں کے درمیان دشمنی کا دور کہلاتا تھا۔ جان کے دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ باہمی محبت اور ہمدردی کی بنیاد پر مواخات قائم ہوئی۔ مکی دور جو کبھی اخلاقی بحران کا شکار تھا یہاں نہ صرف بیرونی وفود کو عزت ملتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ بھاری تحائف سے بھی نوازے جاتے تھے اور مہمان نوزی میں بھی کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے۔ اس ضمن میں بیرون ممالک کیے گئے معاہدات بھی انسانی زندگیوں میں ایک زوال اور پر امن ہونے کی حیثیت سے نمایاں ہیں۔ مدینہ منورہ کا معاشرہ جو ہجرت سے پہلے بہت ساری دینی، اخلاقی اور تہذیبی پیچیدگیوں میں ڈوبا ہوا تھا، مکہ کے لوگوں نے آکر ایک بہت تہذیبی اور قابل تقلید ثقافتی اثرات مرتب کیے۔ ان کو اپنی تہذیب پر اتنا بھروسہ تھا کہ دوسروں کی تہذیبی روایات کو بھی ردو بدل کے سانچے میں ڈالنے کے بعد قبول کر لیتے تھے۔ ان سے اپنی تمدن کی بہتری کے لیے فنون وعلوم اور رسوم کو نکال لیتے تھے۔ مفسد عام کو مسترد کرتے تھے۔ مکی دور میں انسانیت کو جتنا فائدہ پہنچا کسی اور دور میں نہیں پہنچ سکا۔

مکی معاشرے کو جس شخصیت نے بام عروج تک پہنچایا، وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے نہ صرف معاشرے کی اصلاح کی بلکہ انسانوں کو اپنے اعلیٰ کردار سے بھی متعارف کروایا۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے الفاظ میں ان کی باکمال شخصیت کو ایک بڑی نعمت کے طور پر بیان فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[1]

"اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھی۔"

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات نے گہرے اثرات مرتب کیے۔ مکی معاشرے کے علاوہ بھی حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے دیگر معاشروں کو ہدایت وتہذیب سے متعارف کروایا۔

حضرت محمد ﷺ اور ان کے زمان ومکان کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ سیرت نگاروں، تاریخ دانوں اور اُدبّاء نے شروع سے لے کر آج تک اسے محفوظ رکھا ہے۔ صحاح ستہ، مسانید اربعہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی کتاب المغازی، ابن واقدی کی المغازی اور کتاب التاریخ والمبعث والمغازی، ابوالفتح محمد بن محمد کی عیون الاثر ومغازی وسیر، حافظ ابن سید الناس کی عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، عبد اللہ بن محمد جعفر اصبہانی کی سیرۃ النبی ﷺ، ابن ہشام کی سیرۃ النبی ﷺ، ابن سعد کی الطبقات الکبری۔[2]

---

(1) آل عمران 3: 164
(2) ابن سعد، الطبقات الکبری ۱/۹۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن کثیر کی الکامل، سیرت النبی ﷺ اور الفصول فی اختصار الرسول، شمس الدین محمد بن عبد الرحمن کی الضوء الامع لاہل القرآن التاسع۔ عصر حاضر میں ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی کتاب السیرۃ النبویۃ اور سید ابو الاعلیٰ مودودی کی سیرت سرور عالم موجود ہیں۔[1]

پھر دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ان کی جرح و تعدیل اور جانچ پرکھ بھی ہو چکی ہے بلکہ کئی مواقع پر تو پرانے مخطوطے بھی سامنے آگئے ہیں، جیسے ہمام ابن منبہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مخطوطہ ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملا تھا۔ سیرت کو مختلف جہات سے تقسیم کرکے مزید وضاحت کا سامان بہم پہنچایا جیسے مکانی و زمانی اور موضوعات و متعلقات کے لحاظ سے پھر ان کی شروح اور شروح اور تلخیص و اختصار اور منظوم نگاری وغیرہ ان ساری کوششوں سے اطمینان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

سابقہ کام کا طائرانہ جائزہ:

تمام سیرت نگار نے مکی دور کے ابواب اور فصول کی تقسیم میں تاریخ مکہ مکرمہ، ہمعصر ممالک و حکومتیں، ولادت، امہات، شجرہ نسب، بچپن، کمالات محمد ﷺ وحی، اسفار، خفیہ دعوت و تبلیغ منافقین کا کردار، معجزات اور ہجرت پر آکر مکی دور کا اختتام کر دیتے ہیں۔ اس سے آگے ان کی فہرست سازی میں تحلیل و تجزیے پر مبنی کسی عنوان کا اضافہ نہیں ہو سکا۔

امام محب الدین طبری کا مختصر کتابچہ خلاصۃ السیر فی احوال سید البشر، جو پچاس صفحات پر مشتمل ہے تمام تر مکی دور کے واقعات کا ذکر ہے۔ مدنی واقعات کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے اور جن مکی واقعات کا ذکر ہے وہ بھی واقعات کی حد تک ہیں۔ اسی طرح علامہ خلیفہ بن خیاط نے تاریخ و سیرت کی تصانیف میں مکی دور کو مکمل حذف کر دیا ہے، ہجرت سے اپنی تاریخ تاریخ و سیرت کے حالات و واقعات کا آغاز کرتے ہیں۔ مکی دور کو انہوں نے مکمل جاہلیت کا دور کہا ہے۔ اسی طرح عصر حاضر میں شاہ معین الدین ندوی تاریخ اسلام حصہ نے بھی مکی دور کو خفیہ دور کہہ کر اس کی انفرادیت کو محدود کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمدنی پیمانے پر ان معاشروں کو ناپنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا سید ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ جو سیرت پر عبور رکھتے ہیں اور سیرت پر ان کی کتاب بھی "نبی رحمت" کے نام سے موجود ہے۔ اسی کتاب کے ایک پیراگراف میں تمدنی مراکز کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

الغرض مکی دور کو تاریخ دانوں نے تاریخ کے پردے میں رکھا۔ سیرت نگاروں نے سیرت کے تقاضوں میں

[1] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقیدت کے غلاف میں لپیٹ کے رکھا۔ مفسرین نے فقط مکی دور کے احکامات ذکر کیے ہیں۔ یوں مکی دور کے اسلامی ثقافت کا وہ چہرہ نظر نہ آسکا جو اقلیت میں بھی رہتے ہوئے نمایاں رہا اور محکومیت میں بھی ابھر کے سامنے آیا۔

دنیا میں آج یہ تصور موجود ہے کہ اسلامی ثقافت اس دور میں نہیں چل سکتی اور اسلام کو فرسودہ اور غیر مہذب کہہ کر عیسائیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام پر اس حد تک الزام لگایا جاتا ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں نے عیسائیوں سے ثقافت سیکھی، اسلام نے ادب اور لٹریچر عرب سے، ریاضی روم سے، فقہ اور قانون یہودیت سے اور فلسفہ یونان سے لیا۔ حالانکہ ان کا یہ دعوٰی انصاف سے عاری اور کھلی بد دیانتی ہے۔ جہاں تہذیبوں کا تصادم اور ثقافتی جنگ چھڑ چکی ہو۔ ان حالات میں مکی دور کی ثقافت کا موجودہ دور سے تطبیق کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ تاکہ مکی دور میں سیرت نبوی ﷺ کے ان مظاہر کو واضح کیا جاسکے۔

مکی معاشرے کے اہم رسوم ورواج:

مکی معاشرے کے رسم ورواج کی تاریخ اس وقت سے ہے جب سے مکے میں پہلا انسان آباد ہوا۔ انسان ہمیشہ سے مذہب اور معاشرے سے جڑا ہوا ہے۔ مذہبی اور معاشرتی رویوں کی وجہ سے اپنی زندگیوں میں خوشی اور غمی کے لمحات سے گزرتا ہے۔ اب مکہ مکرمہ کے اہم قطاہر کا تزکرہ کیا جاتا ہے۔

ولادت کی رسوم ورواج:

مکہ میں انسانی زندگی کی پیدائش کے آغاز پر اہل خانہ کی خوشی نہ صرف دیدنی ہوتی ہے بلکہ اسی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔خوشی کے اس موقع پر تمام لوگ رسوم ورواج کے پابند ہوتے ہیں۔ بچے کی پیدائش پر کسی بزرگ کی چبائی ہوئی کھجور کا فالودہ یا پھر شہد کو بچے کے منہ میں ڈال دیتے تھے۔[1]

مکی معاشرے میں عقیقے کی رسم کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔بقول ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی:

"نومولود کے بال مونڈے جاتے تھے، ان کے برابر صدقہ ادا کیا جاتا تھا، نام رکھا جاتا تھا، ایک یا دو بکری / بکرے کی قربانی کی جاتی تھی، اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا تھا، عزیز و اقارب اور احباب و اہل محلہ کی دعوت کی جاتی تھی اور خوشیاں منائی جاتی تھیں جن میں تحفے تحائف کا تبادلہ، مبارک باد کا غلغلہ، لباس اور نئے کپڑوں کا اہتمام اور گیت اور گانے کا التزام وغیرہ شامل تھا۔" [2]

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، قولہ تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ۹/ ۵۸۸

[2] صدیقی، محمد یٰسین مظہر، ڈاکٹر، مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، نشریات اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۳۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کعبۃ اللہ کے قریب لوگ اپنے نومولودوں کو کعبے کی زیارت بھی کرواتے تھے۔

نکاح وطلاق:

مکی معاشرے میں نکاح کا تصور بہت پرانا چلا آرہا تھا۔ انسانوں کی نسل اسی تسلسل کا نتیجہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نکاحوں کی ایک تاریخ محفوظ ہے۔

"ان اللہ اخرجنی من النکاح ولم یخرجنی من السفاح"[1]

"اللہ تعالیٰ نے مجھے نکاحوں کی بدولت سے اس دنیا میں اتارا ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں نکاحوں کے تسلسل کا اندازہ ہو جاتا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نکاحوں کا تسلسل رہا ہے۔مکہ کے اندر قریش قبیلے کے جدامجد قصی بن کلاب اور اس کے بعد تمام قریشیوں میں نکاح کا رواج چل پڑا۔

عرب میں اور پھر خاص کر مکہ میں نکاح سے پہلے جانبین کی رضامندی باقاعدہ طور پر ہوتی تھی اور اسی اہتمام سے پیغام نکاح بھیجتے تھے۔

عرب معاشرے میں طلاق، ایلا اور اظہار کی رسم سے مراد اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا تھا۔ ظہار اس وقت واقع ہو جاتا جب ایک مرد اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تم میری ماں جیسی ہو۔ اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی۔ عہد جاہلیت میں ماں کا لفظ بول کر بیوی کو اپنے لیے حرام کر دیا جاتا تھا۔ مکی معاشرے میں ایلا کی رسم بھی رہی۔ ایلا میں مرد قسم کھاتا کہ میں بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ اگر چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ نکاح اور طلاق میں جب باہمی رضامندی شامل ہو تو اس سے معاشرے کے اچھے پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ اور مہذب معاشرے کی علامت ہوتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے سوۃ المجادلۃ کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔

فوتیدگی کے رسم ورواج:

مکہ میں موت کے حادثے اور کفن و دفن کی تمام روایات کی بنیاد دین ابراہیمی سے چلی آرہی تھیں۔ عبدالمطلب جو یہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مکے کے علاوہ دیگر اقوام اور خطوں میں بھی معروف تھے۔ ان کی وفات پر نہ صرف غم وافسوس کا اظہار کیا گیا بلکہ مرثیے تک کہے گئے اور مکے کا بازار کئی دنوں تک بند رہا۔

---

[1] البانی، محمد ناصر الدین، الجامع الصغیر، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۱/۳۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ وجدل:

جنگ وجدل عربوں کا فن تصور کیا جاتا ہے اور یہ ان کی سرشت میں شامل تھا۔باپ دادا کی لڑائیاں ان کو ازبر یاد تھیں۔ عرب جنگی آلات، جنگوں کی صف بندی، میدان جنگ کے اندر داؤ پیچ اور دیگر متعلقات جنگ کے ماہر تھے۔

ولدن من الخطی فیه أسنة ذخائر مماسن أبزی وشرعب[1]

لچکدار خطی جن میں پھول لگا ہوا تھا، میدان جنگ میں جب دشمن سے مڈ بھیڑ ہو جائے۔ تو اے محبوب: تجھے پھولدار خطی کے علاوہ بھی کوئی نیزہ پسند آجائے گا۔

جنگ و جدل عربوں کی جس صفت کو ظاہر کرتی ہے اس میں انہوں نے اپنے خاندان، قبیلے اور زمین کی حفاظت کے لیے جنگیں لڑی ہیں۔

آباواجداد پرستی:

عربوں کی ایک خاص خصلت یہ بھی تھی کہ اپنے آباواجداد پر فخر وغرور کرتے تھے۔ ان کے واقعات کو یاد رکھتے۔ عمرو بن کلثوم اپنے ایک شعر میں کہتا ہے:

ورثنا المجد قد علمت معد نطاعن دونه حتی یبینا[2]

ہم نے عزت وشرافت معد کے خاندان کے بڑوں سے ورثے میں پائی ہے۔ اس شرافت وبزرگی کو قائم رکھنے کے لیے پوری طاقت کو استعمال کریں گے۔

جس طرح ان کے آباؤ اجداد کے فخری کارنامے بیان کیے جاتے ہیں اسی طرح ان کی کمزوری کو بھی عرب نے خوب بیان کیا ہے اور اپنی آئندہ نسل کو غیرت کا درس دیا۔

مکی دور نبوی میں فنون لطیفہ

قصہ گوئی اور گانے بجانے:

قصہ گوئی مکی لوگوں کی سرشت میں تھی اور اسی سے سامرہ عادت پڑی تھی۔ پوری رات وہ قصہ گوئی میں

(1) میمون بن قیس بن جندل، دیوان الاعشی، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ، ۲/۱۲

(2) محمد بن محمد، شرح الشواھد الشریعہ فی امات الکرتبط النحویہ لاربعۃ الاف شاھد شعری، موسسۃ الرسالہ، بیروت، طبعہ اولیٰ، ۲۰۰۷ء، ۳/۲۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گزارتے تھے۔ اور اس سے وہ اپنی معاشرتی شان بڑھاتے تھے۔ بنی عبد الدار کے مشہور قصہ گو نضر بن الحارث کے بارے میں آتا ہے کہ:

"نضر بن الحارث نے فارس جا کر قصہ گوئی کی تعلیم پائی۔ واپس آ کر وہی کہانیاں سنانے لگے اور باندازِ چیلنج کہتے تھے کہ محمد ﷺ کے قصے بہتر ہیں یا میری کہانیاں۔"[1]

سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

نضر بن الحارث خود داستان گو تھے اور گانے سنانے کے لیے لونڈیاں بھی خریدی تھیں۔[2]

عرب کے لوگ رات کی محفلوں کے لیے دن کے کام سے فارغ ہو کر محفلوں کا انعقاد کرتے اور یہی ان کی قصہ گوئی کا دور تھا۔

شعر وشاعری:

لفظ شعر کو عموماً شعور کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ گہرے علم یا ادارک و احساس کا خزینہ ہوتے ہیں۔ شعر و شاعری بھی عرب کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ان کے لیے تہذیبی زندگی کی بنیادی اینٹ تھی۔

ایک شعر ہے جس میں نہ صرف اچھے اخلاق کی بات ہوئی ہے بلکہ شستہ مزاج کو بھی اپنایا گیا ہے۔

"فان الحق مقطعه ثلاث　　یمین او نفار او جلاء[3]

سچائی کے لیے تین صورتیں ہیں۔ قسم کھانے سے سچائی ظاہر ہو جائے گی یا پھر کسی کو ثالث مقرر کر کے اس کے فیصلے سے سچائی سامنے آئے گی اور یا پھر آخری صورت یہ ہو گی کہ سچائی خود واضح ہو جائے۔

فن تعمیر:

عربوں نے فن تعمیر مختلف اوقات میں اپنے قریبی ممالک اور خطوں سے اخذ کیا۔ عرب اور پھر خاص کر مکہ والے چونکہ سادہ مزاج بدوی تھے سادگی کو پسند کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے عام آبادیوں کے بارے میں مختلف روایات کے تحت مکانات کا نقشہ کھینچا ہے۔ پتھر کی دیواریں، پٹی کی تختیوں سے بنی چھت پر مشتمل

(1) محمد بن عبد الرحمن، تفسیر الایجی جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۴ء

(2) مودودی، سیرت سرور عالم، ص ۵۳۳

(3) جاحظ، ابو عثمان، الحیوان، دار الجیل، بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء، ۳/ ۴۷۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمرہ ہوتا تھا۔ سب سے پرانی تعمیر خانہ کعبہ کی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حوادث زمانہ یا لوگوں کی محبت و عقیدت کی وجہ سے اس کی تعمیر میں تبدیلی ہوتی رہی۔

فن مصوری:

انسانی ذوق اور فنی مزاج میں تصویر سازی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ قرآن کریم میں اس کے اشارات ملتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَعْمَلُونَ لَهُۥ مَا يَشَآءُ مِن مَّحَٰرِيبَ وَتَمَٰثِيلَ وَجِفَانٍ كَٱلْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَٰتٍ﴾[1]

"وہ جو چاہتے ہیں یہ اُن کیلئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں۔"

طائف کے مضافات میں ما قبل تاریخ کے باشندوں نے چٹانوں پر جانوروں کی تصوریں کھودی تھیں۔

مکی دور نبوی میں علم وادب

علمی شاعری کا رجحان:

عرب شاعری کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ شاعری کے ذریعہ معاملات کو حل کرتے تھے۔ اور نیک کام کرنے کے لیے بھی شاعری سے مدد لیتے تھے عدی بن زید نے اس حوالے سے بہت اشعار ذکر کیے ہیں۔

علم طب:

علم طب کا بھی کافی رجحان پایا جاتا تھا۔ اس علم کی بنیاد زیادہ تر ان کے مشاہدات، تجربات یا پھر وہم سے تعلق رکھتا تھا۔ زیادہ تر جڑی بوٹیوں، نباتات اور غذاؤں سے کیا جاتا تھا۔ علاج میں پرہیز گاری پہلے درجے پر ہوتی تھی۔

علم کہانت و آفت:

یہ علم علاج سے کہیں زیادہ ایک دیومالائی افسانے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ علم کہانت مستقبل کی مشکلات، آسانیاں اور حالات کے تیور کا پتہ بتادیتے تھے۔ یہاں تک کہ ریت پر لکیریں کھینچتے اور فیصلہ صادر کرتے عرب کے لوگ طبیب کو بھی کاہن کہتے تھے ابو ذؤیب ریت کی علاج پر کہتا ہے:

يقولون لي لو كان بالرمل لم يمت ونبيشة والكهان يكذب قيلها[2]

---

(1) السبا34: 13

(2) الخالدیان ابو بکر محمد بن ہاشم، الاشباہ والنظائر من اشعار المتقدمین، بیروت، دار الحدیث، طبع سوم، ۱۹۸۴ء، ۱/۱۵۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”مجھے کہا کہ اگر آپ کا دوست اور نبیشہ ریت والی جگہ پر ہوتے تو نہ مرتے۔عام طیب (علم کہانت) کی بات اور نسخہ بھی جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوتا ہے۔“

دیگر علوم:

عربوں کی علمی وادبی مظاہر کی بنیاد، بھی ایک سوچ اور فکر کے تحت تھی۔ان کی تمدنی اور ثقافتی روح میں جستجو، ادراک اور تلاش کا مادہ موجود رہا۔ان کی اسی ندرت نے بتوں کی عبادت سے علم کا حاصل کرنے کا خوگر بنادیا۔ان کی عقلیں حوادث طبعی کے کنہ تک نہیں پہنچیں تاہم ان کے عوارضات کا علم ان کو بخوبی تھا۔ان کو علم طب سے بھی واقفیت تھی لیکن یہ علم ان کو تجربے کے طور پر حاصل ہوا تھا۔[1]

آنحضرت ﷺ کے مکی تہذیب وثقافت پر اثرات:

آپ کے مروجہ روایتی اقدار پر اثرات:

کسی بھی معاشرے میں ایسے داخلی اور خارجی عوامل کارفرما ہوتے ہیں جو اس معاشرے کی اقدار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔مکی دور کے مروجہ روایتی اقدار میں عالم عرب کے علاوہ دیگر ممالک کے اثرات بھی شامل تھے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا اہم پہلو:

نبی کریم ﷺ نے اپنے تشخص سے کہیں پہلے مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر عرب کے لوگوں کا ذہنی میلان اپنی طرف موڑ لیا، کہ مذہب سے وابستگی عرب میں کسی نہ کسی صورت پہلے سے موجود تھی۔کیونکہ مذہب کے حوالے سے انسانی طبیعت رنگ اوراصل ونسب کو ایک خزانہ بنادیا گیا۔اس خزانے میں سب کی فطرت ایک ہے اور ان سب نے مذہب کو تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔اسی بارے میں نبی کرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا»[2]

اخلاقی اقدار میں روحانی تہذیب:

مکی دور میں نبی کریم ﷺ نے اخلاق کو روحانیت سے ایسے پیوستہ کر دیا کہ پوری زندگی مکمل عبادت کا نمونہ

---

(1) اسلامیات، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، اشاعت ۲۰۰۱ء، ص ۴

(2) صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب الارواح جنود مجندۃ، رقم الحدیث: 2638

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پیش کر رہی تھی۔ مکی دور زندگی میں کسی کے انفرادی اور اجتماعی امور ایسے نہ تھے جن میں اخلاقیات کو روحانیت سے جدا مانا گیا ہو۔ نبی کریم ﷺ اپنی بنیادی ذمہ داری یہ بھی نبھاتے رہے کہ مجھے اخلاق کو عام کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔(1)

اجتماعات میں منتشر امور میں روحانیت:

یوں تو عرب کے سالانہ اجتماعات ہوا کرتے تھے مکہ میں چونکہ مذہبی حیثیت کے علاوہ تجارتی منڈی لگتی تھی اسی لیے سالانہ اجتماعات مذہبی نوعیت کے بھی ہوتے تھے اور سماجی و تہذیبی رنگ بھی لیے ہوتے تھے ان اجتماعات میں خرافات کی بھرمار ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ دور جاہلیت میں نذر پوری کرنے کے لیے ان اجتماعات اور ان کے مقامات کو منتخب کیا جاتا تھا۔ ایک روایت ہے:

ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بوانہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ وہاں جاہلیت کے زمانے میں کبھی بتوں کی پوجا ہوئی ہے؟ اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے اسے بوانہ کے مقام پر نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی۔(2)

مکہ مکرمہ نظریاتی و فکری ثقافت پر اثرات:

ان کے اعمال کے مظاہر کو بھی متاثر کیا۔ جس طرح خیالات، نظریات اور اعتقاد ہوگا اسی طرح بھی بھی صادر ہوں گے۔ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے تھے انہیں کے نام کی نذر قربانیاں بھی کی جاتی تھیں۔ عملی مظاہر میں سے وہ روایت بھی قابل توجہ ہے جس میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص کو اس کی عجمی النسل ہونے کا طعنہ دیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرماتے لگے:

«انك امرو فيك جاهلية»(3)

"تم میں اب بھی جاہلیت جیسی خصلت موجود ہے۔"

---

(1) الخطیب، عبد الکریم، التفسیر القرآن، دار الفکر العربی، القاہرہ، ۱۵/ ۱۱۸۳

(2) الجنیدی، شاکر، عبد اللہ، سد الذرائع فی مسائل العقیدہ علی ضوء الکتاب والسنہ الصحیحہ، ۱/ ۳۶

(3) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بنی الاسلام علی خمس، ناشر دار السلام والنشر والتوزیع ریاض، السعودیہ، طبع الثالثہ، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: ۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ کے تشکیل کردہ ثقافتی ڈھانچہ کا مختصر تجزیہ:

ثقافتی اثرات سے پہلے بذات خود نبی کریم ﷺ ایک لمبے اور تربیت یافتہ سفر سے گزرے۔بنفس نفیس ذاتی نوعیت کی تربیت کا خود بھی اہتمام کیا اور کفالت کرنے والوں نے بھی تربیت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ جاہلی نفسیاتی مزاج نے بھی کردار سازی میں بھرپور حصہ لیا۔ دوسرے مذہبی حالات بھی کچھ اس نوعیت کے تھے کہ ان سے کماحقہ تربیت نہیں لی جاسکتی تھی۔ سید امیر علی نے ولیم میور کی بات نقل کی ہے:

> ”اگرچہ عیسائیت کی تبلیغ پانچ صدیوں سے ہو رہی تھی تاہم عیسائیوں کے صرف کوئی ایک گروہ کہیں کہیں دکھائی دیتے تھے یہودیوں نے بھی جو عیسائیت سے کہیں زیادہ تھے وقتاً فوقتاً لوگوں کو اپنے دائرے میں داخل کرنے کی غیر مستقل کوششیں کی تھیں لیکن اب اس کی تبلیغی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ ان کے علاوہ سب سے بڑے حکمران یعنی غسان اور حیرہ کے بادشاہ، قیصروں اور بازنطینیوں کے باجگزار تھے۔“[1]

پرانی روایت کی از سر نو تعمیر:

نبی کریم ﷺ سارے حالات کا پوری گہرائی اور فراست کے ساتھ جائزہ لے رہے تھے کہ مکی زندگی کے سماجی رویے اور مذہبی رجحانات کو تبدیل کیا جائے۔ ان کے شعور کی گہرائی میں یہ بات آگئی تھی کہ انسانوں کا معاشرہ جاہلی نہیں ہو سکتا۔ بقول مولانا سید ابوالاعلی مودودی:

> ”اس کے ذہن میں وہ باتیں بھی آتی ہیں جو دوسرے لوگوں کے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ اس کی نظر ایسی باریک باتوں تک خود بخود پہنچ جاتی ہے جن تک دوسروں کی نظر برسوں کے غور و فکر کے بعد بھی نہیں پہنچتی۔“[2]

احسان شناسی:

انسان کو عقیدے کی رو سے اللہ تعالیٰ کی قربت جبکہ معاملات میں احسان سے متعارف کرایا۔ ان کو اللہ کی حقیقت سے روشناس کرایا احسان ہی کے بدلے ان کے غلط عقیدے، فرسودہ معاشرت اور تمدنی رویے کو شعور کی

---

(1) سید امیر علی، روح اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور ۱۹۸۸۹ء، ص ۶۷،۶۶

(2) مودودی، سیرت سرور عالم، ص ۵۹

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گہرائی کا فہم عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ حسن سلوک کو اپنے کنبے کے ساتھ حسن سلوک قرار دیا ہے، اور انسان کے ساتھ ظلم کو اپنے کنبے کے ساتھ ظلم قرار دیا ہے۔

احسان درس دیا کہ احسان کی شکل یہ ہے کہ بندہ محسوس کرے اللہ ہر کام اور ہر وقت اللہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اگر یہ احساس نہ ہو تو اللہ آپ کو ضرور دیکھ رہا ہے۔ الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراہ فإن لم تکن تراہ فانہ یراك (حدیث جبریل)

اسلامی ثقافت کا فروغ:

وحی جو اسلامی ثقافت کی روح قرار پائی۔ اسی روح کی بدولت نبی کریم ﷺ نے عرب کی ثقافت اور اس میں ملی جلی غیر اقوام کی ثقافت کی اصلاح کی۔ نبی کریم ﷺ نے اسلامی ثقافت کی حدود و قیود کے دائرے کو نہ صرف وسیع کر دیا بلکہ واضح بھی کر دیا علم و ادب کا میدان ہو یا فنون لطیفہ میں نسائیت و شہوانیت کی جھلک ان سب کو سیدھے رخ پر رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ محرمات ہیں۔[1]

ثقافتی صلاحیتوں کے فروغ کا مثبت استعمال:

مکی دور میں "کامل" کا لقب اس شخص کو دیا جاتا تھا جو کتابت اور تیر اندازی میں ماہر ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے کھیل کود اور دیگر سماجی کاموں میں بھی مقصدیت کو پیش نظر رکھا۔ کسی بھی بڑے سے بڑے کام کو لایعنیت کے جامے پہنا کر اسے برباد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح چھوٹے کاموں کو مقصد سے وابستہ کر کے اسے معاشرے اور سماج کے لیے کار آمد بنایا جا سکتا ہے۔ ہر کام مقصد سے پیوست ہو اور ان کے نتائج بھی اسی طرح مرتب ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سبھی کام فضول ہیں ہاں البتہ مفید کاموں میں سے گھوڑوں کو جہاد کے لے سدھانا اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود اور اہل و عیال کو نشانہ بازی سکھانا شامل ہیں۔[2]

---

(1) ابی القاسم اسماعیل بن محمد، الترغیب والترھیب، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۳ء، ص: ۴۳

(2) محمد بن عبد الوہاب، مجموعۃ الحدیث علی ابواب الفقہ، جامع امام محمد بن سعود، الریاض، ۲۰۱۰ء، ۴۴۹/۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ بحث:

دنیا کے حالات اور اقوام عالم کی عادات ہمیشہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتیں کیونکہ ہر دور کے اپنے تقاضے اور ہر امت کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ اسی لیے تمام شرائع میں ہر دور کے تقاضوں اور مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے تمام انبیائے کرام علیہ السلام کا تشریعی مقام بھی یہی ہے کہ وہ اپنی اپنی امتوں کو اصول دین کی تعلیم دینے کے ساتھ فروغ دین کے سلسلے میں حالات ووقت کے تقاضوں کے مطابق احکام دیتے رہے ہیں۔

مکی معاشرے کا یہی بنیادی مسئلہ تھا کہ انہوں نے دین و دنیا کے الگ خانے بنائے تھے اور اسی بنیاد پر ان کی تہذیب بھی بنی تھی۔ ایسی تہذیب کو عنکبوت کہا گیا ہے جو ہوا کے معمولی جھونکے کی بھی طاقت نہ رکھتی ہو، کیونکہ ایسی تہذیب کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ مذہب کے اندر ہر تحریف کے بعد ان کی تہذیب کی دیوار بھی ڈگمگا جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جب مبعوث کیا گیا تو ان کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ دین و دنیا کی تفریق کو مٹا دیا جائے۔ اس تفریق کے مٹانے پر لوگوں کی سوچ کے دھارے ایک ہوں گے۔ جو دینی حکم ہو گا وہی ان کی تہذیب کے مظاہر بھی ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کیا۔ مکے کے لوگ جو اپنی روایت پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بڑی حکمت اور بھلائی کے جذبے کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیا۔ مکی مذاہب اور تہذیبی مظاہر کو اس نقطہ نظر سے دیکھا کہ ایک بہتر معاشرہ وجود میں آئے اور اس کا پیدا کردہ انسان مذہب کا داعی اور اسلامی تہذیب کا محافظ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے جب خیر اور بھلائی کی تہذیب اور ثقافتی روایات کو پروان چڑھایا تو آئندہ نسل کے لیے بھی یہ فرمان چھوڑا۔

«خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها، و کل بدعة ضلالة» [1]

اسی طرح ایک اور فرمان ہے:

«لیعلم الیهود ان فی دیننا فسحة» [2]

"یہودیوں کو اس بات کی خبر ہونی چاہیے کہ ہماری تہذیب میں وسعت ہے۔"

[1] التمیمی، احمد بن علی المثنی ابو یعلی، مسند ابی یعلی، تحقیق: حسین سلیم أسد، الناشر دار المامون للتراث، دمشق، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۴ء، ۴۲۰/۲

[2] عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ، ابو محمد الدینوری، تاویل مختلف الحدیث، دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۲ء، ۲۹۳/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پوری انسانیت کے لیے اب بھی اسی میں وسعت اور کشادگی ہے۔ کسی بھی خطے کے انسان کے لیے اس میں فائدے ہی فائدے ہیں، نقصان کہیں بھی نہیں اور اسی میں ہی انسانیت اور انسانی تہذیبوں کی فلاح کا سامان ہے۔

نتیجہ بحث:

تاریخ بتاتی ہے کہ تہذیب وتمدن کوئی جامد چیز نہیں۔ یہ کبھی عروج پر پہنچتی ہے اور کبھی روبہ زوال ہوتی ہے کبھی ایک تہذیب ختم ہوتی ہے تو اس کی جگہ دوسری تہذیب لے لیتی ہے۔ یوں تہذیبیں اور تمدن بن بن کر مٹتے اور مٹ مٹ کر بنتے چلے جاتے ہیں۔

اب تک انسانی ذہن نے جو خاکے بنائے ہیں اور معاشرتی اصلاح اور نظم وضبط کے لیے جو نظام پیش کیے ہیں وہ اسلامی نظام کی گرد کو بھی پہنچتے موجودہ حالات میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبردست ترقی کے باوجود ایسے کوئی آثار نظر نہیں آتے جن سے معلوم ہو کہ انسانیت اسلام کے اصلاح وفلاح کے الوہی پروگرام سے آگے نکل گئی ہے۔ سلامتی کا احساس، روحانی آسودگی اور اعلیٰ اخلاقی رویے اسلامی تہذیب کی جان اور جواز ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اسلام خالق کائنات کا وضع کردہ نظام ہے۔ اسلام عبادات، معاملات، رسم ورواج اور اخلاق وآداب کی مشعلیں روشن کرکے بنی نوع انسان کو مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلام صرف دنیا ہی نہیں آخرت کی فوز وفلاح بھی چاہتا ہے اس لیے ہمیں اسلام ہی کی ہدایات کی روشنی میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اسلام منافع کے حصول سے نہیں روکتا بلکہ صنعت کے وسائل وذرائع کو جائز اور پاکیزہ بنائے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔ مضرتوں کا سدباب اور جائز نفع اندوزی اسلام کا ایک اہم اصول ہے۔

اسی طرح روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اسلام مادی ترقی سے نہیں روکتا البتہ ظلم وزیادتی اور دوسروں کے حقوق سلب کرکے ترقی کے حصول سے منع کرتا ہے۔ دیکھا جائے تو سائنسی علوم کی حقیقی ترقی مسلمانوں کی مرہون منت عمل میں آئی ہے رسول کریم ﷺ نے جدید اسالیب حرب اور آلات حرب اختیار کیے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ وہ مختلف ادویات کے خواص جانتی تھیں اور علوم عالیہ کی ماہر تھیں۔ لہٰذا دور جدید کے تمدن اور تہذیب کے وہ طریقے اور اسالیب جن سے اسلام کی حقیقی روح متاثر نہ ہو ان سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ البتہ وہ آثار یا رسوم ورواج اور رنگ ڈھنگ جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہوں، انہیں پوری قوت سے مسترد کر دینا چاہیے، کیونکہ اسلام خالق کائنات کا عطیہ ہے جو دنیا وآخرت کی کامیابی اور عدل وانصاف کا علمبردار ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وبائی امراض(Covid-19)کے دوران معاصر مسائل اور سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی

شریعت اسلامیہ میں ہر دور اور ہر مسئلہ کی رہنمائی موجود ہے کیونکہ اس کا نزول اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے مگر اس سے رہنمائی ہر شخص اپنے علم اور مشاہدے سے رحمت الہیٰ کے مطابق حاصل کرتا ہے۔دورِ جدید کے وبائی امراض میں بھی شریعت اسلامیہ سے بہت سی رہنمائی ملتی ہے۔

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾[1]

(AND IF any [secret] matter pertaining to peace or war comes within their ken, they spread it abroad - whereas, if they would but refer it unto the Apostle and unto those from among the believers who have been entrusted with authority, such of them as are engaged in obtaining intelligence would indeed know [what to do with] it And but for God's bounty towards you, and His grace, all but a few of you would certainly have followed Satan).

حیات انسانی میں وبائی امراض کی تاریخ بہت قدیم ہے کوئی بیماری اگر آبادی کے بہت سارے حصے کو متاثر کرے تو اس کو وبائی امراض کہا جاتا ہے(Epidemics and Pandemics) ۔اگر کوئی بیماری پوری دنیا میں پھیل جائے تو اس کو Pandemics کہا جاتا ہے۔اور اگر کوئی وبائی مرض ایک مخصوص علاقے تک محدود رہے تو اسے Epidemics کہتے ہیں۔

ان دونوں اصطلاحات کی مختلف تعریفات بیان کی گئی ہیں:

"Normally absent or infrequent in a population but liable to outbreaks of greatly increased frequency and severity", or a "temporary but widespread outbreak of a particular disease".[2]

")یہ وہ بیماری ہے جو) کسی آبادی میں عموماً معدوم ہوتی ہے یا کبھی کبھار ہی ظاہر ہوتی ہے تاہم اس

---

[1] سورۃ النساء: 83

[2] J. N. Hays, Epidemics and Pandemics: Their Impacts on Human History (Santa Barbara: ABC-CLIO,2005), xi.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بڑے پیمانے پر شدت سے پھوٹ پڑنے کا امکان موجود رہتا ہے" یا پھر "کسی خاص بیماری کے عارضی مگر بڑے علاقے پر محیط پھیلاؤ کو Epidemics کہا جاتا ہے"۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق Epidemics کی تعریف اس طرح ہے:

The rapid spread of a disease among many people in the same place.[1]

کسی بیماری کا ایک ہی علاقے میں رہنے والے بہت سے افراد میں تیزی سے پھیلاؤ Epidemic کہلاتا ہے۔

Epidemic اس وقت Pandemic بن جاتی جب اس کا پھیلاؤ پوری دنیا پر ہو۔ جس طرح کہ اس کی تعریف کی گئی ہے۔

A pandemic is simply an epiddmic on a very wide geographical scale, perhaps worldwide, or at least effecting a large area of the world. But again, no quantitative measure exists that establishes when an epidemic becomes a pandemic.[2]

اس سے مراد وہ مرض ہے جو ایک فرد کے ذریعے دوسرے فرد کو بہت تیزی سے متاثر کرتا ہے۔ یعنی متعدی بیماری وبا کہلاتی ہے۔

اور شریعت اسلامیہ ہمیں عملاً پوری احتیاط کی تلقین کرتی ہے چنانچہ جس علاقے میں بیماری پھیل جائے اس کی طرف سفر کرنا اور وہاں سے نکلنا دونوں ہی ناجائز ہیں۔[3]

قدیم انسانی تاریخ سے اب تک وبائی امراض میں کثیر جہتی مسائل و مصائب کو جنم دیا ہے۔ جن کے نتیجے میں معیشت، صنعت، تعلیمی داروں، عبادت گاہوں سمیت تمام زندگی کے معمولات متاثر ہوئے ہیں۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ کوئی ملک یا حصہ ایسا نہیں جہاں وباؤں نے انسانوں کو تباہی و ہلاکت میں مبتلاء نہ کیا ہو۔ ان جان لیوا امراض میں طاعون، بخار، نزلہ زکام، کالی موت، ہیضہ، ٹائیفائڈ، خسرہ، چیچک اور دیگر کئی علاقائی ناموں سے معروف نام شامل ہیں۔

---

[1] A. S. Hornby, Oxford Advance Learner's Dictionary of Current English, ed. Jonathan Growther (Oxford: Oxford University Press, 1995), 387.

[2] Hays, Epidemics and Pandemics, xi.

[3] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ ونحوھا، رقم: 5772

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے متعدی ہونے کے اسباب و ذرائع مختلف رہے ہیں۔ عموماً یہ مختلف اقسام کے جانوروں، پرندوں حشرات کے سبب شروع ہوتے ہیں اکثر اوقات سور، چوہا، پسو، چمگادر، کتا، بلی، بندر، کھٹمل، مخصوص اقسام کی مکھیاں، گھریلوں جانور، لمبی اران بھرنے والے پرندے، غیر صحت مند پانی اور ہوا، ناقص صفائی اس کا باعث بنتے ہیں۔

جس کے نتیجے میں بخار، کھانسی، سینے میں درد، سانس لینے میں تکلیف، پیاس کی شدت، زبان اور گلے کا پکڑا جانا، چکھنے اور ذائقہ محسوس کرنے کی صلاحیت کا ختم ہو جانا، قے اور دست کا آنا، یہ وہ پیچیدہ اور موذی امراض ہیں کہ مختلف ادوار میں اس کے علاج کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی گئی، جس میں مختلف رویے مذہبی، روحانی، سماجی بھی سامنے آئے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلم معاشروں کو بھی کئی باران وبائی اور متعدی امراض سے واسطہ پڑا۔ عہدِ نبوی ﷺ ، عمر فاروق، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، عثمانی خلفاء اور مغل حکمرانوں کے مختلف ادوار میں یہ امراض مہلک صورتوں میں حملہ آور ہوتے رہے۔ مسلمانوں نے ان متعدی امراض کے تدارک پر بھی خاص توجہ دی۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلم اطباء و حکماء نے ان امراض کی تشخیص اور علاج کے مختلف طریقوں پر تحقیقات پیش کیں اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا اہتمام بھی کیا۔ ان موضوعات پر کتب تحریر کیں، ہسپتال اور لیبارٹریاں قائم کیں، فرسودہ خیالات کا خاتمہ کیا، اعلیٰ اخلاقی اقدار قائم کیں، کہ جس کے علمی تحقیقی طبّی، سماجی اور تمدنی پہلوؤں پر خاص اثرات مرتب ہوئے۔ جبکہ اس کے برعکس ایک مخصوص طبقہ کی دوسری رائے بھی پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں نے وبائی امراض کے خاتمہ کے لیے کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کو بھی تیار نہ ہوئے۔[1]

یہ ضروری ہے کہ ان دونوں آراء کو سامنے رکھتے ہوئے تجزیہ و تحلیل پر مشتمل تحقیقی مطالعہ پیش کیا جائے۔

اسلامی فکر و تاریخ میں وبائی امراض سے بچاؤ کی مختلف تدابیر، امراض کے اسباب کی تشخیص، علاج کے مختلف طریقوں اور نتائج و اثرات کا تجزیہ پیش کرنا عصری بیانیہ و مقاصد شریعہ کے تناظر میں ایک اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ حالیہ دنوں میں وبائی امراض خصوصاً covid-19 نے عالم انسانیت پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں بالخصوص ہمارے فقہی ادب پر نمایاں اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ جس کو فقہ الواقع (موجودہ دور کے مسائل)

---

[1] Plague in Early Islamic History Michael W. *Dols* *Journal of* the American Oriental Society 94 (3):371-383 (1974)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

/فقہ النوازل،الاحکام والفتویٰ یتغیر بیتغیرالزمان والمکان (احکام اور فتویٰ کی نوعیت)مقاصد شریعہ کے تناظر میں حل کرنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اسلامی فقہ و حدیث میں انسانوں کے تمام، سماجی، اخلاقی، معاشی، روحانی مسائل کے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اور جو وبائی امراض کی وجہ سے مضرت اثرات پیدا ہو رہے ہیں ان کے حل کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔اس کی نمایاں مثالیں فقہ الحدیث کی کتب میں موجود ہیں۔

اسلامی تعلیمات /فقہی ادب میں وبائی امراض سے بچنے کے لیے تشخیص ،علاج، احتیاطی تدابیر پر بہت توجہ دی گئی ہے۔اس ضمن میں قرآن و سنت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحت و غذا، وبائی امراض کے متعلقہ قرآن آیات کا مفسرین نے اپنے اپنے حالات کے مطابق شرح و توضیح کا حق ادا کیا ہے۔

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا[1]

(AND IF any [secret] matter pertaining to peace or war comes within their ken, they spread it abroad - whereas, if they would but refer it unto the Apostle and unto those from among the believers who have been entrusted with authority, such of them as are engaged in obtaining intelligence would indeed know [what to do with] it And but for God's bounty towards you, and His grace, all but a few of you would certainly have followed Satan).

اسی طرح صحت و غذا، وبائی امراض کے متعلقہ حدیثی ادب بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا داود بن ابي الفرات، حدثنا عبد الله بن بريدة، عن يحيى بن يعمر، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم، قالت:" سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون فاخبرني انه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وان الله جعله رحمة للمؤمنين ليس من احد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم انه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل اجر شهيد".

[1] سورۃالنساء:83

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے داؤد بن ابی فرات نے بیان کیا، کہا ہم سے عبداللہ بن بریدہ نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن یعمر نے اور ان سے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ اگر کسی شخص کی بستی میں طاعون پھیل جائے اور وہ صبر کے ساتھ اللہ کی رحمت سے امید لگائے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے کہ ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھا ہے تو اسے شہید کے برابر ثواب ملے گا۔"[1]

امام بخاریؒ کی اس موضوع پر کتاب المرضیٰ، کتاب الطب بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

کتب احادیث کے شارحین بالخصوص حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری اور باقاعدہ طور پر ان کا ایک اہم رسالہ بذل الماعون فی فضل الطاعون، وبائی امراض، علاج اور تشخیص میں بنیادی مصدر کی حامل ہے۔ان کتب میں وباؤں سے متعلق معلومات، تشخیص، علاج کے طریقے بتانے کے ساتھ ساتھ عوامی اور سماجی سطح پر پائے جانے والے فرسودہ اور غلط خیالات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اس علمی تحرک کو مزید نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔

Statement of problem

وبائی امراض(Covid-19) کی وجہ سے عالم انسانیت کرب و آزمائش میں مبتلا ہے،جس نے دنیا کے تہذیبی ، سماجی، دینی اقدار و روایات کو بہت متاثر کیا ہے۔جس کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ ان تمام مسائل کو فقہ الحدیث / مقاصد شریعہ / فکر محدثین و فکر امام بخاریؒ کے تناظر میں حل کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

عصر حاضر میں جب جدید معاشرے سائنسی علوم کے عروج پر پہنچ چکے تھے ایک ایسی وبا سے کروڑوں لوگوں کو واسطہ پڑا جس کی ساخت، حفاظتی تدابیر اور علاج کے بہت سے معاملات ابھی تک انسانی فہم سے باہر ہیں۔اس وبا نے سائنسی ترقی ، طبّی معجزات میں کامیابیوں کو چیلنج کر دیا ہے اس سے انسانی شعور اور اس کی کارگردگی پر بہت سے سنجیدہ سوالات نے جنم لیا ہے۔

1) دنیا بھر میں خصوصاً پاکستان میں پہلی دفعہ وبائی امراض نے Pendemics کی صورت حال اختیار کی۔اس وجہ سے پہلے خصوصی معاشی مسائل کا سامنا ہوا، جیسے بے روزگاری اس میں شریعت کیا کہتی ہے۔اس

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، رقم: 3474 ؛ مسلم بن حجاج، رقم 5772

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالے سے بیت المال کا نظام کیسے کام کرے گا یا پھر گورنمنٹ انفرادی سطح پر متاثرین کو صاحب استطاعت لوگوں کے ساتھ کفالت کے پر جوڑ دے۔اس کی مثالیں شریعت اسلامی اور سیرت رسول ﷺ میں موجود ہیں۔

2) وبائی امراض جیسے (Covid-19) کے دوران عبادات کے مسائل جیسے نماز گھر یا مسجد میں پڑھنا، نماز کے دوران فاصلہ، روزے کے مسائل، حج وعمرہ کے مسائل وغیرہ۔

3) سماجی مسائل جیسے مصافحہ و معانقہ جو کہ اسلامی شعائر ہیں ان کا ترک کرنا،اسی طرح تقریبات کا شرعی حکم جیسے نکاح ولیمہ کی تقریب، لاک ڈاؤن۔

4) میڈیکل کے مسائل جیسے غذا و دوا، مدافعتی نظام، ویکسین کا حکم

ان تمام مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ جو اس وقت درپیش ہے وہ کورونا ویکسین کے بارے میں ہے۔ یہاں ویکسین کی تعریف مختصرا سمجھ لینی چاہیے کہ ویکسین سے مراد ایسے مدافعتی مواد کی تیاری ہے جو کسی مرض کا سبب بنے بغیر جانداروں میں موجود مدافعتی نظام کو متحرک کر سکے۔ ویکسین ایک اقدامی تحفظ کا ذریعہ ہے۔ اور یہ ایک صحت مند فرد کو آئندہ کے تحفظ کے پیش نظر لگائی جاتی ہے۔ اس کو اقدامی تحفظ کہتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ سے شریعت کا مقصود رہا ہے۔ اقدامی تحفظ کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلا

﴿وَالْعَصْرِ ۝١ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[1]

خسارہ سے بچنے کے لیے یہ چار کام کرو۔ اخروی خسارہ سے بچنے کے لیے دنیا میں نیک اعمال کرو۔ حرام سے بچنے کے لیے مشتبہ چیزوں کو ترک کردو۔ آفات ومصائب سے بچنے کے لیے صبح وشام کے اذکار، صدقہ وخیرات، بدکاری سے محفوظ رہنے کے لیے نظروں کی حفاظت کرو۔ گویا کہ ہر معاملہ میں اقدامی تحفظ کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تو یہ حدیث مبارکہ یہاں پیش نظر رہنی چاہیے:

مَن تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَٰلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ[2]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ہر دن صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھا لیں، اسے اس دن نہ زہر نقصان پہنچا سکے گا اور نہ جادو۔“

---

① العصر: 1-3

② صحیح بخاری، کتاب الأطعمة، باب العجوة، رقم 4555

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس پر غور کریں تو زہر اور جادو سے بچنے کے اقدامی تحفظ کے لیے یہ عمل بتایا جارہاہے۔تاریخ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جدید دنیا میں ویکسین کا تصور سب سے پہلے مسلمانوں نے دیا۔اور اس کے بعد یہ تصور یورپی ممالک میں پہنچا۔ خصوصا 1717ء ترکی استنبول میں خلافت عثمانیہ سے شاہی طبیب اس کا استعمال کرتے تھے۔ برطانوی سائنس دان گیرتھ ویلیم کی کتاب (Angle of Death) کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ویکسین میں حرام اجزاء کی ملاوٹ ہو تو اسے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔کیونکہ حدیث مبارکہ ہے:

(ولا تداووا بحرام)[1]

"حرام چیز کے ساتھ علاج نہ کرو۔"

اب اس پر غور وفکر اور تدبر کی ضرورت ہے کہ آیا علاج کس طرح کیا جائے تو علماء کرام نے شرعی ، فقہی اصول و قواعد، مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے رہنمائی کی ہے۔جس سے کی بنیاد پر دو موقف سامنے آتے ہیں۔

ا)۔استحالہ کی بنیاد پر حلال ہے۔

۲)۔فقط ضرورت و مجبوری کے وقت جائز ہے۔

استحالہ کا مطلب یہ ہے کہ حرام و نجس چیز اپنی ماہیت وحالت کو تبدیل کرکے ایک حلال و پاک چیز کی ماہیت میں اس طرح بدل جائے کہ پہلی ماہیت کی کوئی صفت، علامت یا کیفیت اس میں موجود نہ ہو بلکہ اس کا نام تبدیل ہو جائے (مزید تفصیل کے لیے الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ 3/213)۔ (Islamic Organization for Medical Sciences Kuwait (10MS) 1997

۲)۔استہلاک: علماء کے ایک گروہ نے استحالہ کے اصول کی بجائے استہلاک کا اصول پیش کیا ہے۔ استہلاک کا اصول یہ ہے کہ قلیل حرام میں اس قدر حلال کی آمیزش کردی جائے کہ وہ حرام اس میں ہلاک یعنی فنا ہو جائے۔جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:"جب پانی دو قلے (تقریبا 230 لیٹر) ہو تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔"[2]

فقہ کی کتب میں ہے کہ اگر کوئی پانی نجس ہو تو اس میں کثیر تعداد میں پاک پانی ملا دیا جائے جس میں وہ نجاست فنا ہو جائے اور پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ بدل کر پاکیزہ ہو جائے۔جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں ہے،

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدویۃ المکروھۃ، حدیث 3874

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ماینجس الماء، حدیث 63

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے سمندر کے پانی کے بارے میں فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''[1]

ضرورت کے وقت استعمال:

شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ ''الضرورۃ تبیح المحظورات''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''ضرورت حرام چیز کو حلال کر دیتی ہے۔'' اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[2]

اور مزید فرمان ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ﴾[3]

قرآن مجید کی ان آیات کو سامنے رکھتے ہوئے متحدہ عرب امارات کی ''مجلس افتاء https://www.dar-alifta.org/ اور مصر کی دار الإفتاء کمیٹی نے موقف اختیار کیا ہے کہ کورونا وائرس اس وقت جان لیوا بنا ہوا ہے۔ اور پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے۔ ویکسین کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس کا استعمال جائز ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں انھوں نے کہا ہے کہ اس وقت جان بچانا ضروری ہے اور ضرورت کے تحت ایسے شخص کے لیے جائز ہو جاتا ہے جو جسمانی صحت کے لحاظ سے کمزور ہو اور وہ اس کے علاوہ بھی بیماریوں میں مبتلا ہو۔

[1] سنن ابی داؤد، حدیث 83؛ مزید تفصیل کے لیے: Islamic Religious Council of Singapore
[2] البقرۃ: 173
[3] الانعام: 119

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

کتاب کے موضوعات

1. سماجی انصاف کی ترقی اور عملی اقدامات کا جائزہ سیرت طیبہ ﷺ کی عصری معنویت کے تناظر میں
2. کفالت عامہ کا تصور، (حکام و عوام کی ذمہ داریاں) سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی
3. عوامی فلاح و بہبود کا تصور، اسلامی فلاحی ریاست کے لیے عملی اقدامات سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
4. سماجی استحکام کیلئے خواتین کی تعلیم و تربیت (تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں)
5. اصلاح معاشرہ کے لیے نوجوان صحابہ کرامؓ کا بطور معلم تقرر اور ان کا اصلاحی کردار
6. سماجی ترقی کے لیے نسلی تکبر و غرور کے خاتمہ کی ضرورت، سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
7. اصلاح معاشرہ میں مسجد کا کردار، عہد نبوی ﷺ کا خصوصی مطالعہ (تہذیبی و ثقافتی تناظر میں)
8. غذائی قلت کے اسباب، تدارک کے لیے عملی اقدامات سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں
9. قحط سالی، وبائی امراض اور حکام کی ذمہ داریاں (عہد نبوی ﷺ و خلفائے راشدین کے تناظر میں
10. پاکستان میں پانی کی قلت کا حل، تجاویز مطالعہ، سیرت نبویہ ﷺ کی روشنی میں
11. محنت و اجرت کا تصور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں
12. مالی بدعنوانی (Corruption) کرپشن کی روک تھام۔ سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
13. خصوصی افراد کے سماجی ترقی میں کردار کو مثبت بنانے کے لیے عملی اقدامات، سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں
14. سماج میں غلامی کی روک تھام کے لیے عملی اقدامات سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی کے تناظر میں
15. دعوت، ضیافت / مہمان نوازی کی سماجی روایت تعلیمات نبویہ ﷺ کی روشنی میں
16. تفریح اور کھیلوں کا تصور اسوہ حسنہ ﷺ کے تناظر میں
17. سماجی ترقی میں امن و صلح کا کردار سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں
18. ماحولیات کا تحفظ اور سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
19. گلوبل وارمنگ (Global warming) شجر کاری کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی
20. اسلامی ثقافتی ڈھانچہ: تشکیل و ارتقا مکی دور نبوی ﷺ کا تجزیاتی مطالعہ
21. وبائی امراض (COVID-19) کے دوران معاصر مسائل اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی

زیر اہتمام: سیرت چیئر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ